الفاضلة

لحل أسئلة

الكتب الخمسة

(برائے طلبہ دورۂ حدیث شریف)

- مشکوٰۃ
- ہدایۃ آخرین
- شرح عقائد
- نخبۃ الفکر
- سراجی

تالیف

محمد تحسین فائز قاسمی

فاضل دار العلوم دیوبند

اشرفی بک ڈپو دیوبند

Pinterest

Follow All Social Media Network:

NEW MADARSA

Blogger

Telegram

Instagram

facebook

काम देख कर follow करें

الفاضلة

لحل

أسئلة الكتب الخمسة

(برائے طلبہ دورۂ حدیث شریف)

تالیف

محمد تحسین فائز قاسمی

فاضل دار العلوم دیوبند

باهتمام ——— سعود علی

ناشر

اشرفی بک ڈپو دیوبند یوپی، انڈیا

Mob.: 093580[illegible]571

جو کتاب نیٹ پر موجود نہیں ہیں
یا کوئی کتاب آپکو چاہئے جو نیٹ پر
موجود نہ ہو تو آپ ہمیں میسیج کریں



ٹیلیگرام چینل
@New Madarsa
https://t.me/NewMadarsa

یا ٹیلیگرام گروپ
@New Madarsa Group
https://t.me/NewMadarsaGroup

کتابت کے جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

تفصیلات

نام کتاب ـــــ الفاضلۃ لحل اسئلۃ الکتب الخمسۃ

تالیف ـــــ محمد تحسین فائز قاسمی

باہتمام ـــــ سعود علی

صفحات ـــــ ۶۵۶

ناشر ـــــ اشرفی بک ڈپو دیوبند

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ناشر

اشرفی بک ڈپو دیوبند، یوپی، انڈیا

Mob.: 09358001571

فہرست سوالات

سوالات	صفحہ نمبر
انتساب	۱۸
اس کتاب کے بارے میں	۱۹
دعائیہ کلمات	۲۰
تقریظ	۲۱
مصطلاحات علمِ حدیث وفقہ	۲۲
سوال:۱، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۱	۳۸
سوال:۲، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۲ (داخلہ ۱۴۳۵ھ)	۴۰
سوال:۳، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۴ (داخلہ ۱۴۳۰ھ)	۴۳
سوال:۴، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۴ (داخلہ ۱۴۲۴ھ)	۴۴
سوال:۵، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۵ (داخلہ ۱۴۲۹ھ)	۴۶
سوال:۶، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۷ (داخلہ ۱۴۳۲ھ)	۵۰
سوال:۷، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۸ (داخلہ ۱۴۳۷ھ)	۵۲
سوال:۸، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۸ (داخلہ ۱۴۳۱ھ)	۵۵
سوال:۹، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۸ (داخلہ ۱۴۲۷ھ)	۵۷
سوال:۱۰، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۰ (داخلہ ۱۴۳۶ھ)	۵۸
سوال:۱۱، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۷	۶۱

سوال:۱۲، مشکوٰۃ شریف:ص/۲۹ (داخلہ۱۴۲۵ھ) ۶۴
سوال:۱۳، مشکوٰۃ شریف:ص/۲۹ (داخلہ۱۴۳۴ھ) ۶۷
سوال:۱۴، مشکوٰۃ شریف:ص/۲۹ (داخلہ۱۴۳۴ھ) ۶۹
سوال:۱۵، مشکوٰۃ شریف:ص/۳۰ (داخلہ۱۴۳۳ھ) ۷۲
سوال:۱۶، مشکوٰۃ شریف:ص/۳۱ (داخلہ۱۴۲۸ھ) ۷۴
سوال:۱۷، مشکوٰۃ شریف:ص/۳۳ (داخلہ۱۴۲۹ھ) ۷۵
سوال:۱۸، مشکوٰۃ شریف:ص/۳۵ (داخلہ۱۴۳۸ھ) ۷۶
سوال:۱۹، مشکوٰۃ شریف:ص/۳۶ (داخلہ۱۴۴۰ھ) ۸۰
سوال:۲۰، مشکوٰۃ شریف:ص/۴۱ (داخلہ۱۴۳۲ھ) ۸۲
سوال:۲۱، مشکوٰۃ شریف:ص/۵۲ (داخلہ۱۴۲۴ھ) ۸۳
سوال:۲۲، مشکوٰۃ شریف:ص/۵۳ (داخلہ۱۴۳۶ھ) ۸۵
سوال:۲۳، مشکوٰۃ شریف:ص/۶۰ (داخلہ۱۴۳۷ھ) ۸۷
سوال:۲۴، مشکوٰۃ شریف:ص/۶۰ (داخلہ۱۴۲۷ھ) ۹۰
سوال:۲۵، مشکوٰۃ شریف:ص/۶۳ (داخلہ۱۴۲۹ھ) ۹۲
سوال:۲۶، مشکوٰۃ شریف:ص/۷۱ (داخلہ۱۴۳۶ھ) ۹۵
سوال:۲۷، مشکوٰۃ شریف:ص/۷۱ (داخلہ۱۴۳۶ھ) ۹۸
سوال:۲۸، مشکوٰۃ شریف:ص/۷۷ (داخلہ۱۴۳۱ھ) ۱۰۰
سوال:۲۹، مشکوٰۃ شریف:ص/۷۹ (داخلہ۱۴۳۳ھ) ۱۰۲
سوال:۳۰، مشکوٰۃ شریف:ص/۹۰ (داخلہ۱۴۳۵ھ) ۱۰۴
سوال:۳۱، مشکوٰۃ شریف:ص/۹۱ (داخلہ۱۴۲۸ھ) ۱۰۷
سوال:۳۲، مشکوٰۃ شریف:ص/۹۵ (داخلہ۱۴۳۰ھ) ۱۰۹
سوال:۳۳، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۱۳ (دالہ۱۴۲۶ھ) ۱۱۰

سوال:۳۴، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۱۵ (داخلہ۱۴۳۸ھ) ۱۱۳
سوال:۳۵، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۱۹ ..... ۱۱۶
سوال:۳۶، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۲۱ ..... ۱۲۰
سوال:۳۷، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۲۳ ..... ۱۲۱
سوال:۳۸، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۲۷ ..... ۱۲۳
سوال:۳۹، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۲۹ ..... ۱۲۵
سوال:۴۰، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۵۷ (داخلہ۱۴۳۴ھ) ۱۲۸
سوال:۴۱، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۵۸ (داخلہ۱۴۳۵ھ) ۱۲۹
سوال:۴۲، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۵۸ (داخلہ۱۴۲۴ھ) ۱۳۳
سوال:۴۳، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۶۰ (داخلہ۱۴۳۳ھ) ۱۴۷
سوال:۴۴، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۶۰ (داخلہ۱۴۲۶ھ) ۱۳۷
سوال:۴۵، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۶۱ (داخلہ۱۴۳۷ھ) ۱۳۸
سوال:۴۶، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۶۳ ..... ۱۴۱
سوال:۴۷، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۷۷ (داخلہ۱۴۲۷ھ) ۱۴۴
سوال:۴۸، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۸۱ ..... ۱۴۵
سوال:۴۹، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۸۳ ..... ۱۴۷
سوال:۵۰، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۸۳ ..... ۱۵۰
سوال:۵۱، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۹۲ ..... ۱۵۱
سوال:۵۲، مشکوٰۃ شریف:ص/۲۰۷ (داخلہ۱۴۳۱ھ) ۱۵۳
سوال:۵۳، مشکوٰۃ شریف:ص/۲۲۰ (داخلہ۱۴۲۰ھ) ۱۵۵
سوال:۵۴، مشکوٰۃ شریف:ص/۲۳۳ ..... ۱۵۷
سوال:۵۵، مشکوٰۃ شریف:ص/۲۳۵ ..... ۱۵۹

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال:٥٦، مشکوٰۃ شریف:ص/٢٤١ (داخلہ١٤٢٨ھ) ١٦٢
سوال:٥٧، مشکوٰۃ شریف:ص/٢٤٥ (داخلہ١٤٣٢ھ) ١٦٤
سوال:٥٨، مشکوٰۃ شریف:ص/٢٤٦-٢٤٩ (داخلہ١٤٣٨ھ) ١٦٦
سوال:٥٩، مشکوٰۃ شریف:ص/٢٤٨ (داخلہ١٤٢٤ھ) ١٦٩
سوال:٦٠، مشکوٰۃ شریف:ص/٢٤٩ (داخلہ١٤٣٠ھ) ١٧١
سوال:٦١، مشکوٰۃ شریف:ص/٢٥٥ (داخلہ١٤٢٦ھ) ١٧٣
سوال:٦٢، مشکوٰۃ شریف:ص/٢٧٠ (داخلہ١٤٣٢ھ) ١٧٥
سوال:٦٣، مشکوٰۃ شریف:ص/٢٧٢ (داخلہ١٤٣٧ھ) ١٧٧
سوال:٦٤، مشکوٰۃ شریف:ص/٢٧٣ (داخلہ١٤٣٤ھ) ١٧٩
سوال:٦٥، مشکوٰۃ شریف:ص/٢٧٨ (داخلہ١٤٢٩ھ) ١٨١
سوال:٦٦، مشکوٰۃ شریف:ص/٢٨٣ (داخلہ١٤٣٣ھ) ١٨٣
سوال:٦٧، مشکوٰۃ شریف:ص/٢٨٧ (داخلہ١٤٣٦ھ) ١٨٥
سوال:٦٨، مشکوٰۃ شریف:ص/٢٩١ ..... ١٨٧
سوال:٦٩، مشکوٰۃ شریف:ص/٢٩٤ ..... ١٨٩
سوال:٧٠، مشکوٰۃ شریف:ص/٢٩٥ ..... ١٩٢
سوال:٧١، مشکوٰۃ شریف:ص/٢٩٦ ..... ١٩٤
سوال:٧٢، مشکوٰۃ شریف:ص/٢٩٧ ..... ١٩٥
سوال:٧٣، مشکوٰۃ شریف:ص/٣٠٠ ..... ١٩٧
سوال:٧٤، مشکوٰۃ شریف:ص/٣٠٢ ..... ١٩٩
سوال:٧٥، مشکوٰۃ شریف:ص/٣١٠ ..... ٢٠١
سوال:٧٦، مشکوٰۃ شریف:ص/٣١٦ (داخلہ١٤٣٨ھ) ٢٠٣
سوال:٧٧، مشکوٰۃ شریف:ص/٣٢٤ (١٤٣٧ھ) ٢٠٥

سوال:۷۸، مشکوٰۃ شریف:ص/۳۲۵ (داخلہ۱۴۳۱ھ) ۲۰۷
سوال:۷۹، مشکوٰۃ شریف:ص/۳۳۱ ..... ۲۰۹
سوال:۸۰، مشکوٰۃ شریف:ص/۳۴۸ ..... ۲۱۰
سوال:۸۱، مشکوٰۃ شریف:ص/۳۴۹ ..... ۲۱۲
سوال:۸۲، مشکوٰۃ شریف:ص/۳۵۷ ..... ۲۱۴
سوال:۸۳، مشکوٰۃ شریف:ص/۳۶۱ (داخلہ۱۴۲۹ھ) ۲۱۶
سوال:۸۴، مشکوٰۃ شریف:ص/۳۷۶ (داخلہ۱۴۳۵ھ) ۲۱۸
سوال:۸۵، مشکوٰۃ شریف:ص/۳۷۸ ..... ۲۲۲
سوال:۸۶، مشکوٰۃ شریف:ص/۳۷۹ ..... ۲۲۵
سوال:۸۷، مشکوٰۃ شریف:ص/۳۸۰ (داخلہ۱۴۳۲ھ) ۲۲۷
سوال:۸۸، مشکوٰۃ شریف:ص/۳۸۵ (داخلہ۱۴۲۸ھ) ۲۲۸
سوال:۸۹، مشکوٰۃ شریف:ص۳۸۹ (داخلہ۱۴۳۴ھ) ۲۲۹
سوال:۹۰، مشکوٰۃ شریف:ص/۳۹۱ ..... ۲۳۱
سوال:۹۱، مشکوٰۃ شریف:ص/۳۹۲ ..... ۲۳۵
سوال:۹۲، مشکوٰۃ شریف:ص/۳۹۵ ..... ۲۳۷
سوال:۹۳، مشکوٰۃ شریف:ص/۴۰۳ ..... ۲۳۹
سوال:۹۴، مشکوٰۃ شریف:ص/۴۱۰ (۱۴۲۵ھ) ۲۴۱
سوال:۹۵، مشکوٰۃ شریف:ص/۴۱۲ (داخلہ۱۴۲۷ھ) ۲۴۳
سوال:۹۶، مشکوٰۃ شریف:ص۴۲۶ (۱۴۳۳ھ) ۲۴۵
سوال:۹۷، مشکوٰۃ شریف:ص/۴۳۵ (داخلہ۱۴۳۱ھ) ۲۴۷
سوال:۹۸، مشکوٰۃ شریف:ص/۴۴۱ ..... ۲۴۸
سوال:۹۹، مشکوٰۃ شریف:ص/۴۴۹ ..... ۲۵۱

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال:۱۰۰، مشکوٰۃ شریف: ص/۴۵۹ (داخلہ ۱۴۲۶ھ) ۲۵۳
سوال:۱۰۱، مشکوٰۃ شریف: ص/۴۶۱ (داخلہ ۱۴۲۸) ۲۵۵
سوال:۱۰۲، مشکوٰۃ شریف: ص/۴۶۴ (۱۴۲۴ھ) ۲۵۶
سوال:۱۰۳، مشکوٰۃ شریف: ص/۴۷۶ (داخلہ ۱۴۲۵ھ) ۲۵۸
سوال:۱۰۴، مشکوٰۃ شریف: ص/۴۸۳ (۱۴۳۸ھ) ۲۶۱
سوال:۱۰۵، مشکوٰۃ شریف: ص/۴۸۷ (۱۴۳۵ھ) ۲۶۶
سوال:۱۰۶، مشکوٰۃ شریف: ص/۵۰۱ ..... ۲۶۸
سوال:۱۰۷، مشکوٰۃ شریف: ص/۵۱۲ (داخلہ ۱۴۲۷) ۲۷۱

هدایه

سوال:۱، ہدایہ آخرین: ص/۲۱ ..... ۲۷۶
سوال:۲، ہدایہ آخرین: ص/۲۲ (داخلہ ۱۴۳۲ھ) ۲۷۸
سوال:۳، ہدایہ آخرین: ص/۲۳ (داخلہ ۱۴۳۹ھ) ۲۸۰
سوال:۴، ہدایہ آخرین: ص/۲۴ (داخلہ ۱۴۳۵ھ) ۲۸۲
سوال:۵، ہدایہ آخرین: ص/۲۹ (داخلہ ۱۴۲۶ھ) ۲۸۴
سوال:۶، ہدایہ آخرین: ص/۲۹ (داخلہ ۱۴۳۳ھ) ۲۸۶
سوال:۷، ہدایہ آخرین: ص/۲۹ (داخلہ ۱۴۲۹ھ) ۲۸۸
سوال:۸، ہدایہ آخرین: ص/۳۰ (داخلہ ۱۴۳۰ھ) ۲۹۱
سوال:۹، ہدایہ آخرین: ص/۳۱ (داخلہ ۱۴۳۷ھ) ۲۹۳
سوال:۱۰، ہدایہ آخرین: ص/۳۴ (داخلہ ۱۴۲۷ھ) ۲۹۵
سوال:۱۱، ہدایہ آخرین: ص/۴۲ (داخلہ ۱۴۳۴ھ) ۲۹۶
سوال:۱۲، ہدایہ آخرین: ص/۴۴ (داخلہ ۱۴۳۶ھ) ۲۹۸

سوال:۱۳، ہدایہ آخرین:ص/۴۶ ..... ۳۰۰
سوال:۱۴، ہدایہ آخرین:ص/۴۷ ..... ۳۰۲
سوال:۱۵، ہدایہ آخرین:ص/۴۷ ..... ۳۰۵
سوال:۱۶، ہدایہ آخرین:ص/۴۸ ..... ۳۰۷
سوال:۱۷، ہدایہ آخرین:ص/۵۲ ..... ۳۱۰
سوال:۱۸، ہدایہ آخرین:ص/۶۰ (داخلہ ۱۴۲۵ھ) ۳۱۲
سوال:۱۹، ہدایہ آخرین:ص/۷۶ (داخلہ ۱۴۲۹ھ) ۳۱۴
سوال:۲۰، ہدایہ آخرین:ص/۸۲ (داخلہ ۱۴۳۰ھ) ۳۱۶
سوال:۲۱، ہدایہ آخرین:ص/۸۳ (داخلہ ۱۴۳۳ھ) ۳۱۸
سوال:۲۲، ہدایہ آخرین:ص/۸۶ (داخلہ ۱۴۲۴ھ) ۳۲۰
سوال:۲۳، ہدایہ آخرین:ص/۹۳ (داخلہ ۱۴۳۷ھ) ۳۲۲
سوال:۲۴، ہدایہ آخرین:ص/۱۰۰ (داخلہ ۱۴۳۸ھ) ۳۲۴
سوال:۲۵، ہدایہ آخرین:ص/۱۰۶ (داخلہ ۱۴۳۵ھ) ۳۲۷
سوال:۲۶، ہدایہ آخرین:ص/۱۰۶ (داخلہ ۱۴۳۴ھ) ۳۲۹
سوال:۲۷، ہدایہ آخرین:ص/۱۱۰ (داخلہ ۱۴۲۸ھ) ۳۳۱
سوال:۲۸، ہدایہ آخرین:ص/۱۱۶ (داخلہ ۱۴۲۶ھ) ۳۳۲
سوال:۲۹، ہدایہ آخرین:ص/۱۲۴ (داخلہ ۱۴۳۶ھ) ۳۳۵
سوال:۳۰، ہدایہ آخرین:ص/۱۲۹ (داخلہ ۱۴۲۷ھ) ۳۳۸
سوال:۳۱، ہدایہ آخرین:ص/۱۷۹ (داخلہ ۱۴۳۸ھ) ۳۴۱
سوال:۳۲، ہدایہ آخرین:ص/۳۹۱ (داخلہ ۱۴۳۶ھ) ۳۴۳
سوال:۳۳، ہدایہ آخرین:ص/۳۹۵ (داخلہ ۱۴۲۵ھ) ۳۴۶
سوال:۳۴، ہدایہ آخرین:ص/۳۹۶ (داخلہ ۱۴۲۹ھ) ۳۴۸

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال:۳۵، ہدایہ آخرین: ص/۳۹۶ (داخلہ ۱۴۲۸ھ) ۳۴۹
سوال:۳۶، ہدایہ آخرین: ص/۳۹۸ (داخلہ ۱۴۳۰) ۳۵۱
سوال:۳۷، ہدایہ آخرین: ص/۴۰۲ (داخلہ ۱۴۳۷ھ) ۳۵۲
سوال:۳۸، ہدایہ آخرین: ص/۴۰۵ (داخلہ ۱۴۳۵ھ) ۳۵۴
سوال:۳۹، ہدایہ آخرین: ص/۴۰۷ (داخلہ ۱۴۲۷ھ) ۳۵۷
سوال:۴۰، ہدایہ آخرین: ص/۴۰۹ (داخلہ ۱۴۳۸ھ) ۳۵۹
سوال:۴۱، ہدایہ آخرین: ص/۴۱۳ (داخلہ ۱۴۳۴ھ) ۳۶۲
سوال:۴۲، ہدایہ آخرین: ص/۴۱۳ (داخلہ ۱۴۲۴ھ) ۳۶۳
سوال:۴۳، ہدایہ آخرین: ص/۴۳۵ (داخلہ ۱۴۳۷ھ) ۳۶۶
سوال:۴۴، ہدایہ آخرین: ص/۴۳۸ (داخلہ ۱۴۳۸ھ) ۳۶۸
سوال:۴۵، ہدایہ آخرین: ص/۴۴۲ (داخلہ ۱۴۲۶ھ) ۳۷۱
سوال:۴۶، ہدایہ آخرین: ص/۴۶۱ (داخلہ ۱۴۳۴ھ) ۳۷۳
سوال:۴۷، ہدایہ آخرین: ص/۴۷۰ (داخلہ ۱۴۳۵ھ) ۳۷۴
سوال:۴۸، ہدایہ آخرین: ص/۴۷۲ (داخلہ ۱۴۳۶ھ) ۳۷۵
سوال:۴۹، ہدایہ آخرین: ص/۵۱۹ ..... ۳۷۷
سوال:۵۰، ہدایہ آخرین: ص/۵۲۰ ..... ۳۷۹
سوال:۵۱، ہدایہ آخرین: ص/۵۲۴ ..... ۳۸۲
سوال:۵۲، ہدایہ آخرین: ص/۵۲۷ ..... ۳۸۳
سوال:۵۳، ہدایہ آخرین: ص/۵۳۴ ..... ۳۸۵

شرح عقائد

سوال:۱، شرح عقائد: ص/۸ (داخلہ ۱۴۳۱ھ) ۳۸۹

سوال:۲،شرح عقائد:ص/۸،(ششماہی۱۴۳۴ھ،۱۴۲۸ھ) ۳۹۱
سوال:۳،شرح عقائد:ص/۹ (داخلہ۱۴۲۸ھ) ۳۹۵
سوال:۴،شرح عقائد:ص/۱۲ (داخلہ۱۴۳۵ھ) ۳۹۷
سوال:۵،شرح عقائد:ص/۱۲ (داخلہ۱۴۳۰ھ) ۳۹۹
سوال:۶،شرح عقائد:ص/۱۲ (داخلہ۱۴۳۶ھ) ۴۰۲
سوال:۷،شرح عقائد:ص/۱۴ (داخلہ۱۴۳۲ھ) ۴۰۴
سوال:۸،شرح عقائد:ص/۱۷ (داخلہ۱۴۲۹ھ) ۴۰۶
سوال:۹،شرح عقائد:ص/۲۲ (داخلہ۱۴۳۷ھ) ۴۰۷
سوال:۱۰،شرح عقائد:ص/۲۴ (داخلہ۱۴۲۵ھ) ۴۱۰
سوال:۱۱،شرح عقائد:ص/۲۵ (داخلہ۱۴۲۷ھ) ۴۱۳
سوال:۱۲،شرح عقائد:ص/۳۰ (داخلہ۱۴۳۱ھ) ۴۱۴
سوال:۱۳،شرح عقائد:ص/۳۱ (داخلہ۱۴۲۶ھ) ۴۱۷
سوال:۱۴،شرح عقائد:ص/۳۴ (داخلہ۱۴۳۸ھ) ۴۱۹
سوال:۱۵،شرح عقائد:ص/۳۸(داخلہ۱۴۳۱ھ) ۴۲۰
سوال:۱۶،شرح عقائد:ص/۴۱(سالانہ۱۴۳۷ھ) ۴۲۲
سوال:۱۷،شرح عقائد:ص/۴۱ (داخلہ۱۴۳۴ھ) ۴۲۴
سوال:۱۸،شرح عقائد:ص/۴۲ (داخلہ۱۴۲۹ھ) ۴۲۶
سوال:۱۹،شرح عقائد:ص/۴۳ (سالانہ۱۴۳۴ھ) ۴۲۸
سوال:۲۰،شرح عقائد:ص/۴۵ (سالانہ۱۴۳۵ھ) ۴۳۰
سوال:۲۱،شرح عقائد:ص/۴۶ (داخلہ۱۴۳۲ھ) ۴۳۲
سوال:۲۲،شرح عقائد:ص/۴۸ (داخلہ۱۴۳۷ھ) ۴۳۴
سوال:۲۳،شرح عقائد:ص/۴۸ (داخلہ۱۴۲۵ھ) ۴۳۶

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال:۲۴،شرح عقائد:ص/۴۹ (سالانہ۱۴۳۲ھ) ۴۳۹
سوال:۲۵،شرح عقائد:ص/۵۱ (داخلہ۱۴۳۳ھ) ۴۴۱
سوال:۲۶،شرح عقائد:ص/۵۱ (سالانہ۱۴۲۷ھ) ۴۴۵
سوال:۲۷،شرح عقائد:ص/۵۲ (داخلہ۱۴۲۷ھ) ۴۴۹
سوال:۲۸،شرح عقائد:ص/۵۳ (داخلہ۱۴۳۰ھ) ۴۵۱
سوال:۲۹،شرح عقائد:ص/۶۰ (ششماہی۱۴۲۹ھ) ۴۵۳
سوال:۳۰،شرح عقائد:ص/۵۵ (ششماہی۱۴۳۶ھ) ۴۵۶
سوال:۳۱،شرح عقائد:ص/۶۱ (ششماہی۱۴۳۲ھ) ۴۵۸
سوال:۳۲،شرح عقائد:ص/۶۳ (داخلہ۱۴۳۵ھ) ۴۶۱
سوال:۳۳،شرح عقائد:ص/۶۴ (داخلہ۱۴۲۶ھ) ۴۶۴
سوال:۳۴،شرح عقائد:ص/۷۰ (سالانہ۱۴۳۲ھ) ۴۶۶
سوال:۳۵،شرح عقائد:ص/۷۳ (سالانہ۱۴۳۳ھ) ۴۶۸
سوال:۳۶،شرح عقائد:ص/۷۵ (داخلہ۱۴۳۷ھ) ۴۷۰
سوال:۳۷،شرح عقائد:ص/۷۷ (داخلہ۱۴۳۶ھ) ۴۷۲
سوال:۳۸،شرح عقائد:ص/۸۱ (داخلہ۱۴۲۸ھ) ۴۷۴
سوال:۳۹،شرح عقائد:ص/۸۷ (داخلہ۱۴۲۶ھ) ۴۷۵
سوال:۴۰،شرح عقائد:ص/۹۴ (داخلہ۱۴۲۵ھ) ۴۷۷
سوال:۴۱،شرح عقائد:ص/۱۰۰ (داخلہ۱۴۳۰ھ) ۴۸۰
سوال:۴۲،شرح عقائد:ص/۱۰۶ (داخلہ۱۴۳۴ھ) ۴۸۱
سوال:۴۳،شرح عقائد:ص/۱۱۱ (داخلہ۱۴۳۸ھ) ۴۸۳
سوال:۴۴،شرح عقائد:ص/۱۱۳ (داخلہ۱۴۳۵ھ) ۴۸۵
سوال:۴۵،شرح عقائد:ص/۱۳۳ (داخلہ۱۴۳۲ھ) ۴۸۷

سوال:۴۶،شرح عقائد:ص/۱۳۳ (داخلہ۱۴۲۷ھ) ۴۸۹
سوال:۴۷،شرح عقائد:ص/۱۳۶ (داخلہ۱۴۳۱ھ) ۴۹۰
سوال:۴۸،شرح عقائد:ص/۱۴۲ (داخلہ۱۴۳۶ھ) ۴۹۲
سوال:۴۹،شرح عقائد:ص/۱۴۳ (داخلہ۱۴۳۳ھ) ۴۹۴
سوال:۵۰،شرح عقائد:ص/۱۴۵ (سالانہ۱۴۳۱ھ) ۴۹۶

نخبة الفكر

سوال:۱،نخبۃ الفکر:ص/۲ ..... ۴۹۹
سوال:۲،نخبۃ الفکر:ص/۳ (داخلہ۱۴۳۳ھ) ۵۰۱
سوال:۳،نخبۃ الفکر:ص/۴ (داخلہ۱۴۳۶ھ) ۵۰۳
سوال:۴،نخبۃ الفکر:ص/۴ (داخلہ۱۴۳۲ھ) ۵۰۵
سوال:۵،نخبۃ الفکر:ص/۸ (داخلہ۱۴۳۳ھ) ۵۰۷
سوال:۶،نخبۃ الفکر:ص/۱۰ (داخلہ۱۴۳۰ھ) ۵۰۸
سوال:۷،نخبۃ الفکر:ص/۱۱ (داخلہ۱۴۲۶ھ) ۵۰۹
سوال:۸،نخبۃ الفکر:ص/۱۲ (داخلہ۱۴۲۴ھ) ۵۱۱
سوال:۹،نخبۃ الفکر:ص/۱۳ (داخلہ۱۴۲۵ھ) ۵۱۳
سوال:۱۰،نخبۃ الفکر:ص/۱۵ (داخلہ۱۴۲۸ھ) ۵۱۵
سوال:۱۱،نخبۃ الفکر:ص/۱۷ (داخلہ۱۴۲۷ھ) ۵۱۶
سوال:۱۲،نخبۃ الفکر:ص/۱۷ (داخلہ۱۴۲۳ھ) ۵۱۷
سوال:۱۳،نخبۃ الفکر:ص/۱۸ (داخلہ۱۴۲۹ھ) ۵۱۹
سوال:۱۴،نخبۃ الفکر:ص/۲۲ (داخلہ۱۴۳۷ھ) ۵۲۰
سوال:۱۵،نخبۃ الفکر:ص/۲۲ (داخلہ۱۴۳۵ھ) ۵۲۲

سوال:۱۶،نخبۃ الفکر:ص/۲۴ (داخلہ۱۴۳۴ھ) ۵۲۴
سوال:۱۷،نخبۃ الفکر:ص/۲۴ (داخلہ۱۴۲۷ھ) ۵۲۶
سوال:۱۸،نخبۃ الفکر:ص/۲۶ (داخلہ۱۴۳۳ھ) ۵۲۸
سوال:۱۹،نخبۃ الفکر:ص/۲۶ (داخلہ۱۴۳۱ھ) ۵۲۹
سوال:۲۰،نخبۃ الفکر:ص/۲۹ (داخلہ۱۴۳۵ھ) ۵۳۱
سوال:۲۱،نخبۃ الفکر:ص/۲۹ (داخلہ۱۴۳۰ھ) ۵۳۳
سوال:۲۲،نخبۃ الفکر:ص/۲۹ (داخلہ۱۴۲۸ھ) ۵۳۵
سوال:۲۳،نخبۃ الفکر:ص/۳۳ (داخلہ۱۴۲۹ھ) ۵۳۸
سوال:۲۴،نخبۃ الفکر:ص/۳۷ (داخلہ۱۴۲۶ھ) ۵۳۹
سوال:۲۵،نخبۃ الفکر:ص/۴۰ (داخلہ۱۴۳۵ھ) ۵۴۱
سوال:۲۶،نخبۃ الفکر:ص/۴۴ (داخلہ۱۴۳۰ھ) ۵۴۳
سوال:۲۷،نخبۃ الفکر:ص/۴۴ (داخلہ۱۴۲۶ھ) ۵۴۶
سوال:۲۸،نخبۃ الفکر:ص/۴۶ (داخلہ۱۴۲۹ھ) ۵۴۹
سوال:۲۹،نخبۃ الفکر:ص/۵۰ (داخلہ۱۴۲۴ھ) ۵۵۰
سوال:۳۰،نخبۃ الفکر:ص/۵۱ (داخلہ۱۴۳۷ھ) ۵۵۲
سوال:۳۱،نخبۃ الفکر:ص/۵۱ (داخلہ۱۴۳۴ھ) ۵۵۴
سوال:۳۲،نخبۃ الفکر:ص/۵۳ (داخلہ۱۴۳۶ھ) ۵۵۶
سوال:۳۳،نخبۃ الفکر:ص/۵۹،۶۰ (داخلہ۱۴۲۷ھ) ۵۵۷
سوال:۳۴،نخبۃ الفکر:ص/۶۲ (داخلہ۱۴۲۵ھ) ۵۵۹
سوال:۳۵،نخبۃ الفکر:ص/۶۸ (داخلہ۱۴۳۱ھ) ۵۶۱
سوال:۳۶،نخبۃ الفکر:ص/۱۷ (داخلہ۱۴۳۶ھ) ۵۶۲
سوال:۳۷،نخبۃ الفکر:ص/۷۱ (داخلہ۱۴۲۵ھ) ۵۶۴

سوال:۳۸، نخبۃ الفکر: ص/۷۳ (داخلہ ۱۴۲۳ھ) ۵۶۶
سوال:۳۹، نخبۃ الفکر: ص/۷۴ (داخلہ ۱۴۳۳ھ) ۵۶۸
سوال:۴۰، نخبۃ الفکر: ص/۷۴ (داخلہ ۱۴۲۸ھ) ۵۶۹
سوال:۴۱، نخبۃ الفکر: ص/۷۵ (داخلہ ۱۴۳۷ھ) ۵۷۱
سوال:۴۲، نخبۃ الفکر: ص/۸۱ (داخلہ ۱۴۳۸ھ) ۵۷۳
سوال:۴۳، نخبۃ الفکر: ص/۸۱ (داخلہ ۱۴۲۴ھ) ۵۷۵
سوال:۴۴، نخبۃ الفکر: ص/۸۴ (داخلہ ۱۴۳۲ھ) ۵۷۸
سوال:۴۵، نخبۃ الفکر: ص/..... (داخلہ ۱۴۳۸ھ) ۵۸۰
سوال:۴۶، نخبۃ الفکر: ص/..... (داخلہ ۱۴۳۸ھ) ۵۸۲
سوال:۴۷، نخبۃ الفکر: ص/۹۶ ..... ۵۸۳
سوال:۴۸، نخبۃ الفکر: ص/۱۰۰ ..... ۵۸۶
سوال:۴۹، نخبۃ الفکر: ص/۱۰۳ ..... ۵۸۷
سوال:۵۰، نخبۃ الفکر: ص/۱۱۱ ..... ۵۸۹
سوال:۵۱، نخبۃ الفکر: ص/۱۱۸ ..... ۵۹۱
سوال:۵۲، نخبۃ الفکر: ص/۱۵۱ ..... ۵۹۴

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سراجي

سوال:۱، سراجی: ص/۳ (داخلہ ۱۴۳۳ھ) ۵۹۷
سوال:۲، سراجی: ص/۷ (داخلہ ۱۴۳۲ھ) ۵۹۹
سوال:۳، سراجی: ص/۹ (داخلہ ۱۴۳۰ھ) ۶۰۲
سوال:۴، سراجی: ص/۱۰ (داخلہ ۱۴۲۹ھ) ۶۰۳
سوال:۵، سراجی: ص/۱۲ (داخلہ ۱۴۳۸ھ) ۶۰۶

سوال:٦،سراجی:ص/١٧ (داخلہ١٤٣١ھ) ٦٠٩
سوال:٧،سراجی:ص/٢١ (داخلہ١٤٢٩ھ) ٦١١
سوال:٨،سراجی:ص/٢٦ (داخلہ١٤٢٩ھ) ٦١٣
سوال:٩،سراجی (داخلہ١٤٢٩ھ) ٦١٥
سوال:١٠،سراجی:ص/٣٠ (داخلہ١٤٣٧ھ) ٦١٦
سوال:١١،سراجی:ص/٣٢ (داخلہ١٤٣٥ھ) ٦١٩
سوال:١٢،سراجی:ص/٣٥ (داخلہ١٤٣٧ھ) ٦٢٠
سوال:١٣،سراجی:ص/٣٧ (داخلہ١٤٣٠ھ) ٦٢١
سوال:١٤،سراجی:ص/٤٢ (داخلہ١٤٣٨ھ) ٦٢٣
سوال:١٥،سراجی:ص/٤٥ (داخلہ١٤٣٠ھ) ٦٢٥
سوال:١٦،سراجی:ص/٥١ (داخلہ١٤٣٨ھ) ٦٢٨
سوال:١٧،سراجی (داخلہ١٤٣٦ھ) ٦٣٠
سوال:١٨،سراجی:ص/٥١ (داخلہ) ٦٣٢
سوال:١٩،سراجی (داخلہ١٤٣٥ھ) ٦٣٢
سوال:٢٠،سراجی (داخلہ١٤٣٥ھ) ٦٣٤
سوال:٢١،سراجی (داخلہ١٤٣٤ھ) ٦٣٦
سوال:٢٢،سراجی (داخلہ١٤٣١ھ) ٦٣٦
سوال:٢٣،سراجی (داخلہ١٤٢٨ھ) ٦٣٧
سوال:٢٤،سراجی (داخلہ١٤٢٧ھ) ٦٣٧
سوال:٢٥،سراجی (داخلہ١٤٢٧ھ) ٦٣٨
سوال:٢٦،سراجی (داخلہ١٤٢٦ھ) ٦٤٠
سوال:٢٧،سراجی (داخلہ١٤٢٦ھ) ٦٤٠

سوال:۲۸،سراجی (داخلہ۱۴۲۵ھ) ۶۴۲
سوال:۲۹،سراجی (داخلہ۱۴۲۵ھ) ۶۴۳
سوال:۳۰،سراجی (داخلہ۱۴۲۴ھ) ۶۴۵
سوال:۳۱،سراجی (داخلہ۱۴۲۴ھ) ۶۴۵
سوال:۳۲،سراجی (داخلہ۱۴۲۳ھ) ۶۴۷
سوال:۳۳،سراجی:ص ر (داخلہ۱۴۲۳ھ) ۶۴۷
سوال:۳۴،سراجی:ص ر (داخلہ۱۴۲۳ھ) ۶۴۹
سوال:۳۵،سراجی (داخلہ۱۴۲۲ھ) ۶۵۱
سوال:۳۶،سراجی (داخلہ۱۴۲۲ھ) ۶۵۳
حصص العصبات ۶۵۴



Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

انتساب

مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے نام جس نے ہمارے اندر احساس وشعور کو بیدار کیا اور جس کے فیضانِ صحبت سے کچھ کرگزرنے کا حوصلہ ہوا۔

اور

اپنے مشفق ومربی اساتذہ کرام کے نام جنہوں نے اپنے علمی دریا سے سیراب کرکے مجھے اس لائق بنایا۔

اور

اپنے مشفق ومخلص والدین کے نام جن کی بے پایاں کوششوں اور مخلصانہ شفقتوں اور مبارک دعاؤں کی بدولت اس مقام تک ہماری رسائی ہوسکی۔

محمد تحسین فائز قاسمی



اِس کتاب کے بارے میں

- دارالعلوم دیوبند کے پرچۂ امتحانات (داخلہ، ششماہی وسالانہ) برائے دورۂ حدیث شریف کے کتبِ خمسہ (مشکوٰۃ، ہدیہ، شرح عقائد، نخبۃ الفکر اور سراجی) کے ۱۴۲۴ھ سے لے کر ۱۴۴۳ھ تک ۲۰ رسالہ پرچۂ سوالات مع جوابات کو بالترتیب سہل انداز میں حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- عربی عبارت کو صحیح اعراب سے مزین کیا گیا ہے۔
- ہر عبارت کا سلیس ترجمہ کیا گیا ہے۔
- پرچۂ سوالات کے جواب ''الف''، ''ب''، ''ج'' کے عنوان پر باوضاحت لکھے گئے ہیں۔
- ہر جز کے جواب سے پہلے مختصر عنوان قائم کیا گیا ہے۔
- فقہی مسائل میں ائمۂ کرام کے دلائل وہی پیش کیے گئے ہیں جو اہم اور صحیح ہیں۔
- یہ کتاب ایسے انداز پر لکھی گئی کہ کوئی طالبِ علم متن کتاب کو سامنے رکھتے ہوئے از اوّل تا آخر حل کرے تو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے لیے کامیابی یقینی ہے۔
- سوالات مع جوابات کے ساتھ ساتھ سن کی صراحت بھی اچھے انداز سے پیش کی گئی ہے۔
- ہر سوال کی عبارت متن کے کس صفحہ پر ہے یہ بھی بتلایا گیا۔
- تقریر نہایت آسان سہل اُردو میں آسان تعبیرات سے دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

❑❖❑

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

دعائیہ کلمات

حضرت مولانا مفتی محمد راشد اعظمی صاحب دامت برکاتہم

استاذِ حدیث ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

حامداً ومصلّیا أمّا بعد!

''الفاضلہ'' نامی کتاب جو دَورہ مطلوب پانچ کتابوں کا مجموعہ ہے اس مجموعہ میں سے چند مقامات پر نظر ڈالی، یہ مجموعہ امتحان دینے والے طلبہ کے لیے کافی مفید ثابت ہوگا، ان شاء اللہ۔

عزیزم مولانا تحسین فائز قاسمی صاحب نے ''الفاضلة لحل أسئلة الكتب الخمسة'' نامی کتاب کو ترتیب دی ہے، جو طلبہ کے لیے اُمید افزا اور خوش کن ہے۔ طلبہ عزیز اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں، ان شاء اللہ یہ کتاب مادرِ علمی میں داخلہ کے لیے بہت مفید ومعاون ثابت ہوگی۔

اخیر میں اللہ رب العزت سے دعاء ہے کہ اس کتاب کو طلبہ کے لیے مفید اور مؤلف محترم کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، مزید علمی خدمات کی توفیق بخشے۔ آمین

محمد راشد اعظمی

۴/ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ



تقریظ

حضرت مولانا محمد شمشاد رحمانی صاحب مدظلہ العالی

استاذِ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند و نائب امیر شریعت بہار، اُڑیشہ و جھارکھنڈ

Website:MadarseWale.blogspot.com

Website:NewMadarsa.blogspot.com

الحمد للّٰہ وحدہٗ والصلاۃ والسلام علیٰ من لانبي بعدہ، أمّا بعد!

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ امتِ مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل کی دولت سے نوازا، اگرچہ آج کی نئی نسل قدرے سست روی کی شکار ہوگئی ہے، تاہم انہیں افراد میں سے بعض ایسے جیالے نکل آتے ہیں جن کی محنت و لگن پاس کو آس سے بدل دیتی ہے اور ان کا ذوقِ علم دوسروں کے لیے باعثِ فخر اور ان کے خوردوں کے لیے باعثِ تشویق ہوتی ہے، اسی سلسلہ کی ایک کڑی عزیز گرامی مولانا محمد تحسین فائز قاسمی فاضل دارالعلوم دیوبند ہیں کہ موصوف نے اپنے احباء و اصدقاء کی سہولت و آسانی کی غرض سے دورۂ حدیث مطلوب طلبہ کے لیے پانچ کتابوں کے مشکل مقامات و پرچۂ سوالات عمدہ طریقہ پر حل کرنے کی ایک شاندار سعی کی ہے۔

اِس لیے اہلِ علم سے مشفقانہ و مصلحانہ نظر ڈالنے کی توقع ہے نہ کہ ناقدانہ، حسبِ موقع اصلاح فرما کر حوصلہ افزائی کی درخواست ہے، اللہ پاک موصوف کی سعی کو شرفِ قبولیت عطا فرما کر مزید علمی و دینی خدمات کی توفیق بخشے۔ آمین یارب العالمین

محمد شمشاد رحمانی

استاذ دارالعلوم (وقف) دیوبند

۴ر ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ مطابق ۴ر جولائی ۲۰۲۲ء بروز پیر

مصطلاحات علمِ حدیث وفقہ

(۱) **مصطلح الحدیث:** ایسے اُصول وقواعد کو جاننا جن کے ذریعہ سند اور متن کے احوال، حدیث کے مقبول اور مردود ہونے کے اعتبار سے جانا جائے۔

(۲) **موضوع:** سند اور متن کو مقبول اور مردود ہونے کے اعتبار سے جاننا۔

(۳) **غرض:** حدیثوں کی صحت اور کمزوری کی پہچان۔

(۴) **حدیث:** وہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو، قولاً ہو، فعلاً ہو، تقریراً ہو یا صفتاً۔

(۵) **سند:** راویوں کا سلسلہ جو متن تک پہنچے۔

(۶) **اسناد:** متن کے راستے کی حکایت ''نقل'' یا خود متن کا راستہ ''سند''۔

(۷) **متن:** جہاں سند کا منتہیٰ ہو/ سند وہاں پہنچ کر ختم ہو جائے/ وہ کلام جس پر اسناد پہنچ رُک جائے۔

(۸) **متواتر:** وہ روایت جس کو بیان کرنے والے ہر طبقہ میں سچے لوگ ہوں/ جن سے جھوٹ محال ہو۔

(۹) **مشہور:** سند کے تمام طبقہ میں ۳ یا اس سے زیادہ راوی روایت کریں/ تواتر کی حد تک نہ پہنچے۔

(۱۰) **عزیز:** تمام طبقۂ سند میں دو راوی سے کم نہ ہوں۔

(۱۱) **غریب:** سند کے کسی بھی طبقہ میں راوی متفرد (تنہا) ہو جائے۔

(۱۲) **مقبول:** وہ حدیث جس کے راوی کی سچائی راجح ہو جائے۔

(۱۳) **مردود:** جس کے راوی کی سچائی راجح نہ ہو سکے۔

(۱۴) **فردِ مطلق:** سند کے شروع میں غرابت واقع ہو۔

(۱۵) **فردِ نسبی:** ''بکسر النون'' سند کے درمیان میں غرابت واقع ہو۔

(۱۶) صحیح لذاتہ: جس کی سند متصل ہو، راوی عادل ہو، حافظہ قوی ہو (ہر چیز حدیث کی مکمل چھوڑے بغیر یاد رکھتا ہو) اس میں کوئی خرابی نہ ہو، وہ شاذ نہ ہو۔

(۱۷) صحیح لغیرہ: جس کا راوی کم حافظہ کا تھا، پھر اس روایت کی تائید کثیر سندوں سے ہوئی ہو۔

(۱۸) حسن لذاتہ: جس کا راوی کم حافظہ کا ہو، اس میں کوئی خرابی نہ ہو، وہ شاذ نہ ہو۔

(۱۹) حسن لغیرہ: وہ پہلے ضعیف حدیث ہو پھر اس کی تائید کثیر سندوں سے ہوئی ہو۔

(۲۰) محفوظ: جس کو اعلیٰ درجہ کا معتبر راوی روایت کرے، ثقہ راوی کی مخالفت کرتے ہوئے۔

(۲۱) شاذ: جس کو ثقہ راوی روایت کرے اپنے سے زیادہ معتبر راوی کی مخالفت کرتے ہوئے۔

(۲۲) معروف: جس کو ثقہ راوی روایت کرے ضعیف راوی کی مخالفت کرتے ہوئے۔

(۲۳) منکر: جس کو ضعیف راوی روایت کرے ثقہ راوی کی مخالفت کرتے ہوئے۔

(۲۴) متابعت: ایک راوی حدیث روایت کرنے میں دوسرے راوی کے ساتھ شریک ہو۔

(۲۵) متابعتِ تامہ: اگر متابعت بعینہٖ راوی اوّل کو حاصل ہو۔

(۲۶) متابعتِ قاصرہ: متابعت راوی کے شیخ یا شیخ الشیخ کو حاصل ہو۔

(۲۷) اعتبار: غریب حدیث کی سند کو تلاش کرنا، تابع اور شاہد کو پہچاننے کے لیے۔

(۲۸) تابع/متابع: وہ حدیث جس کے راوی حدیث غریب کے لفظاً یا معنیً یا فقط معنیً میں شریک ہو۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۲۹) شاہد: جس کے راوی حدیث غریب کے لفظاً یا فقط معنیً شریک ہو۔

نوٹ: فرق اتنا ہے کہ تابع اور متبوع دونوں میں صحابی ایک ہوتے ہیں؛ مگر شاہد اور مشہور میں صحابی الگ الگ ہوتے ہیں۔

(۳۰) **المحکم:** وہ حدیث مقبول ہے جو معارضہ سے محفوظ ہو۔

(۳۱) **مختلف الحدیث:** وہ حدیث جو اپنی جیسی حدیث کے معارض ہو؛ مگر دونوں میں تطبیق ممکن ہو۔

(۳۲) **نسخ:** شارع کا ایک حکم کو دوسرے حکم کے ذریعہ ختم کر دینا۔

(۳۳) **ناسخ:** وہ حدیث مقبول جو اپنی جیسی حدیث کے معارض ہو اور اس کا اس حدیث سے مؤخر ہونا معلوم ہو۔

(۳۴) **منسوخ:** وہ حدیث مقبول جو اپنی جیسی حدیث کے معارض ہو اور اس کا اس حدیث سے مقدم ہونا معلوم ہو۔

(۳۵) **راجح:** وہ حدیث مقبول جو اپنی جیسی حدیث کے مقابل ہو اور اس کا راجح ہونا کسی قرینہ سے معلوم ہو گیا ہو۔

(۳۶) **مرجوح:** وہ حدیث مقبول جو اپنی جیسی حدیث کے مقابل ہو اور اس کا مرجوح ہونا معلوم ہو گیا ہو۔

(۳۷) **معلق:** وہ حدیث جس کی سند کے شروع سے ایک راوی یا بہت راوی گر گئے ہوں۔

(۳۸) **مرسل:** وہ حدیث جس کی سند کے آخر سے تابعی کے بعد راوی ساقط ہو گیا ہو۔

(۳۹) **معضل:** وہ حدیث جس کی وسط سند سے دو راوی مسلسل گر گئے ہوں۔

(۴۰) **منقطع:** جس کی سند سے ایک یا کئی راوی الگ الگ مقامات سے گر گئے ہوں۔

(۴۱) **تدلیس:** سند میں عیب کو چھپانا/ محدث کا ایک راوی چھوڑ کر اس کے اوپر کے راوی کا ذکر کرنا۔

(۴۲) **تدلیس الاسناد:** یہ ہے کہ محدث کسی حدیث کو ایسے شیخ سے روایت کرے جو اس کا ہم عصر ہے؛ مگر اس سے ملاقات نہیں ہوئی یا ملاقات تو ہوئی ہے؛ مگر

اس سے کوئی حدیث نہیں سنی یا حدیث تو سنی ہے؛ مگر یہ حدیث جو بیان کر رہا ہے، وہ نہیں سنی یہ حدیث محدث نے اس شیخ کے کسی ضعیف یا معمولی شاگرد سے سنی ہے، اس واسطہ کو حذف کر کے شیخ سے اس طرح روایت کرتا ہے کہ سماع کا وہم ہوتا ہے جیسے بقیۃ بن الولید اور ولید بن مسلم کی تدلیس، تدلیس کی یہ قسم مذموم اور ناجائز ہے۔

(۴۳) تدلیس الشیوخ: محدث اپنے شیخ کا غیر مشہور نام یا کنیت نسبت یا صفت ذکر کرے (حکمہ) مکروہ ہے۔

(۴۴) تدلیس التسویۃ: محدث اپنی سند عمدہ بنانے کے لیے اوپر کسی ضعیف راوی کو حذف کر دے۔ (حکمہ) یہ بہت مذموم تدلیس ہے۔

(۴۵) مرسل خفی: راوی ایسے شیخ سے روایت کرے جو اس کا ہم عصر ہو؛ مگر ملاقات نہ ہوئی ہو، ایسے لفظ سے روایت کرے جس سے سماع کا وہم ہو۔

(۴۶) موضوع: یعنی گڑھی ہوئی حدیث وہ ہے جو کسی ایسے راوی سے مروی ہو جو مطعون بالکذب ہو۔

(۴۷) متروک: جس کا راوی جھوٹ کی تہمت میں گرفتار ہو۔

(۴۸) منکر: یعنی انجانی حدیث وہ ہے جو کسی ایسے راوی سے مروی ہو جو فحش غلط یا کثرتِ غفلت یا فسق کے ساتھ مطعون ہے خواہ اس کی روایت ثقہ کی روایت کے خلاف ہو یا نہ ہو۔

(۴۹) معلل: یعنی خراب والی حدیث یہ وہ حدیث ہے جس میں راوی نے وہم کی وجہ سے کوئی تغیر و تبدّل کر دیا ہو اور اس وہمی تغیر کا قرائن کی وجہ سے اور تمام سندیں اکٹھا کرنے کی وجہ سے پتہ چل گیا ہو (معلل اسم مفعول ہے یطلق علی مافیہ علۃ)۔

(۵۰) مدرج الاسناد: جس کے سیاق سند کو بدل دیا گیا ہو۔

(۵۱) مدرج المتن: وہ حدیث جس میں راوی نے بغیر امتیاز کے اپنی بات کو تفسیر کے طور پر داخل کر دیا ہو۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۵۲) **مقلوب:** جس کی سند کی تعبیر میں آگے پیچھے ہوگیا ہو، وہ حدیث جس کے رُوات کے ناموں میں یا متن میں تقدیم وتاخیر ہوگئی ہو۔

(۵۳) **مزید فی متصل الاسانید:** وہ حدیث جس کی سند میں کسی راوی کا اضافہ کردیا گیا ہو جو کہ اتقن کی سند میں نہیں ہے۔

(۵۴) **مضطرب:** جس کی سند یا متن میں تبدیلی کی وجہ سے راویوں کے درمیان ایسا اختلاف ہوگیا ہو کہ ترجیح دینا ممکن نہ ہو۔

(۵۵) **مصحف:** حدیث میں حرف کا تغیر نقطوں کے ذریعہ ہو۔

(۵۶) **محرف:** ایک حرف کے بجائے کے دوسرا حرف جو اس کے ہم شکل نہ ہو تو وہ محرف ہے۔

(۵۷) **مجہول العین:** وہ مُقِل (قلیل الحدیث) راوی ہے جس سے نام لے کر صرف ایک ہی راوی نے روایت کی ہو۔

(۵۸) **مستور:** مجہول الحال ہی کو مستور بھی کہتے ہیں؛ بلکہ مجہول الحال کے لیے عام طور پر مستور ہی لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور مجہول العین کے لیے ''مجہول'' لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

(۵۹) **مبہم:** جس راوی کا نام صراحتاً ذکر نہ کیا گیا ہو۔

(۶۰) **مرفوع:** وہ حدیث ہے جس کی سند آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو۔

(۶۱) **موقوف:** وہ حدیث ہے جس کی سند صحابیؓ تک پہنچتی ہو۔

(۶۲) **مقطوع:** جس کی سند تابعی تک پہنچتی ہو۔

(۶۳) **عُلُوِّ مُطلَق:** یہ ہے کہ راوی سے لے کر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک وسائط کی تعداد کم ہو۔

(۶۴) **عُلُوِّ نِسبی:** یہ ہے کہ راوی سے لے کر کسی امامِ فنِ حدیث تک وسائط کم ہوں (خواہ اس امام کے بعد آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک وسائط زائد ہی کیوں نہ ہوں)۔

(۶۵) **اسناد عالی:** جس کے رُوات کی تعداد دوسری سند کی طرف دیکھتے ہوئے کم ہو اور وہ بعینہٖ اس کم عدد کے ساتھ وارد ہو۔

(۶۶) **موافقت:** یہ ہے کہ کوئی شخص کسی مصنف کی کتاب کے سلسلۂ سند کے علاوہ دوسرے سلسلۂ سند سے اس مصنف کے شیخ تک پہنچ جائے اور اس دوسری سند کے رُوات کی تعداد بھی کم ہو تو اسے مصنف کے ساتھ موافقت کہتے ہیں۔

(۶۷) **بدل:** مصنفین میں سے کسی ایک کے شیخ تک پہنچنا بغیر کسی طریق کے۔

(۶۸) **المساواۃ:** سند کی تعداد برابری ہونا راوی سے لے کر آخر تک کی سند مصنفین میں سے کسی ایک کی سند کے ساتھ برابر ہو۔

(۶۹) **روایۃ الاقران:** دو دوستوں (ہم عصروں میں سے) ایک دوسرے سے روایت کرنا۔

(۷۰) **المدبج:** دونوں ہم عصروں میں سے باہم ایک دوسرے سے روایت کرنا۔

(۷۱) **السابق واللاحق:** ایسے دو راویوں کا ایک شیخ سے روایت نقل کرنے میں مشترک ہونا جن دونوں کی وفات دُور دُور ہو۔

(۷۲) **الاسناد النازل:** جس کے راویوں کی تعداد زیادہ ہو دوسری سند کے مقابلہ میں اور وہ حدیث کم تعداد والی سند سے وارد ہو۔

(۷۳) **المهمل:** ایسے دو شخصوں سے روایت کرنا جو دونوں اپنے نام یا باپ کے نام میں متیقین ہو؛ مگر ممتاز نہیں۔

(۷۴) **متشابہ:** راویوں کے نام خط ولفظ میں متفق ہوں؛ مگر ان کے آباء کے نام لفظوں میں یا خط میں مختلف ہوں۔

(۷۵) **ایمان:** آدمی ان چیزوں کی تصدیق کرے جن کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یقینی طور پر متحقق ہو جو چیزیں تفصیل کے ساتھ ثابت اور معلوم ہوں، ان کا تفصیلی اور جو چیزیں اجمال کے ساتھ ثابت ہوں ان کا اجمالی طور پر اقرار کرے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۷۶) **حیاء:** اس ملکہ اور خلق کا نام ہے جو آدمی کو ایمان کی وجہ سے قبیح فعل سے منع کرتی ہے۔

(۷۷) **شرک:** کہتے ہیں جو صفات محض باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے ثابت کرنا۔

(۷۸) **بدعت:** وہ نیا کام ہے جو خیر القرون میں نہ ہو اور سلف وخلف اس کی طرف محتاج نہ ہوں اور کوئی شخص حصولِ ثواب کی نیت سے اسے کرے۔

(۷۹) **فرض:** وہ حکم ہے جس میں زیادتی اور کمی کا احتمال نہ ہو اور ایسی دلیلِ قطعی سے ثابت ہو جس میں کسی طرح کا کوئی شک وشبہ نہ ہو۔

(۸۰) **سنت:** وہ طریقہ ہے جو دین میں رائج ہو فرض اور واجب نہ ہو۔

(۸۱) **مستحب:** وہ فعل ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کیا ہو اور کبھی ترک بھی کر دیا ہو اور اس کو علماءِ دین نے پسند فرمایا ہو۔

(۸۲) **اغماء:** ایک بیماری ہے جس میں انسان کے قویٰ میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے اور عقل مغلوب ہو جاتی ہے۔

(۸۳) **جنون:** یہ ایسی بیماری ہے جس میں عقل بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

(۸۴) **قہقہہ:** وہ ہنسی کہ جس میں خود بھی اور قریب کے لوگ بھی اس کی آواز کو سن لیں اور منہ کھل کر دانت خوب ظاہر ہو جائیں۔

(۸۵) **ضحک:** وہ ہنسی جس میں ایسی ہلکی آواز ہو کہ پاس کا آدمی نہ سنے اور منہ کھل کر دانت ظاہر ہوں۔

(۸۶) **تبسم:** وہ ہنسی جس میں بالکل آواز نہ ہو اور ہونٹ بھی نہ کھلیں۔

(۸۷) **منی:** وہ پانی ہے جس کے نکلنے سے انسان کی طبعی خواہش ختم ہو جاتی ہے جو سفید مائل گاڑھی ریزنٹ کی شکل میں ہوتی ہے۔

(۸۸) **مذی:** وہ پتلا پانی ہے جو بیوی سے چھیڑ چھاڑ کرتے یا خروج منی سے پہلے نکلے۔

(۸۹) تیمم: کہتے ہیں پاک مٹی وغیرہ سے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح کرنا قاعدہ شرعیہ کے مطابق، طہارت کی نیت سے۔

(۹۰) حیض: اس خون کو کہا جاتا ہے جو رحم کی گہرائی سے بحالتِ صحت مقر وقت کے مطابق جاری ہو۔

(۹۱) اذان: کہتے ہیں نماز کے اوقات میں مخصوص الفاظ کے ذریعہ اطلا کرنے کو۔

(۹۲) شفق: وہ سفیدی جو آسمان کے کناروں میں نظر آتی ہے سرخی کے بعد۔

(۹۳) شفقِ احمر: وہ سرخی ہے جو سورج ڈوبنے کے بعد مغرب کی جانب ہوتی ہے۔

(۹۴) شفقِ ابیض: وہ سفیدی جو شفقِ احمر کے بعد آسمان کے کناروں میں نظر آتی ہے۔

(۹۵) اقامت: ان الفاظِ مخصوصہ کا نام ہے جو حاضرین کی اطلاع کے لیے کہے جاتے ہیں۔

(۹۶) شرط: وہ چیز ہے جس پر کسی دوسری چیز کا وجود موقوف ہو؛ مگر وہ اس کی حقیقت میں داخل نہ ہو۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۹۷) نفل: اس عبادت کا نام ہے جو فرائض اور واجبات پر زائد ہو اور اس کے کرنے والے کو ثواب اور چھوڑنے والے پر کوئی عذاب نہ ہو۔

(۹۸) سفر: وہ ہے جس سے احکام میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔

(۹۹) جمع حقیقی: ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت پڑھنا۔

(۱۰۰) جمع صوری: پہلی نماز کو اس کے بالکل اخیر وقت میں ادا کیا جائے اور دوسری نماز کو اس کے اوّل وقت میں۔

(۱۰۱) صلوٰۃ الکسوف: کسوف سورج گرہن اور خسوف چاند گرہن کو کہتے ہیں۔

(۱۰۲) استسقاء: کہتے ہیں قحط سالی کے موقع پر مخصوص کیفیت کے ساتھ دعا مانگنے یا نماز پڑھنے کو۔

(۱۰۳) زکوٰۃ: کہتے ہیں اپنے مال کی معین مقدار کا جو شریعت نے مقرر کیا ہے کسی مستحق کو اس کا مالک بنانا۔

(۱۰۴) صوم: صبح صادق سے غروبِ شمس تک کے درمیان کھانے پینے اور صحبت سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کے ارادہ سے رُکے رہنے کا نام ہے۔

(۱۰۵) اعتکاف: کہتے ہیں اعتکاف کی نیت سے روزہ کے ساتھ جامع مسجد میں ٹھہرنا۔

(۱۰۶) حج: کہتے ہیں مخصوص زمانہ میں مخصوص مقامات میں جا کر مخصوص طریقہ سے عبادت کرنا۔

(۱۰۷) حِل: حدودِ حرم سے باہر اور حدودِ میقات کے درمیان حصہ کو کہا جاتا ہے۔

(۱۰۸) حرم: مکۃ المکرّمہ کے چاروں طرف کچھ دُور تک جو زمین ہے اور جہاں نشانات لگے ہوئے ہیں اس کے اندرونی حصہ کو حرم کہا جاتا ہے۔

(۱۰۹) نکاح: وہ ایسا عقد ہے جو ملکِ متعہ کے لیے مفید ہو۔

(۱۱۰) طلاق: رشتۂ نکاح کو ختم کرنے کو کہتے ہیں۔

(۱۱۱) رجعت: کہتے ہیں اس ملکیت کو باقی رکھنے کو جو نکاح کے ذریعہ قائم ہوئی ہے۔

(۱۱۲) ایلاء: کہتے ہیں چار ماہ یا زائد اپنی بیوی سے نہ ملنے کی قسم کھانے کو۔

(۱۱۳) خلع: کہتے ہیں زوجہ کو مال کے بدلے میں رشتۂ زوجیت سے نکال دینے کو۔

(۱۱۴) ظہار: کہتے ہیں شوہر کا اپنی بیوی کو ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دینا جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو۔

(۱۱۵) لعان: ان چار شہادتوں کا نام ہے جو قسموں کے ساتھ مؤکد ہوں۔

(۱۱۶) عدت: ان ایام کو کہتے ہیں جو عورت کے اوپر سے شوہر کی ملک متعہ زائل ہونے کے بعد اس کو انتظار میں گزارنے لازم ہوتے ہیں۔

(۱۱۷)عتق: اس قوت کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے انسان شہادت ولایت اور قضاء کا اہل ہوتا ہے۔

(۱۱۸)مدبر: آقا اپنے غلام سے کہے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے۔

(۱۱۹)اُمِّ ولد: کہتے ہیں آقا اپنی باندی سے صحبت کرے جس کی وجہ سے بچہ پیدا ہو جائے اور آقا اقرار بھی کرے۔

(۱۲۰)مکاتب: آقا اپنے غلام سے کہے کہ تم اتنے روپے کما کر مجھے دے دو اور آزاد ہو جاؤ اور غلام اس کو قبول کرے۔

(۱۲۱)جنایت: اس فعل حرام کو کہتے ہیں جس کا اثر جان یا مال پر پڑے۔

(۱۲۲)دیت: اس مال کو کہتے ہیں جو نفس مقتول کا بدل قرار دیا گیا ہے۔

(۱۲۳)حد: اس سزا کو کہتے ہیں جو شارع کی جانب سے مقرر شدہ ہو اور اس کا اجراء بطورِ حق اللہ کے ہوتا ہو۔

(۱۲۴)سرقہ: کہتے ہیں عاقل بالغ شخص کے دوسرے کے مالِ محفوظہ کو چپکے سے اٹھا لینے کو۔

(۱۲۵)شراب: وہ ہے جو نشہ لائے اور مست و بے ہوش کر دے۔

(۱۲۶)اُضحیہ: جس جانور کو قربت کی نیت سے دس، گیارہ، بارہ ذی الحجہ کو ذبح کرے۔

(۱۲۷)دعویٰ: جھگڑے کے وقت کسی چیز کو اپنی طرف منسوب کرنا۔

(۱۲۸)شہادت: کسی کا حق ثابت کرنے کے لیے قاضی کی مجلس میں لفظ شہادت کے ساتھ سچی بات کی خبر دینا۔

(۱۲۹)قسمت: حقوق کو ممتاز کرنا اور شریک کا حصہ علیٰحدہ علیٰحدہ متعین کرنا۔

(۱۳۰)اکراہ: وہ فعل ہے کہ وہ آدمی دوسرے کی وجہ سے اس طرح کرے کہ اس کی رضامندی اور اختیار جاتا رہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۱۳۱) **بیع:** وہ عقد ہے جس میں عاقدین کی رضامندی سے مالک بنانے کے طور پر مال کا مال سے تبادلہ کیا جاتا ہے۔

(۱۳۲) **بیع فاسد:** ایسا عقد ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے تو درست ہو؛ لیکن وصف کے اعتبار سے درست نہ ہو جیسے بیع میں شرط فاسد لگانا ہے۔

(۱۳۳) **بیع باطل:** ایسا عقد ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے ہی درست نہ ہو جیسے خون کی بیع۔

(۱۳۴) **بیع موقوف:** وہ بیع ہے جو ذات اور وصف دونوں اعتبار سے درست ہو؛ مگر اس کا نفاذ عاقدین کے علاوہ کسی تیسرے کی اجازت پر موقوف ہو۔

(۱۳۵) **بیع مکروہ:** وہ ہے جو ذات اور وصف دونوں اعتبار سے صحیح ہو؛ مگر کسی دوسری چیز کے اتصال کی وجہ سے ممنوع ہو۔

(۱۳۶) **خیار:** دو کاموں میں سے بہتر اور اعلیٰ کام کو طلب کرنے کا نام ہے۔

(۱۳۷) **خیارِ شرط:** وہ خیار ہے جس میں متعاقدین میں سے کسی ایک کو وقت متعینہ تک بیع کی فسخ کا حق رہتا ہے۔

(۱۳۸) **خیارِ رؤیت:** وہ خیار ہے جس میں مشتری کو بغیر دیکھے خریدی ہوئی چیز کو دیکھنے کے بعد اس چیز میں بیع کو نافذ کرنے اور فسخ کرنے کا حق رہتا ہے۔

(۱۳۹) **خیارِ مجلس:** وہ ایسا خیار ہے جس میں متعاقدین کو مجلس کے قائم رہنے تک عقد کو فسخ کرنے کا اختیار رہتا ہے۔

(۱۴۰) **بیع بالرقم:** وہ ایسی بیع ہے جس میں سامان کی مقدار جانے بغیر محض اس سامان پر تحریر شدہ قیمت سے خرید و فروخت ہوتی ہو۔

(۱۴۱) **بیع الرجل علیٰ بیع اخیہ:** یہ ہے کہ انسان ایسے سامان کی خریداری کی کوشش کرے جس کا بھاؤ ہو چکا ہو۔

(۱۴۲) **مرابحہ:** وہ بیع ہے جس میں خریدے ہوئے سامان کو اس کی حقیقی قیمت

پر متعینہ نفع پر فروخت کیا جاتا ہو۔

(۱۴۳) **تولیہ:** وہ بیع ہے جس میں مشتری اپنے خریدے ہوئے ثمن پر بغیر نفع لیے مبیع کو فروخت کردے۔

(۱۴۴) **اقالہ:** وہ عقد ہے جس میں عاقدین کی رضامندی سے بیع یا عقد کو فسخ کردیا جائے۔

(۱۴۵) **نقد:** ثمن کے عوض مبیع کو ایک مدت کے بعد حوالہ کرنا۔

(۱۴۶) **بیع الحاضر للبادی:** یہ ہے کہ شہری شخص دیہاتی کہے کہ تم اپنا سامان میرے پاس رکھ دو؛ تاکہ میں اس کو تمہارے لیے مہنگی قیمت پر فروخت کردوں۔

(۱۴۷) **بیع الحصاۃ:** یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ ایک متعینہ رقم کے عوض اس سامان میں سے جس پر تم نے کنکری ڈال دی وہ تمہارا ہے۔

(۱۴۸) **بیع الملامسہ:** یہ ہے کہ بائع یہ شرط لگادے کہ مشتری نے جس سامان کو چھولیا اس میں بیع تمام ہوجائے گی۔

(۱۴۹) **بیع المنابذہ:** یہ ہے کہ بائع یہ شرط لگادے کہ میں جو سامان تمہارے پاس بھیجوں یا تمہاری طرف پھینکوں اس سامان میں بیع تمام ہوجائے گی۔

(۱۵۰) **بیع نجش:** مشتری کو دھوکہ دینے کے لیے کسی ایسے شخص کا ثمن میں اضافہ کرنا جو خریدنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔

(۱۵۱) **بیع المزایدہ:** ہے کہ مبیع کو بیع کے لیے اس شرط پر پیش کرنا کہ جو زیادہ قیمت دے گا بیع اس کی ہوگی۔

(۱۵۲) **بیع التعاطی:** یہ ہے کہ مشتری بلا ایجاب وقبول ثمن ادا کرے اور بائع مبیع حوالہ کردے۔

(۱۵۳) **بیع المقایض:** سامان کو سامان کے عوض فروخت کرنا۔

(۱۵۴) **بیع عربون:** یہ ہے کہ مشتری کا بائع کو ثمن کا ایک حصہ اس شرط پر دے

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

دینا کہ اگر میں نے اس سامان کو خریدا تو یہ رقم ثمن کا حصہ ہوگی اور نہ خریدنے کی صورت میں یہ رقم بائع کو رکھنے کا حق ہوگا۔

(۱۵۵) ایسے جنین کی بیع کرنا جو ابھی بطن حیوان میں ہے۔

(۱۵۶) بیع الوفا: بائع ایسے مشتری کو سامان فروخت کرے جس کا بائع پر قرض ہو اور اس شرط پر فروخت کرنا کہ جب میں قرض ادا کردوں گا تو یہ سامان تم مجھ کو واپس کردوگے۔

(۱۵۷) بیع صرف: ایک نقدی کو دوسری نقدی کے عوض فروخت کرنا، مثلاً سونے کو سونے کے عوض اور چاندی کو چاندی کے عوض فروخت کرنا۔

(۱۵۸) ربا: ایسی زیادتی ہے جو بلا عوض ہو اور اس زیادتی کی متعاقدین میں سے کسی ایک نے شرط بھی لگائی ہو۔

(۱۵۹) کفالہ: نام ہے ایک شخص سے مطالبہ کی ذمہ داری کو دوسرے شخص کا قبول کرلینا۔

(۱۶۰) حوالہ: فقہاء کرام کے نزدیک قرض کا اصیل کے ذمہ سے محتال علیہ کے ذمہ میں منتقل ہوجانا ہے۔

(۱۶۱) رہن: کسی چیز کو اپنے حق کے وصول کرنے کے لیے اپنے پاس رکھ لینا ہے جس سے حق کا وصول ہونا آسان ہوجائے۔

(۱۶۲) اعارہ: ایسا عقد ہے جس میں بلا عوض کسی چیز کے منافع کا اس شرط کے ساتھ مالک بنادینا کہ عین شئ کو اصل مالک کو لوٹا دیا جائے۔

(۱۶۳) اجارہ: وہ عقد ہے جس عوض کے ساتھ کسی چیز کے منافع کا مالک بنادیا جائے۔

(۱۶۴) حیلہ: وہ تدبیر ہے جس سے مقصود کو پوشیدہ اور مباح طریقے سے حاصل کیا جائے۔

(۱۶۵) شفعہ: مشتری کا ایسی منفعت کا مالک ہونا جو اس کو شرکت یا پڑوس کی بنا پر حاصل ہوتا ہو۔

(۱۶۶) قسمت: ایک مکان کے تمام مشترکہ حصوں کو الگ الگ کر دینا۔

(۱۶۷) مہایاۃ: فقہاء کرام کے نزدیک نوبت بہ نوبت منافع حاصل کرنے کا نام مہایاۃ ہے۔

(۱۶۸) مزارعت: وہ عقد ہے جس میں زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار کے کسی حصہ پر عقد کیا جائے۔

(۱۶۹) مساقات: وہ ایسا عقد ہے جس میں درختوں کو ایسے شخص کو دے دیا جائے جو ان کی دیکھ بھال کرے اور اس شخص کے لیے درختوں کے پھلوں کا ایک حصہ متعین کر دیا جائے۔

(۱۷۰) شہید: وہ ہے جس کو مشرکین نے قتل کر ڈالا یا میدانِ جنگ میں پڑا ہوا پایا گیا ہو۔

(۱۷۱) مکروہ: وہ ہے جس کا نہ کرنا اس کے کرنے سے افضل ہو۔

(۱۷۲) وضعیہ: کہتے ہیں اصل قیمت سے کم کے عوض بیچنا۔

(۱۷۳) مساومہ: اس قسمت کو کہتے ہیں جس قیمت کے عوض بائع اور مشتری فروخت کرنے پر اتفاق ہو گیا ہو۔

(۱۷۴) ایجاب: کہتے ہیں متعاقدین میں سے جس کا کلام پہلے مذکور ہو۔

(۱۷۵) قبول: کہتے ہیں متعاقدین میں سے جس کا کلام بعد میں مذکور ہو۔

(۱۷۶) لازم: کہتے ہیں جس میں اختیار نہ ہو۔

(۱۷۷) راہن: وہ شخص ہے جس نے اپنا مال رہن پر رکھا۔

(۱۷۸) مرتہن: وہ ہے جس کے پاس رہن رکھا گیا ہو۔

(۱۷۹) مرہون: اس شئ کو کہتے ہیں جس کو گروی رکھا گیا ہو۔

(۱۸۰) اقرار: کہتے ہیں اپنی ذات پر کسی دوسرے شخص کے حق واجب کی اطلاع دینے کو۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۱۸۱)احیاء الموت: کہتے ہیں جو زمین کھیتی کے قابل نہ ہو، اسے کھیتی کے قابل بنانے کو۔

(۱۸۲)ودیعت: کہتے ہیں اپنا مال کسی دوسرے کے پاس بطورِ حفاظت دینے کو۔

(۱۸۳)غصب: کہتے ہیں مالک کی اجازت کے بغیر اس کے قیمتی محترم مال پر اس طرح قبضہ کرنا کہ مالک کا قبضہ ختم ہو جائے۔

(۱۸۴)غصب: اس مال کی زیادتی کا نام ہے جو عوض سے خالی ہو۔

(۱۸۵)عرصہ: اس زمین کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی عمارت نہ بنائی گئی ہو۔

(۱۸۶)عیب: کہتے ہیں جس سے اس کی اصلی فطرتِ سلیمہ سے خالی ہو اور اسی وجہ سے وہ چیز ناقص شمار ہوتی ہے۔

(۱۸۷)آبق: اس غلام کو کہا جاتا ہے جو متعاقدین میں سے ہر ایک کے حق میں فرار ہو۔

(۱۸۸)حکم: خدا تعالیٰ کا وہ خطاب ہے جو مکلّف بندے کے افعال سے متعلق ہوتا ہے خواہ وہ حتمی یا اختیاری طلب کے ساتھ ہو۔

(۱۸۹)نجش: کہتے ہیں مشتری کو دھوکہ دینے کے لیے خریدنے کی پیشکش کرنا۔

(۱۹۰)ہبہ: کہتے ہیں کسی کو کوئی چیز بلا کسی عوض کے بطورِ ملک عطا کرنا۔

(۱۹۱)صلح: وہ عقد ہے جو جھگڑے کو مٹا دے۔

(۱۹۲)شرکت: کہتے ہیں اصل اور نفع میں دو حصہ داروں کا آپس میں شریک ہونا۔



Website:MadarseWale.blogspot.com

Website:NewMadarsa.blogspot.com

مشکوٰۃ شریف

بسم الله الرحمن الرحيم

سوال:۱، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۱

(الف) عبارت بااعراب: قَالَ فَأَخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَالْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَأَخْبِرْنِيْ عَنْ أَمَارَاتِهَا قَالَ أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا وَ أَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاةِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں؛ نیز یہ بھی بتلائیں کہ قیامت کی یہ علاماتِ قریبہ ہیں یا بعیدہ؟ اور ان کا مفہوم بھی تحریر کریں۔ (ب) مذکورہ سوال کا دیگر سوالوں سے ربط کیا ہے اس کو بیان کریں۔ (ج) خط کشیدہ الفاظ کی تحقیق کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: (سائل یعنی حضرت جبرئیلؑ نے) کہا: پس مجھ کو قیامت (کے دن) کے متعلق خبر دیجیے آپؐ نے جواب دیا کہ جس شخص سے قیامت کے بارے میں پوچھا جارہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ (قیامت کے متعلق) جانکار نہیں ہے (تو) کہا پھر اس کی علامات (ہی) کے بارے میں بتلادیجیے، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ باندی اپنے آقا کو جنے گی اور آپ ننگے پاؤں، ننگے جسم، تنگدست اور بکریوں کے چرواہوں کو دیکھیں گے کہ آبادیوں میں (عالی شان مکانات میں) فخر وغرور کی زندگی بسر کررہے ہوں گے۔

قیامت کی علاماتِ قریبہ، بعیدہ اور ان کا مفہوم ملاحظہ فرمائیں:

قیامت کی علامات دوطرح کی ہیں: (۱) معتادہ (۲) غیر معتادہ

معتادہ: وہ علامات جو بتدریج وقتاً فوقتاً رونما ہوں گی۔

غیر معتادہ: وہ علامات جو یک بیک ظاہر ہوجائیں گی، مثلاً نزولِ عیسیٰ علیہ السلام، خروجِ دجال، دابۃ الارض، طلوعِ شمس از مغرب بالفاظِ دیگر علاماتِ معتادہ کو قریبہ وصغریٰ اور غیر معتادہ کو بعیدہ وکبریٰ بھی کہتے ہیں۔

الغرض حدیث پاک کے اندر علاماتِ قریبہ صغریٰ کا ذکر ہے۔

أن تلد الأمة ربّتها: اس کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں:

(۱) اُمِّ ولد کی بیع کا رواج ہوجائے گا اور ایک باندی کی بیع ہوگی وہ مختلف ہاتھوں میں منتقل ہوتی رہے گی، نوبت یہاں تک پہونچے گی کہ اس کا لڑکا اپنی ماں کو لاعلمی میں خرید کر اس کے ساتھ باندیوں اور غلاموں جیسا سلوک کرے گا۔ (مرقاۃ: ج۱/ص۱۲۹)

(۲) اس کی ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ قربِ قیامت میں زنا کا عام رواج ہوجائے گا؛ لیکن اس صورت میں "ربّتها" کے اندر رب بمعنیٰ بعل (شوہر) ہوگا جیسا کہ مسلم شریف کے اندر ایک روایت میں "إذا ولدت الأمة بعلها". (مسلم شریف: ج۱/ص۲۹) بھی آیا ہے۔ (مرقاۃ: ج۱/ص۱۲۹)

(۳) اس جملہ میں والدین کی بکثرت نافرمانی سے کنایہ ہے اور یہ کہ اولاد والدین کو ماتحت اور خادم کی طرح بنالیں گے اور ان کو برا بھلا کہیں گے (اعاذنا الله الأمان والحفيظ) یہ آخری توجیہ سب سے عمدہ ہے۔ (مرقاۃ: ج۱/ص۱۲۹)

أن ترى الحفاة العراة العالة إلخ: (۱) ان تمام علامات کا مطلب یہ ہے کہ محتاج اور فاقہ کشوں پر دنیا اس قدر کشادہ ہوجائے گی کہ فخر وغرور میں مست ہو جائیں گے۔ (حاشیہ مسلم شریف: ج۱/ص۲۸، مرقاۃ: ج۱/ص۱۳۰)

(۲) نااہل لوگ برسر اقتدار ہوں گے، حکومت وسیادت کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں ہوگی اور عالی شان بنگلے تیار کریں گے اور پوری بستی میں بس یہی لوگ نظر آئیں گے۔ **إذا وُسّد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة.**

(بخاری شریف، مرقاۃ: ج۱/ص۱۳۰)

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) مذکورہ سوال کا دیگر سوالوں سے ربط کیا ہے؟ مذکورہ سوال کا سابقہ سوالوں سے ربط کچھ اِس طرح ہے:

(۱) خلق عالم کا مقصد عبادت ہے کما قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ﴾ (پ:۲۷)

(۲) اور عبادت کا درجۂ کمال احسان ہے (۳) ہر کمالے راز والیست، لہٰذا جب عبادت حد کمال کو پہونچ گئی تو تیسرے مقدمے کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قیامت ہی کا ذکر کرنا مناسب ہے۔

(ج) خط کشیدہ الفاظ کی تحقیق:

(۱) الحفاة: جمع حافٍ حفِي يحفٰى باب (س) ننگے پاؤں ہونا۔

(۲) العراة: جمع عارٍ عرِي يعرى باب (س) برہنہ بدن ہونا۔

(۳) العالة: جمع عائلٍ عال يعيل باب (ض) تنگدست محتاج ہونا۔

(۴) رعاء: جمع راعٍ (بكسر الزاء المهملة وبضمها) رعٰى يرعٰى باب (ف) بکریوں اور جانوروں کو چرانا، مویشیوں کی نگرانی کرنا۔

(۵) الشاء: جمع شاة بکری۔

(۶) يتطاولون: جمع مذکر غائب فعل مضارع باب (تفاعل) تطاول يتطاول تطاولًا: فخر وغرور کرنا، خود کو دوسروں سے بڑا ظاہر کرنا۔

سوال:۲، مشکوٰۃ شریف: ص۱۲/ (داخلہ ۱۴۳۵ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَبِي مُوْسٰى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثَةٌ لَهُمْ اَجْرَانِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهٖ وَ آمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوْكُ إِذَا اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ وَ حَقَّ مَوَالِيْهِ وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهٗ أَمَةٌ يَطَؤُهَا فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيْبَهَا

وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ (ب) مذکورہ تین آدمیوں کی تخصیص اور انہیں دوہرا اجر ملنے کی وجہ تحریر کریں۔ (ج) یہ بھی بتایئے کہ کیا اہلِ کتاب مہاجرین صحابہؓ سے اجر میں بڑھ جائیں گے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے رویت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کو دوہرا اجر ملے گا (۱) ایک شخص اہلِ کتاب میں سے جو اپنے پیغمبر پر ایمان لایا تھا، پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا (۲) دوسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرے اور اپنے مالکوں کا بھی (۳) تیسرے وہ شخص جس کے پاس ایک لونڈی ہو، وہ اس سے صحبت کرتا ہو، پھر اس کو اچھی طرح ادب سکھائے، اور اچھی طرح تعلیم دے، پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا۔

(ب) مذکورہ تین آدمیوں کی تخصیص اور انہیں دوہرا اجر ملنے کی وجہ: ان تینوں کی تخصیص کے بارے میں درسِ مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ ان تینوں کی تخصیص مراد نہیں؛ بلکہ اس سے ایک عام کلی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جو عمل ایسے دو متزاحم و متقابل دو جزو سے مرکب ہو کہ ایک کے ساتھ مشغول ہونے سے دوسرے کی طرف خیال بڑا مشکل ہوتا ہے اس میں دو اجر ملتے ہیں۔

دوہرا اجر ملنے کی وجہ کیا ہے؟: تو یہاں پہلے دو آدمی میں دو عمل متعین ہونے کی بناء پر دو اجر ہیں؛ لیکن باندی کے بارے میں تو متعدد اُمور ہیں تو دو اجر کس میں ہیں؟ تو اس میں شارحین سے مختلف اقوال منقول ہیں، بعض نے کہا کہ تعلیم و تادیب پر ایک اجر اور دوسرا اعتاق پر، اور بعض نے کہا کہ اعتاق پر ایک اجر اور تزویج پر دوسرا اجر، اور بعض

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

نے کہا کہ ایک اجر تعلیم وتادیب پر اور دوسرا اجر عتاق وتزویج پر۔

الملاحظة: پھر اِس حدیث میں شبہ یہ ہوتا ہے کہ ان تین آدمیوں کو دو اجر ملے، دو عمل کی بناء پر، اس میں ان تینوں کی تخصیص نہیں جو بھی دو عمل کرے گا دو اجر ملیں گے، پھر حدیث میں ان تینوں کی تخصیص کی کیا وجہ ہے، پھر دو اجر میں کیا کمال ہے؟ تو اس کے مختلف جوابات دیے گئے:

(۱) یہ دو اجر نفسِ عمل پر جو اجر ملتا ہے اس سے زائد ہیں۔

(۲) ان کو صرف مذکورہ اعمال پر دو اجر نہیں ملتے؛ بلکہ ان کے ہر عمل پر دو اجر زائد ملتے ہیں، اجر موعودہ کے علاوہ، لہٰذا ہر ایک عمل میں تو ان کو ایک سے لے کر دس پھر اس سے سات سو تک ملے گا اس کے علاوہ بطورِ انعام اور زائد دو اجر ملیں گے۔

(۳) ان کو دو اجر دو عمل پر نہیں؛ بلکہ ایک ہی عمل پر ہے؛ لیکن بشرطِ مقارنت عمل آخر۔

اب اہلِ کتاب کو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی وجہ سے دو اجر ملیں گے، بشرطیکہ وہ اپنے نبی پر بھی ایمان لایا تھا، اپنے نبی پر ایمان لانے کا اجر تو اس وقت مل چکا تھا، اب صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے دو اجر مل رہے ہیں، اسی طرح بقیہ دونوں کا حال سمجھ لو۔ (درسِ مشکوٰۃ: ۵۶/۲)

(ج) کیا اہلِ کتاب مہاجرین صحابہؓ سے اجر میں بڑھ جائیں گے؟ جب اہلِ کتاب کو ایمان لانے پر دوہرا ثواب ملے گا تو مہاجرین صحابہؓ پر ان کی فضیلت لازم آتی ہے۔

جس کا جواب یہ ہے کہ یہ اہلِ کتاب کی جزئی فضیلت ہے اور جزئی فضیلت کلی فضیلت کے معارض نہیں ہوتی، یعنی ایمان لانے کا ثواب تو اہلِ کتاب صحابہؓ کو زیادہ ملے گا؛ مگر ایمان لانے کے بعد مؤمن زندگی بھر جو اعمال کرے گا ان کا ثواب مہاجرین صحابہؓ کو اتنا بڑھا ہوا ملے گا کہ اہلِ کتاب صحابہؓ ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔

سوال:۳، مشکوٰۃ شریف: ص۱۴/ (داخلہ ۱۴۳۰ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَنَسٍؓ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مُعَاذٌ رَدِيْفُهُ عَلَى الرَّحْلِ: قَالَ يَامُعَاذُ مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهٖ إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ، قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَفَلَا أُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْا؟ قَالَ: إِذًا يَتَّكِلُوْا فَأَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَأَثُّمًا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ (ب) ان کلمات کی شہادت دینے والے پر اللہ تعالیٰ جہنم کو حرام کردیں گے، اس پر کوئی اعتماد کرتا ہے تو یہ بالکل حدیث کے مطابق ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں منع فرماتے ہیں؟ جواب مطلوب ہے۔ (ج) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دینے سے منع فرمایا تو بیان کرنے میں گناہ ہے پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ گناہ سے بچنے کے لیے عندالموت کیسے بیان کررہے ہیں؟ اس کا جواب تحریر کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت جبکہ (سفر کے دوران) سواری پر تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے معاذؓ بیٹھے ہوئے تھے فرمایا: اے معاذ! معاذؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! حاضر ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا جو بندہ سچے دل سے اِس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ حرام کردیتا ہے، (یہ سن کر) معاذؓ نے عرض کیا یارسول اللہؐ! کیا میں اِس خوشخبری سے لوگوں کو آگاہ کردوں، تاکہ وہ اس بشارت کو سن کر خوش ہوجائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں لوگ اِس پر بھروسہ کر بیٹھیں گے پھر حضرت معاذؓ نے قبل الموت اِس کو بتادیا (علم چھپانے کے) گناہ کے ڈر سے۔

(ب) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو خبر دینے سے منع فرمانے کی وجہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس لیے منع کر دیا تھا کہ لوگ ابھی حدیث الاسلام ہیں یعنی نیا نیا اسلام لائے ہیں اور تکالیف و مشقت برداشت کرنے کی عادت نہیں ہے اور جب اتنی بڑی خوش خبری سن لیں گے تو پھر اجتہاد فی حق اللہ میں کمی آئے گی، بنابریں ان کے حدیث پر اعتماد کرنا بالکل صحیح ہونے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

(ج) حضرت معاذؓ کے لوگوں کو آخری عمر میں بتانے کی وجہ کیا ہے؟ (۱) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے آخری عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث لوگوں کو اس لیے سنادی کہ ان کو معلوم تھا کہ اس طرح کی نہی زمانے کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہے اور اب لوگ راسخ الاسلام ہو گئے ہیں، لہٰذا خبر دینے میں کوئی حرج نہیں۔

(۲) حضرت معاذؓ نے اِس حدیث کو کتمانِ علم کی وعید کے بعد بیان کی ہے، تاکہ کتمانِ علم کے گناہ سے بچ جائیں، جیسا کہ خود حدیث میں مذکور ہے: "**فاخبره معاذ عند موته تأثماً**". (مرقاۃ)

سوال: ۴، مشکوٰۃ شریف: ص ۱۴/ (داخلہ ۱۴۲۴ھ)

(الف) عبارت با اعراب: عَنْ أَنَسٍؓ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مُعَاذٌ رَدِيْفُهُ عَلَى الرَّحْلِ: قَالَ يَامُعَاذُ مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهٖ إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ، قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَفَلَا أُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْا؟ قَالَ: إِذًا يَتَّكِلُوْا فَأَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَأَثُّمًا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ (ب) متفق علیہ کا مطلب بیان کیجیے۔ (ج) حضرت معاذؓ بالکل پاس تھے، پھر آپؐ نے تین بار کیوں آواز دی؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت جبکہ (سفر کے دوران) سواری پر تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے معاذؓ بیٹھے ہوئے تھے فرمایا: اے معاذ! معاذؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! حاضر ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا جو بندہ سچے دل سے اِس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے (یہ سن کر) معاذؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا میں اِس خوشخبری سے لوگوں کو آگاہ کر دوں، تا کہ وہ اس بشارت کو سن کر خوش ہو جائیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں لوگ اِس پر بھروسہ کر بیٹھیں گے پھر حضرت معاذؓ نے قبل الموت اِس کو بتا دیا (علم چھپانے کے) گناہ کے ڈر سے۔

(ب) متفق علیہ کا مطلب کیا ہے؟ عام طور پر متفق علیہ لفظ کا استعمال اُس حدیث کے لیے کیا جاتا ہے، جو صحیحین میں مذکور ہو؛ لیکن مشکوٰۃ میں متفق علیہ کی اصطلاح کا استعمال اُس حدیث کے لیے کیا گیا ہے، جو ایک صحابی سے بخاری اور مسلم دونوں میں مذکور ہو، اگر صحابی کا اختلاف ہو یعنی بخاری میں تو ایک صحابی سے منقول ہے اور مسلم میں دوسرے صحابی سے؛ لیکن حدیث ایک ہی ہے، تو اس روایت کو متفق علیہ نہیں کہیں گے۔ (مظاہر حق: ص ۵۰/)

(ج) حضرت معاذؓ بالکل پاس تھے، پھر آپؐ نے تین بار کیوں آواز دی؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو بار بار اِس لیے مخاطب فرمایا، تا کہ ان کے دل و دماغ میں مضمون کی اہمیت و عظمت بیٹھ جائے اور وہ جان لیں کہ جو بات کہی جانے والی ہے وہ ایسی نہیں ہے کہ سرسری طور پر سن لی جائے؛ بلکہ اس کی عظمت کا تقاضہ ہے کہ اس کو پوری توجہ سے سنا جائے اور دل و دماغ کی گہرائیوں تک اس کو پہنچایا جائے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

بشارت کے بعد نماز، روزہ کی ضرورت کیوں باقی رہ گئی؟ حدیث ہٰذا کا مضمون یہ ہوا کہ فقط کلمۂ شہادت پڑھ لینے سے نجات عن النار ہو جائے گی، خواہ عمل کرے یا نہ کرے، سو اس کے بہت سارے جواب دیے گئے۔

(۱) یہاں شہادت مع اداءِ جمیع حقوق مراد ہے جیسے کسی نے بوقتِ نکاح قبلتها کہا تو اس سے مراد اس کے جمیع حقوق کی ادائیگی بھی ہوتی ہے۔

(۲) وہ نار حرام ہے جو کفار کے لیے تیار ہے اور ظاہر ہے کہ عصاۃ مؤمنین کو کفار جیسا شدید عذاب نہیں دیا جائے گا۔

(۳) خلود فی النار کی تحریم مراد ہے مطلق نار کی تحریم مراد نہیں۔

(۴) سب سے اچھی توضیح حضرت شیخ الہندؒ نے کی ہے، اس حدیث سے کلمہ شہادت کی خاصیت بیان کرنا مقصود ہے کہ اس سے نار حرام ہو جاتی ہے؛ مگر خاصیت کا اثر ظاہر ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ دوسری اشیاء مغلوب نہ ہو۔

(درسِ مشکوٰۃ)

سوال: ۵، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۵ (داخلہ ۱۴۲۹ھ)

(الف) عبارت بااعراب: ضَرَبَ عُمَرُ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَخَرَرْتُ لِاسْتِيْ فَقَالَ اِرْجِعْ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، فَرَجَعْتُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَجْهَشْتُ بِالْبُكَاءِ، وَرَكِبَنِيْ عُمَرُ وَ إِذَا هُوَ عَلٰى اَثَرِيْ، وَ فِيْ آخِرِ الْحَدِيْثِ قَالَ: فَلَاتَفْعَلْ فَإِنِّيْ أَخْشٰى أَنْ يَّتَّكِلَ النَّاسُ عَلَيْهَا، فَخَلِّهِمْ يَعْمَلُوْنَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَلِّهِمْ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ (ب) مطلب لکھتے ہوئے حدیث میں مذکور پورا واقعہ لکھیے۔ (ج) اور اس سوال کا جواب لکھیں کہ حضرت عمرؓ کے ذہن میں وہ مصلحت کیسے آئی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں نہیں آئی؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میرے سینے پر اتنے زور سے ہاتھ مارا کہ میں سرین کے بل نیچے گر پڑا اور انھوں نے کہا ابو ہریرہؓ جاؤ واپس چلے جاؤ، چنانچہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس لوٹ آیا، اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، ادھر عمرؓ کا خوف مجھ پر سوار تھا، اب کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بھی میرے پیچھے پیچھے آپہنچے۔ اور آخر حدیث میں ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایسا نہ کیجیے، مجھے ڈر ہے کہ لوگ کہیں اسی بشارت پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں (اور عمل کرنا ہی چھوڑ دیں) اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں (زیادہ سے زیادہ) عمل میں لگا رہنے دیجیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اگر تمہارا یہی مشورہ ہے) تو پھر لوگوں کو عمل میں لگا رہنے دو۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) **مطلب اور حدیث میں مذکور پورا واقعہ:** واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم چند صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِردگرد بیٹھے تھے اور ہمارے ساتھ حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ بھی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچانک ہمارے درمیان سے اُٹھے اور کہیں باہر تشریف لے گئے، جب آپؐ بہت دیر تک واپس تشریف نہیں لائے تو ہمیں سخت تشویش ہوئی کہ کہیں ہماری غیر موجودگی میں کسی دشمن کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ایذاء نہ پہنچ جائے، اس خیال سے ہم گھبرائے؛ چونکہ سب سے پہلا شخص میں تھا جو گھبرا اُٹھا؛ اس لیے سب سے پہلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں باہر نکلا اور ڈھونڈتا ہوا قبیلہ بنی نجار کے ایک انصاری کے باغ کے قریب پہنچ گیا، اس خیال سے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اندر ہوں، میں نے اندر جانے کے لیے چاروں طرف دروازہ تلاش کیا؛ مگر دروازہ نظر نہیں آیا، اچانک ایک نالی نظر آئی جو باہر کے کنویں سے باغ کے اندر جارہی تھی، لہٰذا میں سمٹ کر اس نالی میں داخل ہوا اور اس کے

ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پہنچ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس طرح اچانک اپنے سامنے مجھے دیکھ کر حیرت سے فرمایا: ابو ہریرہ! تم؟ میں نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ! آپ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے، پھر آپ اُٹھے اور چل دیے جب بہت دیر ہوگئی، اور واپس نہیں ہوئے تو ہم گھبرائے کہ کہیں ہماری عدمِ موجودگی میں آپ کسی حادثہ سے دوچار نہ ہوجائیں، اور سب سے پہلے گھبراہٹ مجھ پر طاری ہوئی۔

چنانچہ میں آپ کو تلاش کرنے کے لیے یہاں تک آگیا، اور بقیہ لوگ بھی میرے پیچھے آرہے ہوں گے، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں جوتیاں نکال کر مجھے دیں اور فرمایا کہ اے ابو ہریرہ! جاؤ اور ان جوتیوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ، تاکہ لوگ جان لیں کہ تم میرے پاس سے آئے ہو، اور باغ کے باہر جو شخص صدق دل اور پختہ اعتقاد سے یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو اس کو جنت کی بشارت دے دو۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے اس پیغام کو لے کر میں باہر نکلا تو سب سے پہلے حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے پوچھا ابو ہریرہؓ یہ جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے کہا یہ جوتیاں رسول اللہؐ کی ہیں، آپ نے مجھے یہ جوتیاں بطورِ نشانی دے کر اس لیے بھیجا کہ جو شخص صدق دل اور پختہ اعتقاد کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو میں اس کو جنت کی بشارت دے دوں، یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ نے میرے سینے پر اتنے زور سے ہاتھ مارا کہ میں سرین کے بل نیچے گر پڑا۔

اور پھر انہوں نے کہا ابو ہریرہؓ! جاؤ واپس چلے جاؤ، چنانچہ میں رسول اللہؐ کی خدمت میں واپس لوٹ آیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، سرکارِ دوعالمؐ نے یہ حالت دیکھ کر فرمایا: ابو ہریرہ! کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ! میں آپ کا پیغام لے کر باہر نکلا تو سب سے پہلے میری ملاقات عمرؓ سے ہوئی، میں نے آپ کا وہ پیغام ان تک پہنچایا تو انہوں نے اس کو سنتے ہی میرے سینے پر اتنے زور سے ہاتھ مارا کہ میں سرین کے بل زمین پر گر پڑا

اس کے بعد حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو پوچھا، عمر تم نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ! آپ پر میرے ماں باپ قربان، کیا واقعی آپ نے ایسا حکم دیا؟ حضورؐ نے کہا، ہاں! عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! ایسا نہ کیجیے مجھے ڈر ہے کہ لوگ کہیں اسی بشارت پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں اور عمل کرنا ہی چھوڑ دیں؛ اس لیے آپ انھیں عمل میں لگا رہنے دیجئے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرؓ کے اس مشورہ کو قبول کیا۔ (مظاہر حق)

(ج) حضرت عمرؓ کے ذہن میں وہ مصلحت کیسے آئی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں نہیں آئی؟ سوال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دینے کا حکم فرمایا، اور حضرت عمرؓ صاف فرماتے ہیں "لاتفعل" اور حضرت عمرؓ نے اس سے ایک مصلحت کو پیش نظر رکھا؛ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مصلحت کی طرف توجہ نہیں کی، تو ظاہراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی ہوئی اور یہ مسلمان کی شان نہیں چہ جائیکہ حضرت عمرؓ؟

مذکورہ بالا سوال کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف شان ہوتی ہے، کبھی اللہ تعالیٰ کی صفت جلالیہ کے مظہر ہوتے ہیں تو اس وقت معمولی گناہ پر دوزخ کی تہدید فرماتے ہیں جیسا کہ فرمایا: من كان في قلبه مثقال ذرة من كبر دخل النار.

اور کبھی صفتِ جمالیہ کے مظہر ہوتے ہیں تو اس وقت معمولی نیکی پر جنت کی بشارت دے دیتے ہیں، تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق سے الگ ہوکر اللہ کی صفتِ رحم وکرم کے سمندر میں مستغرق ہوتے ہیں، اس وقت مخلوق کی کمزوری کی طرف نظر نہیں پڑتی، تو فقط ایمان پر جنت کی بشارت دے دیتے ہیں، یہاں بھی یہی حالت تھی بناء بریں بشارت دینے کا حکم فرمایا، اور حضرت عمرؓ اس پایہ کے نہیں تھے ان کی نظر مخلوق کی کمزوری کی طرف تھی؛ اس لیے دیکھا کہ اگر بشارت دے دی جائے تو اکثر لوگ نہ سمجھ کر عمل ترک کر کے گمراہ ہو جائیں گے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا اور آپ کی

نظر مخلوق کے ضعف پر پڑی تو حضرت عمرؓ کی موافقت فرماتے ہوئے فرمایا کہ اچھا بشارت نہ دو، لہٰذا حضرت عمرؓ پر کوئی اشکال نہیں ہے۔ (درسِ مشکوٰۃ)

سوال:۶، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۷ (داخلہ ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَايَزْنِي الزَّانِي حِيْنَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَايَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَمُؤْمِنٌ وَلَايَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَايَنْتَهِبُ نُهْبَةً ذَاتَ شَرَفٍ يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ أَبْصَارَهُمْ فِيْهَا حِيْنَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَايَغِلُّ اَحَدُكُمْ حِيْنَ يَغِلُّ وَهُوَمُؤْمِنٌ فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاكُمْ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ و مطلب تحریر کریں۔ (ب) گناہِ کبیرہ سے مؤمن ایمان سے خارج ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اگر اختلاف ہو اس کو بھی تحریر کریں۔ (ج) نیز یہ حدیث اگر مسلکِ جمہور کے خلاف ہو تو اس کا جواب بھی تحریر کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زنا کرنے والا جب زنا کرتا ہے اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا ہے، شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا ہے، چوری کرنے والا جب چوری کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا ہے، اور چھینا جھپٹی کرتا ہے اور لوگ اس کو چھینا جھپٹی کرتے ہوئے دیکھتے ہیں (لیکن خوف و دہشت کے مارے بے بس ہوجاتے ہیں اور چیخ و پکار کے علاوہ اس کا کچھ بگاڑ نہیں پاتے) تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا ہے، پس تم ان گناہوں سے بچو۔


NEW MADARSA

جو کتاب نیٹ پر موجود نہیں ہیں
یا کوئی کتاب آپکو چاہئے جو نیٹ پر
موجود نہ ہو تو آپ ہمیں میسیج کریں



ٹیلیگرام چینل
@New Madarsa
https://t.me/NewMadarsa

یا ٹیلیگرام گروپ
@New Madarsa Group
https://t.me/NewMadarsaGroup

Pinterest

Follow All Social Media Network:

NEW MADARSA

Blogger

Telegram

Instagram

facebook

काम देख कर follow करें

حدیث مذکور کا مطلب: مؤمن کا قلب ایک ایسے احساس اور پاکیزہ ظرف کی مانند ہے جس میں صرف ایمان کا نور ٹھہر سکتا ہے، ایمان کے منافی کوئی بھی چیز دراندار ہونے کی کوشش کرتی ہے تو نہ قلب مؤمن اس کا روادار ہوتا ہے اور نہ نورِ ایمان اس کو برداشت کرتا ہے؛ چنانچہ وہ بدترین اور سنگین گناہ جس کا حدیث بالا میں ذکر ہوا ایسی منافی ایمان باتیں ہیں جن کا تحمل نورِ ایمان کسی حالت میں نہیں کرسکتا، ادھر انسان ان میں سے کسی گناہ پر ارتکاب کرتا ہے تو نورِ ایمان اس کے قلب سے رخصت ہوجاتا ہے، پھر جب تک کہ اس گناہ پر نادم وشرمندہ ہوکر آئندہ کے لیے خلوصِ دل سے توبہ نہ کرے تو ایمان کی وہ نورانی کیفیت جو ارتکاب سے قبل اس کو حاصل تھی اس کے قلب میں واپس نہیں آتی۔

(ب) گناہِ کبیرہ سے مؤمن ایمان سے خارج ہوجاتا ہے یا نہیں؟ مع اختلاف: اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک گناہِ کبیرہ مومن بندے کو نہ تو ایمان سے خارج کرتا ہے اور نہ ہی کفر میں داخل کرتا ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کی دلیل: (۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا.

(۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى.

(۳) وَ اِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا.

معتزلہ کا مسلک یہ ہے کہ مرتکبِ کبیرہ نہ مومن ہے اور نہ کافر؛ بلکہ یہ لوگ منزلۃ بین المنزلتین ایمان وکفر کے بیچ کے قائل ہیں یعنی مرتکبِ کبیرہ نہ کافر ہے نہ مومن۔

معتزلہ کی دلیل: (۱) قال رسول الله ﷺ لايزني الزاني حين يزني وهو مؤمن.

(۲) لاإيمان لمن لا أمانة له.

(۳) اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا.

خوارج کا مسلک یہ ہے کہ مرتکبِ کبیرہ تو کافر ہے ہی، مرتکبِ صغیرہ بھی کافر ہے، ان کے درمیان کوئی درجہ نہیں ہے۔

خوارج کی دلیل: (۱) وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ.

(۲) ومن ترک الصلوٰة متعمداً فقد کفر.

(ج) جمہور کی طرف سے مذکورہ بالا حدیث کا جواب: جمہور مذکورہ بالا حدیث کے تین جواب دیتے ہیں:

(۱) اِس حدیث کے اندر زانی کے کاملِ مومن ہونے کی نفی کی گئی ہے۔

(۲) اِس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ زانی باحیاء مومن نہیں ہے، پس یہاں مستحی من اللہ ہونے کی نفی کی گئی ہے۔

(۳) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ زانی زنا میں مشغول ہوجاتا ہے، تو اس کا ایمان سلب کرلیا جاتا ہے اور اس کے اوپر مثل سائبان کے معلق رہتا ہے پھر اس فعل شنیع کے بعد واپس کردیا جاتا ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال: ۷، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۸ (داخلہ ۱۴۳۷ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِلشَّيْطَانِ لَمَّةً بِابْنِ آدَمَ وَلِلْمَلَكِ لَمَّةً فَأَمَّا لَمَّةُ الشَّيْطَانِ فَإِيْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَكْذِيْبٌ بِالْحَقِّ وَأَمَّا لَمَّةُ الْمَلَكِ فَإِيْعَادٌ بِالْخَيْرِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْحَقِّ فَمَنْ وَجَدَ ذٰلِكَ فَلْيَعْلَمْ أَنَّهُ مِنَ اللّٰهِ فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ الْأُخْرٰى فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ثُمَّ قَرَأَ: ﴿اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ (ب) یہ حدیث ''باب الوسوسۃ''

کی ہے، آپ پہلے وسوسہ کی تعریف کریں، پھر حدیث کی باب سے مناسبت ظاہر کریں۔ (ج) مطلب لکھتے ہوئے خط کشیدہ الفاظ کی مراد اچھی طرح واضح کریں، اور آیتِ کریمہ سے حدیث شریف کا مضمون مدلل کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان پر ایک تصرف شیطان کا ہوتا ہے اور ایک تصرف فرشتہ کا، شیطان کا تصرف تو یہ ہے کہ وہ بُرائی پر اُبھارتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے اور فرشتہ کا تصرف یہ ہیکہ وہ نیکی پر اُبھارتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا ہے؛ لہٰذا جو شخص یہ کیفیت اپنے اندر پائے تو اس کو سمجھنا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، اس پر اس کو شکر بجالانا چاہیے، اور جو شخص دوسری کیفیت اپنے اندر پائے تو اس کو چاہیے کہ شیطان مَردود سے اللہ کی پناہ طلب کرے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی یہ آیت پڑھی: ﴿اَلشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾ (شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے اور گناہ کے لیے اُکساتا ہے)۔

(ب) وسوسہ کی تعریف: وسوسہ گناہ یا کفر سے متعلق اس خیال کو کہتے ہیں جو دل میں گزرے یا شیطان دل و دماغ میں ڈالے، اس کے مقابلہ پر الہام اس اچھے اور نیک خیال کو کہتے ہیں جو اللہ کی طرف سے دل و دماغ میں ڈالا جاتا ہے۔

(مظاہر حق)

باب سے حدیث کی مناسبت: حدیث کی باب سے مناسبت بالکل ظاہر ہے؛ کیونکہ حدیث کے اندر یہ لفظ آیا ہے کہ: "**إن للشيطان لمة، فلمة الشيطان تسمى وسوسة**" یعنی شیطان کا تصرف وسوسہ ہے؛ لہٰذا باب الوسوسہ سے اس کی مناسبت ثابت ہوگئی۔ (مرقات)

(ج) مطلب: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہر انسان کے پیچھے شیطان بھی لگا ہوا ہے اور فرشتہ بھی لگا ہوا ہے، شیطان تو بُرائی اور اُمورِ منہیہ پر اُبھارتا ہے اور فرشتہ نیکی اور صداقت پر اُبھارتا ہے، پس جس آدمی کے دل کے اندر نیکی کا جذبہ اور تحریک ہو اُسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور جس آدمی کے دل کے اندر بدی کا جذبہ ہو اُسے شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی ضروری ہے۔

خط کشیدہ الفاظ کی مراد: (۱) **لمّة الشیطان** :شیطان کے لمّے کا نام وسوسہ ہے اور فرشتہ کا لمّے کا نام الہام ہے۔

(۲) **إیعاد بالشر** :یعنی شیطان اللہ کے راستے میں فقر وافلاک اور ایمان وعبادت میں مشقت سے ڈراتا ہے؛ نیز کفر وفسق کی طرف اُبھارتا ہے۔

(۳) **تکذیب بالحق**: یعنی شیطان اللہ اور رسول، جنت وجہنم؛ نیز آخرت کے دوسرے معاملات میں وسوسہ ڈال کر یقین کو متزلزل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور ان چیزوں کو جھٹلاتا ہے۔

(۴) **یعاد بالخیر** :جیسے نماز روزہ پر اُبھارتا ہے اور اس پر ملنے والے مرتبے کو ذہن میں تازہ کرتا ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۵) **تصدیق بالخیر** :اللہ اور اس کے رسول؛ نیز جنت وجہنم سب چیزوں کی تصدیق کرتا ہے۔

آیتِ کریمہ سے حدیث شریف کا مضمون مدلل: حدیث شریف کا مضمون یہ ہیکہ ہر انسان پر شیطان مردود کا ایک تصرف ہوتا ہے، وہ تصرف کیا ہے؟ وہ تصرف یہ ہیکہ وہ انسان کو اللہ کے راستے میں فقر وافلاک اور ایمان وعبادت میں مشقت سے ڈراتا ہے، اور اللہ اور اس کے رسول کو؛ نیز جنت وجہنم اور آخرت کے دوسرے معاملات کو جھٹلاتا ہے، اسی کو حدیث میں ''ایعاد بالشر وتکذیب بالحق'' سے بیان کیا، اور قرآنِ کریم میں ﴿اَلشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ﴾ سے بیان کیا۔

سوال:۸، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۸ (داخلہ۱۴۳۱ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِيْ مَاوَسْوَسَتْ بِهٖ صُدُوْرُهَا، مَالَمْ تَعْمَلْ بِهٖ، أَوْتَتَكَلَّمْ. (متفق عليه)

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ (ب) وسوسہ کی تعریف، اس کے اقسام اور ان کی تعریفیں بیان کیجیے۔ (ج) اور اس کی آخری قسم جسے عزم کہتے ہیں بتایئے کہ کیا اس کا بھی یہی حکم ہے یا اس پر مؤاخذہ ہے؟ اگر مؤاخذہ ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لوگوں کے ان وسوسوں کو معاف کر دیا ہے جو ان کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں جب تک کہ وہ ان وسوسوں پر عمل نہ کریں اور ان کو زبان پر نہ لائیں۔ (بخاری و مسلم)

(ب) وسوسہ کی تعریف، اس کی اقسام اور ان کی تعریفیں:

الوسوسة لغة: الصوت الخفي (دبی ہوئی آواز)۔

واصطلاحًا: الخواطر إن كانت تدعو إلى الرذائل فهي وسوسة وإن كانت إلى الفضائل فهي الهام. (مرقاۃ:۱/۲۳۸)

وسوسہ کے اقسام اور ہر ایک کی تعریف: وسوسہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ضروریہ (۲) اختیاریہ۔

ضروریہ: یہ وہ ہے جو سینے میں ابتداءً آوے اور انسان اس کے دفع کرنے پر قادر نہ ہو۔

اختیاریہ: وہ ہے جو قلب میں جاری ہو اور دائمار ہ جائے۔

اختیاریہ کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) ہاجس (۲) خاطر (۳) حدیث النفس (۴) ہم (۵) عزم۔

(۱) ہاجس: جو قلب میں واقع ہو کر گزر جائے۔

(۲) خاطر: جو قلب میں واقع ہو کر گھومتا رہے؛ لیکن فعل وعدمِ فعل کی بات پیدا نہ ہو۔

(۳) حدیث النفس: جو قلب میں واقع ہو کر گھومتا رہے اور فعل وعدمِ فعل کی بات بھی پیدا ہو گئی ہو؛ لیکن ابھی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دیا ہو۔

(۴) ہم: اور اگر قلب نے فعل وعدم میں سے ایک کو ترجیح تو دے دیا؛ لیکن ترجیح قوی نہیں ہے، پس اسی کو ہم کہتے ہیں۔

(۵) عزم: عزم یہ ہے کہ فعل وعدمِ فعل میں سے ایک کی ترجیح دوسرے پر قوی ہو۔ (حاشیہ جلالین)

(ج) کیا عزم پر مؤاخذہ ہے؟ اگر مؤاخذہ ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

وسوسہ اختیاریہ میں سے سوائے عزم کے سب معاف کر دیا گیا ہے؛ کیوں کہ وسوسہ کی یہ صورت (عزم) ایسی ہے جو قابلِ مواخذہ ہے؛ لیکن اس مواخذہ کی نوعیت عملی طور پر ہونے والے مواخذہ سے ہلکی ہوگی۔

عزم قابل مواخذہ ہونے کی دلیل کیا ہے؟ لأن النبي ﷺ قال القاتل والمقتول كلاهما في النار: کہ یہاں قاتل فی النار ہونا ظاہر ہے؛ البتہ مقتول نے بھی قتل کرنے کا قصد وارادہ اور عزم کیا تھا اگر چہ کامیاب نہیں ہو سکا؛ اس لیے وہ بھی فی النار ہوگا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ عزم پر مواخذہ ہوتا ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com

Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال:۹، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۸ (داخلہ ۱۴۲۷ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّاوَقَدْ وُكِّلَ بِهٖ قَرِيْنُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَقَرِيْنُهٗ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ قَالُوْا وَإِيَّاكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: وَإِيَّايَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ فَلَايَأْمُرُنِيْ إِلَّابِخَيْرٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ (ب) بتایئے کہ شیطان اور ملائکہ کا یہ مصاحب جو وسوسہ اندازی کرتا ہے، اس وسوسہ کی کون سی قسم نقصان دہ ہے اور اس کے کتنے درجات ہیں؟ (ج) حضورؐ نے اپنے بارے میں جو فرمایا ہے اس کی تشریح اور لفظ "فاسلم" کا باب وصیغہ متعین کر کے مطابق متعدد معانی لکھئے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالمؐ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ ایک ہمراہ جنوں (شیطانوں میں سے) اور ایک ہمراہ فرشتوں میں سے مقرر نہ کیا گیا ہو، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپؐ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا میرے ساتھ بھی؛ لیکن خدا نے مجھ کو اس (جن موکل) سے مقابلہ کرنے میں مدد دے رکھی ہے؛ اس لیے میں اس کے مکر وفریب اور اس کی گمراہی سے محفوظ رہتا ہوں (بلکہ یہاں تک کہ) وہ بھی مجھے بھلائی کا مشورہ دیتا ہے۔

(ب) بتایئے کہ شیطان اور ملائکہ کا یہ مصاحب جو وسوسہ اندازی کرتا ہے، اس وسوسہ کی کون سی قسم نقصان دہ ہے اور اس کے کتنے درجات ہیں؟

اس کے جزئیہ گزشتہ سوال میں گزر چکے ہیں۔

(ج) حضورؐ نے اپنے بارے میں جو فرمایا ہے اس کی تشریح: مذکورہ بالا

حدیث شریف میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اور ایک فرشتہ مقرر کیا گیا ہے، فرشتہ تو انسان کو نیکی و بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور انسان کو اچھی باتیں و نیک کام سکھاتا ہے اور اس کے قلب میں خیر و بھلائی کی چیزیں ڈالتا ہے اس کو ''ملہم'' کہتے ہیں، اور جن وشیطان اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کو بُرائی کے راستہ پر ڈالتا ہے، اور دل میں بُرے خیالات و غلط وسوسے پیدا کرتا ہے، اس کا نام ''وسواس'' اور ''اَبرمن'' ہے۔

تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہؐ! کیا آپ کے ساتھ بھی وہ ایک فرشتہ اور جن وشیطان مقرر ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ہاں! میرے ساتھ بھی؛ لیکن اللہ تعالیٰ مجھ کو اس جن وشیطان سے مقابلہ کرنے میں مدد دے رکھی ہے؛ اس لیے میں اس کے مکر و فریب اور اس کی گمراہی سے محفوظ رہتا ہوں۔

لفظ ''أسلم'' کا باب اور صیغہ: لفظ ''أسلم'' میں دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱) صیغۂ واحد متکلم از مضارع، اس وقت مطلب ہوگا کہ میں محفوظ رہتا ہوں۔

(۲) افعال سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور شیطان فاعل ہے، مطلب یہ ہوگا کہ وہ میرے تابعدار ہوگیا، یا اسلام قبول کرلیا۔

بعض محدثین نے پہلی صورت کو راجح قرار دیا ہے؛ اس لیے کہ شیطان کا اسلام قبول کرنا متصور نہیں ہوسکتا ہے؛ مگر جمہور کہتے ہیں کہ جس اللہ نے اس کو کفر پر پیدا کیا اسی اللہ کی قدرت ہے کہ اس کے اندر قبولِ اسلام کی صلاحیت پیدا کردے؛ نیز ''فلایامرني الا بخیر'' سے ثانی صورت کی تائید ہوتی ہے۔ (درسِ مشکوٰۃ)

سوال: ۱۰، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۰ (داخلہ ۱۴۳۶ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ رَجُلٌ شَابٌّ أَخَافُ الْعَنَتَ وَلَا أَجِدُ مَا أَتَزَوَّجُ بِهِ النِّسَاءَ

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

كَأَنَّهُ يَسْتَأْذِنُ فِي الْإِخْتِصَاءِ، قَالَ فَسَكَتَ عَنِّي ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذَالِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَاهُرَيْرَةَ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا أَنْتَ لَاقٍ فَاخْتَصِصْ عَلٰى ذَالِكَ أَوْ ذَرْ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی و صرفی تحقیق کریں (ج) قدر کی حقیقت بیان کرتے ہوئے مطلب تحریر کیجیے اور بتایئے کہ انسانوں میں اور دیگر جانوروں میں خصی ہونے کا کیا حکم ہے؟ جفّ القلم سے کیا مراد ہے؟ کیا فاختصّ کا حکم اجازت کے لیے ہے؟ جو بھی لکھیں بوضاحت لکھیں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں جوان آدمی ہوں اور مجھ کو اندیشہ ہے کہ کہیں میرا نفس زنا کے گناہ میں مبتلا نہ ہو جائے؛ کیوں کہ مجھ میں اتنی استطاعت نہیں ہے کہ کسی عورت سے نکاح کروں، گویا حضرت ابو ہریرہؓ اپنے اندر سے قوتِ مردانگی ختم کر دینے کی اجازت طلب کرتے ہیں، ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ سرکارِ دوعالمؐ نے یہ سن کر سکوت فرمایا، میں نے دوبارہ یہی کہا تو آپؐ پھر خاموش رہے، میں نے پھر عرض کیا اس مرتبہ بھی آپ نے کچھ نہیں فرمایا، میں نے پھر اس طرح عرض کیا تو آنحضرتؐ نے عرض کیا، ابو ہریرہ! جو کچھ ہوتا ہے (اسے تمہارے مقدر میں لکھ کر) قلم خشک ہو چکا ہے؛ لہٰذا تمہیں اختیار ہے، کہ قوتِ مردانگی کو ختم کر دے یا نہ کر دے۔

(ب) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی و صرفی تحقیق ملاحظہ فرمائیں:

(۱) شابّ: یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اس کی جمع شباب ہے "ولا يجمع فاعل على فعال غيره" اس کے معنیٰ ہیں جوان اور یہاں مراد قوي الشهوة.

(۲) العنت: بفتح العين والنون، یہ مصدر ہے عنت یعنت کا باب (ض)

سے، اس کے معنیٰ ہیں ''زنا'' یا تو ''مقدمۂ زنا'' اور اس کے اصلی معنیٰ ہیں مشقت کے، اس کو زنا کے معنیٰ میں کیا گیا؛ اس لیے کہ زنا دنیا و آخرت میں مشقت کا سبب ہے۔

(۳) جف: یہ واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے من باب (ن)، اس کے معنیٰ ہیں خشک ہونا اور یہاں اس کے معنیٰ ہیں تقدیر کو لکھ کر اس سے فارغ ہونا۔

(٤) لاق: یہ اسم فاعل واحد مذکر کا صیغہ ہے از باب (س) اس کے معنیٰ ہیں ملنا، اور یہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ ''أنت ملاق بماتفعله وتقوله'' یعنی تو جو کچھ کرے یا کہے سب قلم لکھ چکا اور لکھ دیا ہے۔

(٥) اختص: یہ واحد مذکر حاضر امر حاضر سے از باب افعال کا صیغہ ہے، اس کے معنیٰ ہیں خصی کرنا۔ (مرقات)

(ج) تقدیر کی حقیقت؟ تقدیر یہ مسئلة الاقدام میں سے ہے، سر من اسرار اللّٰہ تعالیٰ ہے، جس کی پوری حقیقت کی اطلاع نہ کسی مقرب فرشتہ کو دی گئی اور نہ کسی نبی و رسول کو؛ اس لیے اس میں زیادہ غور و خوض کرنا جائز نہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ القدر سر من اللّٰہ تعالیٰ.

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

اور قدر کی حقیقت یہ ہے کہ مخلوق کی پیدائش کے ہزاروں سال پہلے اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم تھا کہ فلاں آدمی فلاں وقت فلاں کام اپنے اختیار سے کرے گا اسی کام کو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق لکھ دیا ہے، حقیقت تقدیر ہے۔ (درسِ مشکوٰۃ)

حدیث شریف کا مطلب: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں تو ابھی جوان اور قوی الشہوت آدمی ہوں، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں زنا میں مبتلا نہ ہو جاؤں؛ کیوں کہ فقر و فاقہ کی وجہ سے نکاح کی بھی طاقت نہیں، تو کیا میں خصی کرلوں؟ تو بار بار سوال کے بعد حضورؐ نے جواب دیا کہ تمہارے مقدر میں جو کچھ ہونا لکھا ہوا ہے وہ پورا ہوگا اگر خدانخواستہ کسی بدکاری کی طرف ہونا تمہارے لیے نوشتۂ تقدیر بن چکا ہے، تو یہ فعل تم سے ضرور صادر ہوگا، اور اگر

قضاوقدر نے تمہاری پاک دامنی اور معصیت سے حفاظت کی ہے تو چاہے تم اپنی مردانگی ختم کر کے نامرد بن جاؤ یا اس فعل سے باز رہو تمہارا نفس تمہیں نہیں بہکا سکتا اور تم پاک دامن رہو گے، اسی طرف "جفّ القلم" کہہ کر اشارہ کیا۔ (مظاہر حق:۱/۱۵۷)

انسانوں اور دیگر جانوروں میں خصی کا حکم؟ جاننا چاہیے کہ خصی ہونا انسان کے لیے حرام ہے خواہ چھوٹی عمر کا ہو یا بڑی عمر کا ہو، اور جانور کے بارے میں جان لینا چاہیے کہ ہر اس جانور کو خصی کرنا حرام ہے جو غیر ماکول اللحم ہو اور جو جانور کھایا جاتا ہے، اس کو خصی کرنا چھوٹی عمر میں تو جائز ہے؛ لیکن بڑی عمر میں حرام ہے جانور کے خصی کے بارے میں مذکورہ تفصیل علامہ نووی نے لکھا ہے، جو شافعی المسلک ہیں، جب کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں بڑی عمر اور چھوٹی عمر کی تفصیل کے بغیر صرف یہ لکھا ہے کہ جانوروں کو خصی کرنا جائز ہے۔ (مظاہر حق:۴/۸)

جفّ القلم سے کیا مراد ہے؟ جفّ القلم یہ کنایہ ہے قلم کی تقدیر کے بارے میں لکھ کر اس سے فارغ ہو جانے سے؛ کیوں کہ شروع کرنے کے بعد فارغ ہو جانا یہ روشنائی سوکھ جانے کی دلیل ہے؛ لہٰذا جف کا استعمال کر دیا، وھٰذہ العبارۃ من مقتضیات الفصاحۃ النبویۃ، گویا اب مطلب یہ ہو گیا کہ جو کچھ ہوا اور ہونا ہے سب کے بارے میں قلم لکھ کر سوکھ گیا۔

کیا فاختصَ کا حکم اجازت کے لیے ہے؟ ملا علی قاریؒ نے بیان فرمایا کہ یہ قول حضورؐ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو بطورِ اذن نہیں کہا؛ بلکہ ان کے اس سوال پر ملامت اور توبیخ کے لیے فرمایا۔ (مرقاۃ:۱/۲۵۹)

سوال:۱۱، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۷

(الف) عبارت با اعراب: عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَدِمَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يُؤَبِّرُوْنَ النَّخْلَ، فَقَالَ مَاتَصْنَعُوْنَ؟

قَالُوْا كُنَّا نَصْنَعُهُ قَالَ لَعَلَّكُمْ لَوْلَمْ تَفْعَلُوْا كَانَ خَيْرًا فَتَرَكُوْهُ فَنَقَصَتْ قَالَ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ إِنَّمَا أَنَابَشَرٌ، إِذَاأَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ أَمْرِ دِيْنِكُمْ، فَخُذُوْا بِهٖ وَإِذَاأَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيِيْ، فَإِنَّمَاأَنَابَشَرٌ. (رواه مسلم)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کرتے ہوئے خاص طور سے "إذاأمرتكم بشيىء من رائي" کی تشریح کریں (ج) "فإنما أنا بشر" کہنے سے کیا مراد ہے تحریر کریں (د) تأبیر کے معنیٰ، طریقۂ عمل اور فائدہ تحریر کریں۔

الجواب

الف) ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت اہلِ مدینہ کھجوروں کے درختوں میں تأبیر کا عمل کیا کرتے تھے، حضور علیہ السلام نے (یہ دیکھ کر) ارشاد فرمایا کہ یہ تم کیا کرتے ہو؟ تو اہلِ مدینہ نے عرض کیا کہ ہم (پہلے ہی سے) ایسا ہی کرتے آئے ہیں، تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ کرو تو شاید بہتر ہو، چنانچہ لوگوں نے اس کو ترک کر دیا تو اس سال پھل بہت کم آئے، راوی فرماتے ہیں اس بات کا تذکرہ حضور علیہ السلام سے کیا گیا تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی تمہاری طرح ایک آدمی ہی ہوں، لہٰذا جب میں تمہیں تمہارے دین کی کسی بات کا حکم کروں تو اس کو قبول کر لیا کرو اور جب کوئی بات اپنی رائے سے تمہیں بتاؤں تو جان لو کہ میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) حدیث شریف کا مطلب: اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جلوہ افروز ہوئے تو اس وقت اہلِ مدینہ میں یہ رواج تھا کہ وہ کھجوروں کا پھل زیادہ حاصل کرنے کے لیے کھجور کے نر درخت کے گابھے کو کھجور کے مادہ درخت میں جوڑا کرتے تھے، حضور علیہ السلام نے

جب ان کے اس عمل کو دیکھا تو آپ نے اس کو زمانۂ جاہلیت کا ایک بے سود طریقہ خیال کرتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کے کرنے سے منع فرمادیا، آپ علیہ السلام کا خیال یہ تھا کہ اللہ نے جتنا پھل ان پیڑوں پر آنا مقدر کردیا ہے وہ آکر رہے گا، تأبیر کا عمل اس میں زیادتی نہیں کرسکتا، صحابۂ کرام آپ علیہ السلام کے منع فرمانے کے بعد اس عمل کو کرنے سے رُک گئے؛ لیکن اس سال جب پھل آیا تو پہلے کے مقابلہ میں کم تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور علیہ السلام سے آکر اس کا تذکرہ کیا تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں (پس میری رائے بھی تمہاری طرح صائب اور غیر صائب ہوسکتی ہے) لہٰذا جب میں تمہیں دین کے کسی مسئلہ کا حکم دوں تو اس کو تسلیم کرلو اور جب میں تمہیں اپنی رائے سے کسی بات کی خبر دوں تو جان لو کہ میں بھی ایک انسان ہی ہوں (میری رائے بھی صائب اور غیر صائب ہوسکتی ہے)۔

"إذا أمرتكم بشيء من رائي" کی تشریح: حضور علیہ السلام نے اس حدیث میں یہ فرمایا "اذا أمرتكم بشيء من رائي فإنما أنا بشر" کا مطلب یہ ہے کہ دنیوی امور میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہی ہوں، دنیا کے معاملات میں جس طرح تمہاری آراء صائب اور غیر صائب ہوتی ہیں اسی طرح میری رائے بھی ہوسکتی ہے؛ لیکن واضح رہے اس سے یہ استدلال کرنا کہ حضور علیہ السلام کو دنیوی معاملات کا علم نہیں تھا قطعاً غلط ہے، آپ علیہ السلام دینی اور دنیوی تمام معاملات میں انتہائی صاحب العقل اور صاحب الرائے تھے، یہ بات الگ ہے کہ اس واقعہ میں جزوی طور پر آپ کی رائے موافق نہیں ہوئی تھی اور اس موافق نہ ہونے کی حقیقت بھی اللہ رب العزت زیادہ جانتے ہیں۔ واللہ اعلم

(ج) "فإنما أنا بشر" کہنے سے کیا مراد ہے؟ آپ علیہ السلام نے "فإنما أنا بشر" کہہ کر اپنے آپ کو ایک انسان قرار دیا ہے۔ آپ کے اس جملہ کو ارشاد فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں اور جس طرح

تمہیں مغیبات کا علم نہیں ہے اور تمہاری آراء صائب اور غیر صائب ہوتی ہیں اسی طرح میرا بھی حال ہے، رہا مسئلہ دینی اُمور کا تو دینی اُمور میں میرے نبی ہونے کی وجہ میرے اقوال کو قبول کرنا تمہارے اوپر لازم ہے۔

(د) تأبیر کے معنیٰ، طریقۂ عمل اور فائدہ؟

تابیر کا معنیٰ: واضح رہے تأبیر باب تفعیل سے استعمال ہوتا ہے اس کے لغوی معنیٰ کسی چیز کی اصلاح کرنے اور پیوند لگانے کے آتے ہیں، اور اصطلاح میں تأبیر کھجور کے نَر پیڑ کے گابھے کو مادہ پیڑ میں داخل کرنے کو کہتے ہیں۔

تأبیر کا طریقہ: یہ ہوتا ہے کہ اولاً کھجور کے نر درخت کے مادہ کو لیا جاتا ہے اور پھر اس کو کھجور کے مادہ درخت میں جوڑ دیا جاتا ہے، نیز اس کا دوسرا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ نَر کھجور کے پھولوں کو مادہ کھجور کے پھولوں پر جھاڑ دیا جاتا ہے۔

تأبیر کا فائدہ: یہ ہوتا ہے کہ اس سے پھل زیادہ آتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کھجور کا پیڑ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کے مابقیہ حصہ سے پیدا کیا گیا ہے، پس اس میں بھی وہی عادات ہیں جو انسان کے مذکر اور مؤنث میں ہوتی ہیں، پس جس طرح انسان کے مذکر اور مؤنث کے اختلاط سے تناسل میں زیادتی ہوتی ہے، اسی طرح تأبیر کے عمل سے کھجور کی مقدار میں کثرت ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ کھجور کے جس باغ میں نر درخت نہیں ہوتا ہے اس میں پھل بھی نہیں آتا ہے۔

سوال: ۱۲، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۹ (داخلہ ۱۴۲۵ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ رَبِيْعَةَ الْجُرَشِيِّ قَالَ: أُتِيَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ فَقِيْلَ لَهُ لِتَنَمْ عَيْنُكَ وَلْتَسْمَعْ أُذُنُكَ وَلْيَعْقِلْ قَلْبُكَ قَالَ: فَنَامَتْ عَيْنَايَ وَسَمِعَتْ أُذُنَايَ وَعَقَلَ قَلْبِيْ قَالَ فَقِيْلَ لِيْ سَيِّدٌ بَنٰى دَارًا فَصَنَعَ فِيْهَا مَأْدُبَةً وَ أَرْسَلَ دَاعِيًا فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَأَكَلَ مِنَ

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الْمَأْدُبَةِ وَرَضِيَ عَنْهُ السَّيِّدُ وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَسَخِطَ عَلَيْهِ السَّيِّدُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) انبیاء کی نوم کی خصوصیت لکھئے اور بتایئے کہ ان کا خواب حجت ہے یا نہیں؟ پھر مطلب بیان کریں؛ نیز بتایئے کہ روایت میں "السيد، داعي، دار، مأدبه" سے کیا مراد ہے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ربیعہ الجرشیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے پاس خواب میں فرشتے بھیجے گئے اور آپؐ سے کہا گیا یعنی فرشتوں نے کہا چاہیے کہ آپ کی آنکھیں سوئیں اور آپ کے کان سنیں، اور آپ کا دل سمجھے، رسول اللہؐ نے فرمایا: میری آنکھیں سوئیں، میرے کانوں نے سنا اور میرے دل نے سمجھا، پھر رسول اللہؐ نے کہا کہ مجھ سے کہا گیا، یعنی فرشتوں نے میرے سامنے بطورِ مثال کے بیان کیا کہ ایک سردار نے گھر بنایا اور کھانے کا دسترخوان لگایا اور پھر ایک بلانے والے کو بھیجا تاکہ وہ سب لوگوں کو بلا کر لائے، لہٰذا جس نے اس بلانے والے کی دعوت کو قبول کرلیا، وہ اس گھر میں داخل ہوا، کھانا کھایا اور سردار اس سے خوش ہوا اور جس نے بلانے والے کی دعوت کو قبول نہ کیا، وہ نہ گھر میں داخل ہوا اور نہ ہی کھانا کھایا اور نہ ہی سردار اس سے خوش ہوا۔

(ب) انبیاء علیہم السلام کی نوم کی خصوصیت: انبیاء علیہم السلام کی نوم کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی نوم ناقضِ وضو نہیں ہے۔ لقوله عليه السلام انما تنام عيناي ولا ينام قلبي، فلاتنقض طهارته بالنوم وكذا الأنبياء لقوله عليه الصلاة والسلام، إنا معشر الأنبياء تنام اعيننا ولاتنام قلوبنا.

اور جن روایتوں میں یہ بات آئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نیند سے اُٹھ کر

وضو کیا وہ روایات ایک تو منکر ہیں، اگر روایت صحیح بھی مان لی جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کرنا تعلیما للأمة تھا، نیز انبیاءؑ کا خواب حجت ہے۔ لقوله عليه الصلاة والسلام: إنا معشر الأنبياء تنام أعيننا ولا تنام قلوبنا.

مذکورہ بالا حدیث کا مطلب: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک الہامی مثال بیان کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس منام کی حالت میں فرشتے آئے اور آپ سے کہنے لگے: چاہیے کہ آپ کی آنکھ سوئے اور کان سنے اور دل سمجھے یعنی دل میں کوئی اور تصور اور خیال نہ آئے، ملائکہ کے اس قول کی غرض وغایت یہ تھی کہ آپ مکمل توجہ، انہماک، اور غور کے ساتھ اس مثال کو سنیں اور سمجھیں تا کہ بات اچھی طرح دل میں مضبوطی کے ساتھ راسخ ہو جائے، فرشتوں کی بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میری آنکھیں سو گئیں، کانوں نے سن لیا اور دل نے سمجھ لیا۔ مثال کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام نامی ایک گھر بنایا اور گھر میں جنت نامی ایک دسترخوان بچھایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو داعی الی المأدبہ بنا کر بھیجا کہ وہ سب کو بلا کر اسلام نامی گھر میں داخل کر کے جنت نامی دسترخوان سے ابدی کھانا کھلائے، پس جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کر کے اسلام میں داخل ہوگا وہ جنت میں تو داخل ہوگا ہی ساتھ ساتھ اپنے رب اللہ تعالیٰ کو بھی راضی کرے گا، اور جو شخص اس کے برخلاف کام کرے گا تو وہ جنت نامی دسترخوان سے محروم بھی ہوگا اور رب العالمین بھی اس پر ناراض رہے گا۔

روایت میں "السيد، داعي، دار، مأدبه" سے مراد: مذکورہ روایت میں ذکر کی گئی ہے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاللّٰهُ هو السيّد و محمد، الداعي، والدار الإسلام والمأدبة الجنة: یعنی مذکورہ بالا حدیث شریف میں سردار سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، داعی سے مراد، محمد صلی اللہ علیہ وسلم، گھر سے مراد اسلام، دسترخوان سے مراد جنت۔ (مظاہر حق)

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال:۱۳، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۹ (داخلہ ۱۴۳۴ھ)

(الف) عبارت بااعراب: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَلَا إِنِّي أُوْتِيْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ أَلَا يُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانٌ عَلٰى أَرِيْكَتِهِ يَقُوْلُ عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَلَالٍ فَأَحِلُّوْهُ وَمَاوَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ وَإِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ، أَلَا لَايَحِلُّ لَكُمُ الْحِمَارُ الْأَهْلِيُّ وَلَا كُلُّ ذِيْنَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَلَا لُقْطَةُ مُعَاهِدٍ إِلَّا أَنْ يَسْتَغْنِيَ عَنْهَا صَاحِبُهَا وَمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَعَلَيْهِمْ أَنْ يَقْرُوْهُ فَإِنْ لَمْ يَقْرُوْهُ فَلَهُ أَنْ يُعَقِّبَ بِمِثْلِ قِرَاهُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) حدیث شریف کی ''باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ'' سے مناسبت ظاہر کیجیے؟ (ج) ''ألا لایحل لکم الخ'' سے اخیر تک ہر جز کا مطلب واضح کیجیے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خبردار آگاہ ہوجاؤ! بلاشبہ مجھے قرآن اور اس جیسی ایک اور اس کے ساتھ دی گئی ہے، آگاہ ہوجاؤ (وہ وقت) قریب ہیکہ ایک شکم سیر آسودہ (پیٹ بھرا) شخص اپنی مسند پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا کہے گا کہ بس اس قرآن کو تم اپنے لیے ضروری سمجھو (یعنی صرف قرآن کو دین جانو) پس تم اس قرآن کے اندر جو چیز حلال پاؤ اس کو حلال سمجھو اور اس کے اندر جو چیز حرام پاؤ اس کو حرام جانو، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے وہ اسی طرح حرام ہے جس طرح وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، آگاہ ہوجاؤ! تمہارے لیے اہلی گدھے (جو آبادیوں میں رہتے ہیں) حلال نہیں ہیں اور نہ درندوں میں سے کچلی رکھنے والے جانور حلال ہیں، اور کسی معاہد کا لقطہ بھی

حلال نہیں ہے، إلا یہ کہ خود مالک اس سے لاپرواہ ہو جائے اور (خیال رکھو) جب کوئی شخص کسی قوم میں اُترے تو اس قوم کے لوگوں پر لازم ہے کہ اس کی مہمان نوازی کریں، پس اگر اس قوم کے لوگ اس کی میزبانی نہ کریں تو مہمان کو حق ہے کہ مہمان نوازی کا بدلہ اسی قدر ان سے وصول کرلے۔

(ب) حدیث شریف کی "باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ" سے مناسبت:

جاننا چاہیے کہ یہاں حدیث اور باب کے درمیان بظاہر کوئی مناسبت نظر نہیں آرہی ہے، دراصل مناسبت اِس طور پر ہیکہ باب چل رہا ہے "کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ پر اعتماد کرنے کا اور حدیث میں منکرینِ سنت کی تردید کی گئی، معلوم ہوا کہ سنت پر بھی کتاب کے ساتھ ساتھ اعتماد کرنا ضروری ہے، تو گویا حدیث کی مناسبت باب کے ساتھ باعتبار ضد کے ثابت ہوتی ہے۔

(ج) "ألا لایحل لکم الخ" سے اخیر تک ہر جز کا مطلب:

(۱) **ألا لایحل لکم الحمار الاهلي** : یعنی وہ گدھا جو شہر و آبادی میں رہتا ہے حرام ہے، اس سے معلوم ہوا کہ "وحشی گدھا" جس کو گورخر کہتے ہیں حلال ہے۔

(۲) **ولا کل ذي ناب من السباع**: ذی ناب یعنی وہ جانور جو دانتوں سے پکڑ کر شکار کرتا ہو وہ بھی حرام ہے اور اس کی حرمت کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں؛ بلکہ حدیث میں ہے جیسے: شیر، کتا اور بھیڑیا وغیرہ۔

(۳) **ولا لقطة معاهدة**: لقطہ معاہد سے مراد وہ کافر ہے کہ جس نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کرلی ہو، چاہے وہ ذمی ہو یا حلیف، اِس کا لقطہ مسلمانوں کے لیے حلال نہیں؛ اور اس کی حرمت کا حکم بھی قرآن میں نہیں؛ بلکہ حدیث میں ہے؛ البتہ اگر لقطہ کوئی ایسی حقیر شئ ہو کہ جس سے اس کا مالک مستغنی اور بے پرواہ ہو تو اس کو لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۴) **ومن نزل بقوم**: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی قبیلہ و خاندان میں کوئی مسافر

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

آ کر اُترے تو اس آبادی کے لوگوں کو چاہیے کہ اس کی مہمان نوازی کریں اور اگر وہ قبیلہ مہمان نوازی نہ کرے تو اس مسافر مہمان کو حق ہے کہ وہ مہمانی کے بقدر رقم یا جنس وغیرہ زبردستی وصول کرے۔

سوال:۱۴، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۹ (داخلہ ۱۴۳۴ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَلَا إِنِّي أُوْتِيْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ أَلَا يُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانٌ عَلٰى أَرِيْكَتِهِ يَقُوْلُ عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَلَالٍ فَأَحِلُّوْهُ وَمَاوَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ وَإِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ، أَلَا لَايَحِلُّ لَكُمُ الْحِمَارُ الْأَهْلِيُّ وَلَا كُلُّ ذِيْنَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَلَا لُقْطَةُ مُعَاهِدٍ إِلَّا أَنْ يَسْتَغْنِيَ عَنْهَا صَاحِبُهَا وَمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَعَلَيْهِمْ أَنْ يَقْرُوْهُ فَإِنْ لَمْ يَقْرُوْهُ فَلَهُ أَنْ يُعَقِّبَ بِمِثْلِ قَرَاهُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھئے اور "حمار" میں "اهلي" کی قید کا فائدہ اور لقطہ کی تعریف لکھ کر حدیث میں ذکر کردہ تمام جزئیات کا حکم تحریر کریں؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خبردار آگاہ ہو جاؤ! بلاشبہ مجھے قرآن اور اس جیسی ایک اور اس کے ساتھ دی گئی ہے، آگاہ ہو جاؤ (وہ وقت) قریب ہے کہ ایک شکم سیر آسودہ (پیٹ بھرا) شخص اپنی مسند پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا کہے گا کہ بس اس قرآن کو تم اپنے لیے ضروری سمجھو (یعنی صرف قرآن کو دین جانو) پس تم اس قرآن کے اندر جو چیز

حلال پاؤ اس کو حلال سمجھو اور اس کے اندر جو چیز حرام پاؤ اس کو حرام جانو، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے وہ اسی طرح حرام ہے جس طرح وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، آگاہ ہو جاؤ! تمہارے لیے اہلی گدھے (جو آبادیوں میں رہتے ہیں) حلال نہیں ہیں اور نہ درندوں میں سے کچلی رکھنے والے جانور حلال ہیں، اور کسی معاہد کا لقطہ بھی حلال نہیں ہے، اِلا یہ کہ خود مالک اس سے لاپرواہ ہو جائے اور (خیال رکھو) جب کوئی شخص کسی قوم میں اُترے تو اس قوم کے لوگوں پر لازم ہے کہ اس کی مہمان نوازی کریں، پس اگر اس قوم کے لوگ اس کی میزبانی نہ کریں تو مہمان کو حق ہے کہ مہمان نوازی کا بدلہ اسی قدر ان سے وصول کر لے۔

(ب) حدیث بالا کا مطلب: مطلب یہ ہے کہ حضورؐ نے آنے والے زمانہ کی خرابی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور لوگوں کو اسی زمانہ میں کتاب اور سنت رسول کا دامن پکڑنے کی اہمیت دلاتے ہوئے فرمایا کہ مجھے قرآن بھی دیا گیا اور قرآن کے ساتھ مضامین حدیث بھی مجھ پر اللہ ہی کی طرف سے نازل ہوئے ہیں فرق صرف یہی ہے کہ قرآن ظاہری وحی ہے اور حدیث پوشیدہ وحی ہے، لہٰذا دونوں واجب العمل ہیں۔

لیکن عنقریب کچھ نادان اور شریعت سے ناآشنا لوگ آئیں گے جو اپنی ناآشنائی کے سبب اور اپنی دنیوی مناصب اور رئیسانہ معیارِ زندگی کے پندار کا شکار، شاندار بنگلوں اور ہر عیش گاہوں ونشست گاہوں میں بیٹھ کر بڑی بے اعتنائی کے ساتھ حدیث پر تنقید کریں گے اور صرف قرآن کو واجب العمل مانیں گے۔

حضورؐ نے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے احکام نازل کیے ہیں ایسے ہی میں بھی بہت سارے احکام بتاتا ہوں اس کے بعد بطورِ مثال کچھ چیزوں کو بیان کیا کہ دیکھو ان چیزوں کا حرام ہونا قرآن کریم میں مذکور نہیں ہے؛ لیکن پھر بھی یہ حرام ہیں؛ کیوں کہ میں ان کی حرمت بیان کر رہا ہوں۔

(۱) اہلی گدھا حلال نہیں ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۲) درندوں میں سے کچلی دانت رکھنے والے جانور حلال نہیں ہیں۔

(۳) کسی معاہد والے کا لقطہ حلال نہیں ہے، الا یہ کہ خود مالک اس سے بے پرواہ ہو۔

(۴) مہمان کی مہمان نوازی کرو۔ (مظاہر حق)

"حمار" میں "اهلي" کی قید کا فائدہ کیا ہے؟ حمارِ اہلی کی قید اس لیے لگائی تاکہ "وحشی گدھا" جو ہے وہ خارج ہو جائے؛ کیوں کہ اس کو کھانا حلال ہے اور اس کو گورخر بھی کہتے ہیں۔ (مظاہر حق)

لقطہ کی تعریف اور حدیث میں ذکر کردہ تمام جزئیات کا حکم: (۱) **ألا لا يحل لكم الحمار الأهلي:** آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پالتو گدھا حرام ہے اور اس کی حرمت کا حکم قرآن مجید میں نہیں ہے؛ بلکہ حدیثِ رسولؐ میں ہے اور سب اس کو حرام مانتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حمار وحشی حلال ہے۔

(۲) **ولا كل ذي ناب من السباع:** ذی ناب یعنی وہ جانور جو دانتوں سے پکڑ کر شکار کرتا ہو وہ بھی حرام ہے اور اس کی حرمت کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں؛ بلکہ حدیث میں ہے جیسے: شیر، کتا اور بھیڑیا وغیرہ۔

(۳) **ولا لقطة معاهدة:** لقطہ معاہد سے مراد وہ کافر ہے کہ جس نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لی ہو، چاہے وہ ذمی ہو یا حلیف، اس کا لقطہ مسلمانوں کے لیے حلال نہیں؛ اور اس کی حرمت کا حکم بھی قرآن میں نہیں؛ بلکہ حدیث میں ہے؛ البتہ اگر لقطہ کوئی ایسی حقیر شئ ہو کہ جس سے اس کا مالک مستغنی اور بے پرواہ ہو تو اس کو لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(٤) **ومن نزل بقوم:** حق ضیافت کریں: کوئی آدمی کسی قوم کا مہمان ہو جائے تو ان پر لازم وضروری ہے کہ اس کی ضیافت کریں اگر اس کی ضیافت نہ کی تو یہ شخص اپنا حق ضیافت ان سے وصول کر سکتا ہے۔

سوال:۱۵، مشکوٰۃ شریف: ص/۳۰ (داخلہ ۱۴۳۳ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الدِّيْنَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلٰى جُحْرِهَا وَلَيَعْقِلَنَّ الدِّيْنُ مِنَ الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْأُرْوِيَّةِ مِنْ رَأْسِ الْجَبَلِ إِنَّ الدِّيْنَ بَدَأَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ وَهُمُ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِيْ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تشریح کر کے پوری حدیث کا مطلب تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عمرو بن عوفؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ (آخری زمانہ میں) حجاز میں دین اس طرح سمٹ آئے گا جیسے سانپ اپنے بل کی طرف سمٹ آتا ہے، اور دین ملک حجاز میں اس طرح پناہ لے گا جیسے بکری پہاڑ کی چوٹی پر پناہ لیتی ہے، (دراصل دین غربت سے شروع ہوا اور آخری زمانہ میں) پھر ویسا ہی ہو جائے گا جیسا کہ شروع ہوا تھا؛ پس خوش خبری ہے غرباء کے لیے جو اس بگاڑ کو درست کریں گے جسے میرے بعد لوگ میری سنت میں پیدا کر دیں گے۔

(ب) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تشریح:

(۱) **لیأرز:** یہ باب (ض) سے فعل مضارع کا واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، اس کا معنیٰ ہیں "ینضم" ملنا اور یہاں مراد دینِ اسلام کا سمٹ کر مکہ اور مدینہ کی طرف چلا جانا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۲) **حجر:** بضم الجيم وسكون الحاء، اس کا معنیٰ ہیں: سوراخ الجحر: حفرة تأوي إليها الهوام وصغار الحيوان، والجمع جحور، أحجار.

(۳) **معقل الاروية:** بضم الهمزة وتكسر وتشديد الياء الانثى من المعز الجبلي وهو مصدر بمعنى العقل، يجوز أن يكون اسم مكان. اُرُوِيَّة بمعنیٰ پہاڑی بکری۔

(٤) **غريبا:** غرب يغرب من باب (ک) هو غريب و جمعه غرباء، معناه: اجنبی، نامانوس، انوکھا۔

حدیث شریف کا مطلب: اِس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیشین گوئی فرمائی کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ زمین کے اطراف اور جوانب میں دین نہیں رہے گا اور دین اسلام سمٹ کر ارضِ حجاز کی طرف آجائے گا یعنی مکہ اور مدینہ میں جس طرح سانپ اپنے سوراخ میں سمٹ کر آجاتا ہے، اسی طرح ارضِ حجاز میں مضبوط جگہ پکڑے گا جس طرح کہ پہاڑی بکری پہاڑ کی چوٹی پر جگہ پکڑتی ہے اور یہ انتہائی مشکل مقامات پر رہتی ہے دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے پاؤں میں پہاڑ پر چپکنے والا کوئی مادہ چسپاں ہے اور یہ سحری کے وقت جماعت کی شکل میں چرنے کے لیے چراگاہ کی طرف نکلتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جب قیامت کے قریب فتنوں کا ظہور ہوگا اور اس زمانے میں دین سمٹ کر ارضِ حجاز میں جگہ پکڑے گا، جس طرح کہ پہاڑی بکرا پہاڑ کی چوٹی پر انتہائی مضبوطی سے جگہ پکڑ لیتا ہے، باوجود دشواری کے اس زمانہ میں یہی حال ہوگا دینِ اسلام کا اور پھر غرباء کو بشارت دی گئی ہے، اور غرباء سے مراد وہ لوگ ہیں جو سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے والے ہوں گے، اور لوگوں نے بدعات اور رسومات کا ایجاد اور اختراع کر کے جو فساد پیدا کیا ہوگا یہ لوگ اس کی اصلاح کریں گے۔

سوال:۱۶، مشکوٰۃ شریف: ص/۳۱ (داخلہ ۱۴۲۸ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ فِي زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ مِنْكُمْ عُشْرَ مَا أُمِرَ بِهٖ هَلَكَ ثُمَّ يَأْتِي زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ بِعُشْرِ مَا أُمِرَ بِهٖ نَجَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) بتایئے کہ ''ماامر'' سے کیا مراد ہے؟ فرائض یا نوافل یا کوئی اور حکم وہ کیا ہے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ کرامؓ کو مخاطب بنا کر) فرمایا: تم لوگ درحقیقت ایسے دَور میں ہو اگر تم میں سے کوئی شخص اس چیز کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دے جس کا حکم اس کو دیا گیا ہے تو وہ ہلاک ہوجائے اور پھر ایک دَور ایسا آئے گا اس زمانے کے لوگوں میں سے کوئی شخص اس چیز کے دسویں حصہ پر بھی عمل کرے گا جس کا حکم اس کو دیا گیا ہے تو وہ نجات پا جائے گا۔

(ب) ''ماامر'' کی مراد؟ ماامر سے نوافل بھی مراد لیا جاسکتا ہے اور دوسری چیز بھی مراد لی جاسکتی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ ''ماامر'' سے مراد شریعت کے عائد کردہ عام فرائض نہیں ہیں؛ کیوں کہ شریعت نے جن جن چیزوں کو فرض قرار دیا ہے ان کی ادائیگی ہر دَور کے اہلِ اسلام کے لیے یکساں ہے؛ بلکہ یہاں ''ماامر'' سے مراد نوافل ہیں کہ اگر اس کے دسویں حصہ پر بھی عمل کریں تو نجات پا جائے گا۔

محشیؒ نے فرمایا کہ یہاں ''ماامر'' سے امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا فریضہ مراد ہے، اسی بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم لوگوں پر یہ فریضہ بہت شدت اور تاکید کے ساتھ عائد ہے، لہٰذا تم کو یہ کام مکمل کرنا ضروری ہے، ہاں!

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

آخری زمانہ میں جب فتنہ وفساد کی وجہ سے معاشرہ بگڑ جائے تو اس وقت جو مسلمان اس فریضہ کا دسواں حصہ ادا کرے تو اس کو نجات مل جائے گی۔

سوال: ۱۷، مشکوٰۃ شریف: ص ۳۳ (داخلہ ۱۴۲۹ھ)

(الف) عبارت بااعراب: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ لَايَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمًا اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) علم کے انتزاع کی جو صورت حدیث میں بیان کی گئی ہے اس کی وضاحت کریں (ج) بتائیں کہ فتویٰ دینے کے لیے بنیادی شرط کیا ہے اور غلط فتویٰ دیا جائے تو گناہ کس پر ہوگا؟

الجواب

(الف) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (آخری زمانہ میں) اللہ تعالیٰ دین کا علم اس طرح نہیں اُٹھائے گا کہ لوگوں کے اندر سے اسے کھینچ لے گا؛ بلکہ (اس دنیا سے حقیقی) علماء کو اُٹھا لینے کی صورت میں دین کا علم اُٹھالے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالمِ دین باقی ہی نہیں رہ جائے گا تو عوام جاہلوں کو مقتداء اور پیشوا بنالیں گے جن سے دینی مسئلے پوچھے جائیں گے اور پھر وہ مقتداء اور پیشوا، علم سے خالی ہونے کی صورت میں جب فتویٰ دیں گے اور دینی معاملات نمٹائیں گے تو خود بھی گمراہ ہوں گے، اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(ب) علم کے انتزاع کی صورت: حدیث میں علم کے ختم ہونے اور اُٹھ جانے کی صورت بیان کی گئی ہے، کہ قیامت کے قریب علم اُٹھ جائے گا اور علم کے اُٹھ

جانے سے یہ مراد نہیں کہ لوگوں کے دل و دماغ سے علم کو نکال دیا جائے گا؛ بلکہ مراد یہ ہے کہ اچھے راسخ العلم علماء کو اُٹھا لیا جائے گا اور پھر ان کی جگہ خالی رہ جائے گی لوگ چونکہ مسائل معلوم کرنے کے لیے علماء کی طرف رجوع کرتے ہیں جب صحیح العقیدہ اور راسخین فی العلم نہیں رہیں گے تو لوگ جاہلوں کو اپنا مقتدا اور امام بنالیں گے اور وہ لوگوں کو غلط مسائل بتائیں گے اور غلط فتوے صادر کریں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (مظاہرِ حق)

(ج) فتویٰ دینے کے لیے بنیادی شرط کیا ہے؟ فتویٰ دینے کے لیے بنیادی شرط ''علم و معرفت'' ہے۔

غلط فتوے دیے جانے پر گناہ کس پر ہوگا؟ اس سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث مروی ہے اور وہ یہ ہے: عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أفتى بغير علم كان اثمه على من افتاه ومن أشار على أخيه بامر يعلم أن الرشد في غيره فقد خانه. حدیثِ بالا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط فتویٰ دینے والے مفتی اور غلط مشورہ دینے والے کا انجام بیان کیا ہے۔

اگر پوچھنے والے نے کسی نااہل اور جاہل سے مسئلہ دریافت کیا اور اس نے غلط مسئلہ بتادیا تو دونوں گناہ گار ہوں گے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال: ۱۸، مشکوٰۃ شریف: ص/۳۵ (داخلہ ۱۴۳۸ھ)

(الف) عبارت با اعراب: عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَحَفِظَهَا وَ وَعَاهَا وَأَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ ثَلَاثٌ لَايُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ: إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَ النَّصِيْحَةُ لِلْمُسْلِمِيْنَ وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِيْطُ مِنْ وَرَائِهِمْ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق کریں (ج) حدیث کے ہر ہر جز کی تشریح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندہ کو تر و تازہ رکھے (یعنی اس کی قدر و منزلت بڑھائے اور دین و دنیا میں اس کو بہت زیادہ خوش و خرم رکھے) جس نے میری بات (حدیث) سنی، اور پھر اس کو یاد کیا اور ہمیشہ یاد رکھا اور پھر اس کو جس طرح سنا تھا اسی طرح لفظ بہ لفظ دوسرے لوگوں تک پورا پورا پہنچایا (یعنی الفاظِ حدیث کی بھی روایت کی اور اس کے معنیٰ و مراد اور مطالب بھی بتائے اور سمجھائے) پس بعض حامل فقہ، فقیہ نہیں ہوتے۔ اور بعض حامل فقہ اس شخص تک پہنچا دیتے ہیں جو اس سے بڑا فقیہ ہوتا ہے (اور دیکھو) تین چیزیں ایسی ہیں جن پر مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا۔ (ایک چیز تو) عمل کا خالص اللہ کے لیے کرنا اور (دوسری چیز) مسلمانوں کے حق میں خیر خواہی کرنا اور (تیسری چیز) مسلمانوں کی جماعت سے چمٹے رہنا؛ کیوں کہ ان (مسلمانوں) کی دعا سب طرف سے ان کو گھیرے ہوئے ہے۔

(ب) خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق:

(۱) **نَضَّرَ:** یہ ماضی معروف سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، مادّہ (ن، ض، ر) من باب تفعیل نضّر اللّٰہ أحدا تر و تازہ بنانا۔

(۲) **مَقالة:** یہ مصدر ہے، مادہ (قول) قال یقول قولًا و قالًا و قیلًا و قولةً و مقالًا و مقالةً. کہنا، بولنا، بکذا حکم کرنا، عن کذا روایت کرنا۔

(۳) **حَفِظَ** یہ ماضی معروف سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، من باب سمع یسمع، مادّہ (ح، ف، ظ) حِفظًا الشیء ضائع ہونے سے بچانا۔ الکتاب زبانی یاد کرنا۔ السرَّ چھپانا۔

(۴) اوّی: یہ ماضی معروف سے واحد غائب کا صیغہ ہے، من باب تفعیل، مادّہ (أ، د، ی) تادیة الشیء پہونچانا، ادا کرنا۔

(۵) **حامل**: یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے، مادہ (حمل) من باب ضرب یضرب حملا و حمالاة الشیء علٰی ظهره: اٹھانا، القرآن: یاد کرنا، العلم: روایت کرنا، نقل کرنا۔

(۶) **افقه**: یہ اسم تفضیل ہے، فِقہٌ سے فَقُهَ (من باب کرم یکرم) فقہ جاننا، فقیہ ہونا، تفقّه الرجل: علم فقہ سیکھنا اور حاصل کرنا، و الفَقیه: بہت سمجھدار، ذکی عالم۔

(۷) **النصیحة**: اسم مصدر بمعنیٰ اخلاص، خیر وصلاح کی طرف بلانا، اور شر و فساد سے روکنا، مادہ (ن، ص، ح) جمع نصائح۔

(۸) **الدعوة**: یہ مصدر ہے، بمعنیٰ پکار، قسم کہا جاتا ہے: هو منی دعوة الرجل یعنی وہ مجھ سے قریب ہے، الدعاء، دعا کا مصدر ہے مادہ (د، ع، و) جمع ادعیة.

(۹) **لایغل**: یہ واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، بحث نفی فعل مضارع معروف، مادہ (غ، ل، ل) غل یغل من باب ضرب یضرب غلًّا صدره: کینہ والا ہونا۔

(۱۰) **وعیٰ**: یہ واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، مادہ (و، ع، ی) بمعنیٰ غور کرنا، یاد کرنا، من باب ضرب یضرب یقال وعیٰ الحدیث یعنی حدیث یاد کیا۔ (مصباح اللغات و معجم الوسیط وغیرہ)

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ج) حدیث کے ہر ہر جز کی تشریح:

نضّر اللّٰه عبداً سمع مقالتي: یعنی بڑی مقدار میں علم و معرفت عطا فرمائے، لوگوں کے درمیان مقام و مرتبہ نصیب ہو، آخر میں انعام و اکرام سے نوازا جائے۔ محدثین فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعاء قبول ہو چکی ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث سے اشتغال رکھنے والے عام طور پر خوبصورت اور وجیہ نظر آتے ہیں۔

فحفظها ووعاها: دل میں اس کو محفوظ کرلیا یا لکھ کر اس کو محفوظ کرلیا، حافظ ابن حجرؒ زبان سے حفاظت مراد لیتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ حفظها کے معنیٰ، حدیث کے موجبات پر عمل کرنا ہے، جیسے قرآن کریم میں ہے: ﴿اَلْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾ یعنی اللہ کے فرائض پر عمل کرنے والے۔

فرب حامل: یہاں سے حدیث کے نقل کرنے کا فائدہ بتارہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بعض حدیث کو یاد رکھنے والا زیادہ سمجھدار نہیں ہوتا اور وہ مسائل کے استنباط پر قدرت نہیں رکھتا؛ لیکن جن کے سامنے وہ حدیث کو بیان کرتے ہیں، وہ بہت زیادہ سمجھدار اور مسائل کے استنباط پر قادر ہوتے ہیں؛ لہٰذا حدیث سننے والے کو چاہیے کہ جس طرح حدیث سنی ہے اس کو محفوظ رکھ کر دوسروں تک پہنچائے، اگر کوئی اللہ کا بندہ اس سے حدیث سن کر اس میں سے مسائل نکالا، تو اس سنانے والے کو بھی استنباطِ مسائل کا ثواب ملے گا۔

ثلاث لایغل علیهن: مراد تین خصلتیں ہیں، یعنی ان کو ہر مسلمان اپنے اندر پیدا کرلیتا ہے۔

اخلاص العمل: یعنی کوئی بھی نیک عمل اور اچھی بات کرتے وقت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کو سامنے رکھنا، یہاں تک کہ کچھ بھی دنیاوی فائدہ تو الگ رہا کسی اُخروی فائدہ کا بھی لالچ اس کی غرض میں شامل نہ ہونے پائے۔ پس کوئی بھی عمل صرف اللہ کی رضا وخوشنودی کے لیے کیا جائے، اخلاص کا پہلا درجہ ہے جو اہلِ ایمان میں عوام کا ہے اور یہاں تک کہ کچھ بھی دنیاوی فائدہ تو الگ رہا، کسی اُخروی فائدہ کا بھی لالچ اس کی غرض میں شامل نہ ہونے پائے، اخلاص کا دوسرا اور اعلیٰ درجہ ہے، جو خواص کا ہے۔ (مظاہرِ حق)

والنصیحة للمسلمین: نصیحت کے معنیٰ خیر خواہی کے ہیں، تمام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنا چاہیے، ان کے ساتھ ہمدردی سے پیش آنا چاہیے، ان کی پردہ پوشی کرنا چاہیے۔

ولزوم جماعتهم: اعتقاد اور عملِ صالح میں مسلمانوں کی موافقت مراد ہے۔

فإن دعوتهم: مطلب یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ جو جُڑا رہتا ہے تو جماعت کی دعاء اس کے ساتھ رہتی ہے اور وہ شیطان کے مکر وفریب سے محفوظ رہتا ہے۔

(خلاصہ مرقات: ص ۲۸۹)

سوال: ۱۹، مشکوٰۃ شریف: ص/۳۶ (داخلہ ۱۴۴۰ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ وَحَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْمًا عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهٗ أَوْ مُصْحَفًا وَرَّثَهٗ أَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ اَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيْلِ بَنَاهُ أَوْ نَهْرًا اَجْرَاهُ أَوْ صَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهٖ صِحَّتِهٖ وَحَيَاتِهٖ تَلْحَقُهٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ. (رواه ابن ماجه)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) حدیث شریف کی تشریح کریں (ج) نشرِ علم کی کیا کیا صورتیں ہوسکتی ہیں؟ (د) ولدِ صالح انسان کے حسنات میں کیوں کر ہوسکتا ہے؟

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مؤمن کو اس کے جس عمل یا جن نیکیوں کا ثواب مرنے کے بعد ملتا ہے اس میں سے ایک تو علم ہے جس کو اس نے سیکھا اور اس کی اشاعت کی، اور نیک اولاد ہے جس کو اپنے مرنے کے بعد چھوڑا، اور قرآن مجید ہے جس کو وارثوں کے لیے چھوڑا اور مسجد ہے جس کو اپنی زندگی میں بنایا ہو، اور مسافر خانہ جس کو اس نے بنایا ہو، اور پانی کی نہر جس کو اس نے جاری کیا ہو، اور وہ صدقہ ہے جس کو اس نے اپنی زندگی میں نکالا ہو اپنے مال سے صحت اور تندرستی کی حالت میں، ان تمام اُمور کا ثواب مرنے کے بعد ملتا ہے۔

(ب) حدیث شریف کی وضاحت: اِس حدیث میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات ایسے اُمور ذکر کیے ہیں جن کا ثواب انسان کو مرنے کے بعد بھی ملتا ہے۔

(۱) جس آدمی نے علم سیکھا اور آگے دوسرے لوگوں کو اس کی تعلیم دی۔

(۲) جس آدمی نے اپنی اولاد کی اچھی اصلاح کی اور اچھی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا وہ اس کے لیے صدقۂ جاریہ ہے۔

(۳) جس آدمی نے قرآنِ کریم وارثوں میں چھوڑا، اور اسی کے حکم میں شرعی کتابیں ہیں کہ قرآن وسنت کے مطابق دینی کتابوں کو چھوڑ کر دنیا سے انتقال کیا۔

(۴) جس آدمی نے اپنی زندگی میں کوئی مسجد بنائی چاہے چھوٹی ہو یا بڑی، اور مسجد کے حکم میں مدارسِ دینیہ، مشائخ کی خانقاہیں بھی شامل ہیں جن میں تزکیۂ نفس ہوتا ہے۔

(۵) جس آدمی نے لوگوں کی سہولت کے لیے کوئی مسافر خانہ تعمیر کیا ہو، جب تک لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے رہیں، اس مرنے والے کو ثواب ملتا رہے گا۔

(۶) جس آدمی نے لوگوں کی سہولت کے لیے کوئی نہر جاری کی ہو اور اسی میں شامل ہے کسی دوسرے طریقے سے لوگوں کے لیے پانی کا بندوبست کرنا۔

(۷) جس آدمی نے اپنی زندگی میں صحت و تندرستی کی حالت میں صدقہ و خیرات کیا ہو ان سب چیزوں کا ثواب مرنے کے بعد اس کو ملتا رہتا ہے۔

اس مضمون کی ایک روایت تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہ ہے: "سبع يجرى للعبد اجرهن بعد موته وهو في قبره من علم علما أو اجرى نهراً أو حفر بئرا أو غرس نخل أو بنى مسجداً أو ترک ولداً، يستغفرلهٗ من بعد موته أو ورّث مصحفا". (ماخذ: مظاہر حق: ۳۱۱/۱-۳۱۰، انوار المصابیح: ۴۷۳/۱-۴۷۴)

(ج) نشرِ علم کی کیا کیا صورتیں ہو سکتی ہیں؟ مشکوٰۃ کے بین السطور میں ہے کہ: يعم التعليم والتاليف ووقف الكتب. (بحوالہ مرقات: ۳۰۶/۱) یعنی اس میں دوسرے کو سکھانا اور تصنیفات اور کتابوں کو وقف کرنا بھی شامل ہے۔

(د) ولدِ صالح انسان کے حسنات میں کیوں کر ہوسکتا ہے؟ ولدِ صالح انسان کے حسنات میں ہونے کی کیفیت یہ ہے کہ ولدِ صالح اپنے والد کے لیے استغفار کرے گا اور صدقات و خیرات وغیرہ کرے گا، کیوں کہ حدیث میں ہے:

"أوترک ولداً یستغفرلهٗ من بعد موته".

سوال: ۲۰، مشکوٰۃ شریف: ص/۴۱ (داخلہ ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ بُسْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَامَسَّ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهٗ فَلْيَتَوَضَّأْ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) زیر بحث مسئلہ میں ائمہ کرام کے اختلاف کو مدلل تحریر کریں (ج) نیز یہ حدیث اگر احناف کے خلاف ہو تو اس کا تشفی بخش جواب دیں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علی وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے ذکر کو چھوئے وہ وضو کرے۔

(ب) زیر بحث مسئلہ میں ائمہ کرام کے اختلاف کو مع دلائل ملاحظہ فرمائیں: (۱) ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک مس ذکر ناقضِ وضو ہے، امام احمدؒ کے نزدیک مطلقاً ناقضِ وضو ہے، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس وقت ناقضِ وضو ہے جب کہ لمس بباطن الکف ہو؛ البتہ امام مالکؒ کی روایت یہ ہے کہ مس ذکر کے بعد وضو مستحب ہے نہ کہ واجب۔

دلیل: عن بسرة بنت صفوانؓ أنّ النبيّ صلى اللّٰه عليه وسلم قال من مسّ ذكره فلايصلى حتى يتوضأ.

(۲) حنفیہ کے نزدیک مس ذکر مطلقاً ناقضِ وضو نہیں ہے۔

حنفیہ کی دلیل: عن طلق بن علي قال قال: رجل مسست ذكري أوقال الرجل لمس ذكره في الصلوٰة عليه وضوء؟ فقال النبي صلّى الله عليه وسلم لا إنما هو بضعة منك.

(ج) حدیث کا تشفی بخش جواب: (۱) شیخ بخاریؒ، علی بن المدینی اور ابوعمرو علی بن الفلاسؒ کہتے ہیں کہ حدیثِ طلق بن علی، بسرہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے؛ لہٰذا صحیح کو ترجیح دینا چاہیے۔

(۲) یہ مسئلہ متعلق ہے رجال کے ساتھ؛ لہٰذا اس بارے میں مروی روایت زیادہ صحیح ہوگی۔

(۳) یہ عمومِ بلویٰ کا مسئلہ ہے، تنہا ایک مرد کی روایت بھی مقبول ہونے میں اشکال ہے چہ جائے کہ عورت کی روایت مقبول ہو۔

(۴) یہ حدیث ضعیف ہے؛ کیوں کہ اس میں مروان ایک راوی ہیں وہ ایک ظالم بادشاہ تھا ضعف کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ مروان نے ایک شرطی بھیج کر اس حدیث کو بسرہ سے سنی اور وہ شرطی مجہول ہے؛ لہٰذا یہ حدیث قابلِ استدلال نہیں ہے۔

(۵) علامہ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں اس کا جواب یہ دیا کہ یہاں بسرہ کی روایت میں مسِّ ذکر سے خروجِ نجاست مراد ہے جس سے وضو لازم ہے۔

(۶) اور بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ بسرہ کی روایت استنجاء پر محمول ہے۔

سوال: ۲۱، مشکوٰۃ شریف: ص/۵۲ (داخلہ ۱۴۲۴ھ)

عَنْ لُبَابَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْأُنْثٰى وَيُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ.

(الف) بچہ اور بچی ان دونوں کے پیشاب کے حکم میں فرق یا دونوں ناپاک ہیں اگر فرق ہے تو کس عمر تک فرق کیا جائے گا اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہو تو اس کو بیان

کریں (ب) کپڑے میں بچہ کا پیشاب لگا ہو تو اس کے طریقۂ تطہیر میں امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا قول مع دلیل تحریر کریں (ج) اور یہ حدیث اگر امام ابوحنیفہؒ کے قول کے خلاف ہو تو آپ ان کی طرف سے اس حدیث کی توجیہ تحریر کریں۔

الجواب

(الف) بچہ اور بچی کے پیشاب کے حکم کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف:

(۱) حضرت عطاء امام زہری اور داؤد ظاہری وغیرہ حضرات کے نزدیک بولِ صبی کو دھونا ضروری نہیں؛ بلکہ وہ پاک ہے اور بولِ جاریہ پر نضح کافی ہے۔

ان حضرات کی دلیل: ان حضرات نے کہا کہ حضرت لبابہ بنت الحارث کی حدیث میں بول ''ذکر'' کے بارے میں نضح کا لفظ استعمال کیا گیا اگر ناپاک ہوتا تو غسل کا لفظ استعمال ہوتا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۲) جمہور کے نزدیک بولِ جاریہ جیسے ناپاک ہے ایسا ہی بولِ غلام بھی ناپاک ہے، ہاں! طریقۂ تطہیر میں تھوڑا اختلاف ہے، آئندہ جزء کے تحت آنے والا ہے۔

جمہور کی دلیل: أن النبي ﷺ قال: استنزهوا عن البول فإن عامة عذاب القبر منه. یہ حدیث عام ہے اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

کس عمر تک فرق کیا جائے گا؟ اس میں سب کا اتفاق ہے کہ چھوٹا لڑکا اور لڑکی خارجی کوئی غذا کھائے تو پیشاب ناپاک ہے اور بغیر غسل پاک نہیں ہوگا؛ البتہ اگر خارجی غذا نہ کھائے تو اس میں اہلِ ظواہر دونوں کے درمیان مذکورہ فرق کرتے ہیں اور جمہور فرق نہیں کرتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ فرق اور عدمِ فرق کی مدت خارجی غذا لینے تک کی عمر ہے۔

(ب) کپڑے میں بچہ کا پیشاب لگا ہو تو اس کے طریقۂ تطہیر میں امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا قول مع دلیل:

(۱) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بولِ غلام میں نضح کافی ہے غسل کی ضرورت نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: عن لبابة بنت الحارث أنها قالت: قال النبي ﷺ إنما يغسل من بول الأنثى وينضح من بول الذكر.

(۲) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بولِ غلام اور جاریہ میں کوئی فرق نہیں ہے دھونا ضروری ہے؛ لیکن بولِ غلام میں غسلِ خفیف کافی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل (۱): استنزهوا عن البول فإن عامّة عذاب القبر منه.

(۲) عن عمارؓ قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلم إنما تغسل ثوبك من البول.

(ج) امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے حدیثِ مذکورہ کا جواب: (۱) حدیث النضح والرش سے مراد الغسل الخفيف جیسا کہ ترمذی شریف میں لفظ ندی کے بارے میں نضح ذکر کیا گیا، حالاں کہ اس میں غسل ضروری ہے۔

(۲) لفظ نضح بہت ساری جگہ غسل کے معنیٰ میں استعمال ہوا جیسا کہ مسلم شریف میں، لہٰذا یہاں بھی اس کو غسل پر ہی محمول کیا جائے۔ (درسِ مشکوٰۃ)

سوال: ۲۲، مشکوٰۃ شریف: ص/۵۳ (داخلہ ۱۴۳۶ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍؓ قَالَ: رَأَيْتُ عَنْ يَمِيْنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ شِمَالِهٖ يَوْمَ اُحُدٍ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا ثِيَابُ بِيْضٍ يُقَاتِلَانِ كَأَشَدِّ الْقِتَالِ مَا رَأَيْتُهُمَا قَبْلُ وَلَا بَعْدُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) یہ حدیث "باب المعجزات" کی ہے، آپ پہلے معجزہ کی تعریف اور معجزہ وکرامت میں فرق بیان کیجیے، پھر حدیث کا مطلب بیان کیجیے اور بتایئے کہ "رجلین" سے کون مراد ہیں؟ (ج) اس حدیث میں معجزہ کیا ہے؟ اور غزوات میں ملائکہ کا نزول قتال کے لیے ہوا ہے یا صرف تسلی کے لیے، حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے احد کی لڑائی میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں سفید کپڑوں میں ملبوس دو آدمیوں کو دیکھا اور وہ دونوں نہایت شدت کے ساتھ ہمارے دشمنوں سے لڑ رہے تھے، ان دونوں کو میں نے نہ تو اس سے پہلے کبھی دیکھا اور نہ اس کے بعد کبھی دیکھا (اس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ دونوں دراصل فرشتے، حضرت جبرئیل اور میکائیل تھے)۔

(ب) معجزہ کی تعریف اور معجزہ وکرامت میں فرق؟ معجزات یہ معزہ کی جمع ہے جس کے معنیٰ ہیں: خارقِ عادت کوئی چیز جس کو اللہ تعالیٰ کسی نبی ورسول کے ہاتھ سے ظاہر کردے اور دوسرے اس سے عاجز ہوں۔

کرامت اور معجزہ میں فرق یہ ہے کہ معجزہ بحکمِ الٰہی کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اور کرامت بحکمِ الٰہی کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا حدیث کا مطلب: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اُحد کے دن جب جنگ کا رُخ بدل گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد کی، حضرت سعد بن ابی وقاص نے اسی واقعہ کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں جانب دو سفید لباس دار آدمیوں کو دیکھا کہ اس کے پہلے اور اس کے بعد ان کو اور کبھی نہیں دیکھا یعنی وہ دونوں فرشتے تھے اور یہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ کہ آسمان سے خود فرشتے اُترے ان کی مدد کے لیے۔

"رجلین" سے کون مراد ہیں؟ یہاں رجلین سے حضرت جبرئیل و میکائیل مراد ہیں جو حدیث میں مذکور ہے۔

(ج) اس حدیث میں معجزہ کیا ہے؟ اس حدیث میں معجزہ یہ ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آسمان سے فرشتہ کا اُترنا اور دشمنانِ خدا کے خلاف قتل وقتال کرنا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

غزوات میں ملائکہ کا نزول قتال کے لیے ہوا ہے یا صرف تسلی کے لیے؟

جاننا چاہیے کہ غزوات میں فرشتوں کا نزول کبھی تو تسلی کے لیے ہوتا ہے اور کبھی قتال کے لیے، جیسے غزوۂ اُحد اور بدر میں۔ حدیثِ ہٰذا تو اس پر شاہد ہے، اور قرآن کریم نے بھی اس کو بیان فرمایا ﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾.

سوال: ۲۳، مشکوٰۃ شریف: ص/۶۰ (داخلہ ۱۴۳۷ھ)

(الف) عبارت بااعراب: كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ، وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ، وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءُ إِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ، وَإِذَا قَلُّوْا أَخَّرَ وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) حدیث کی تشریح کرتے ہوئے خط کشیدہ کلمات کے لغوی اور مرادی معنیٰ واضح کریں (ج) حدیث کا کوئی جزء اگر مسلکِ حنفیہ کے خلاف ہو تو اس کی مناسب توجیہ کیجیے۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز دوپہر ڈھلے پڑھتے، اور عصر کی نماز اس وقت پڑھتے جب سورج روشن ہوتا، اور مغرب کی نماز سورج چھپنے کے بعد پڑھتے، اور عشاء کی نماز اگر لوگ زیادہ ہوتے تو جلدی پڑھ لیتے اور اگر لوگ کم ہوتے تو دیر کر کے پڑھتے، اور صبح کی نماز تاریکی میں پڑھتے۔

(ب) مذکورہ بالا حدیث کی تشریح: عشاء کی نماز کے بارے میں حضرت جابر بن عبداللہؓ نے جو بتلایا اس سے معلوم ہوا کہ کثرتِ جماعت کے قصد سے اگر نماز کو اوّل وقت سے دیر کر کے پڑھا جائے تو جائز ہے؛ بلکہ مستحب ہے؛ چناں چہ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کی اتباع کرنے والوں نے نماز کو اوّل وقت

پڑھنے کا جو التزام نہیں کیا ہے وہ اسی سبب سے ہے، نہ کہ نماز کا اوّل وقت پڑھنا ان کے نزدیک افضل نہیں ہے، اس میں شک نہیں ہے کہ اوّل وقت بذاتہ تو افضل ہے؛ لیکن خارجی عوارض کے سبب سے تاخیر اولیٰ ہوتی ہے۔

فجر کی نماز کے بارے میں جو یہ بتلایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غلس میں پڑھتے، تو اس کا ظاہر اُسبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ کثرتِ جماعت کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے ہوں گے۔

دراصل صحابہؓ شب بیداری کے عادی تھے، بقدرِ ضرورت نیند لے لینے کے بعد باقی رات سوتے رہنا ان پر بھاری ہوتا تھا؛ اس لیے وہ حضرات صبح اوّل وقت ہی مسجد میں آجاتے تھے اور جماعت میں کثرت ہوجاتی تھی؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اوّل وقت ہی ان کے ساتھ نماز پڑھ لیتے ہوں گے۔

اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہی تاریکی میں فجر کی نماز پڑھتے تھے، تاہم اگر یوں بھی ہو تو فجر کی نماز اُجالے میں پڑھنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم وارد ہوا ہے اور حنفیہ کے نزدیک فعل پر حکم کو ترجیح ہوتی ہے۔

خط کشیدہ کلمات کے لغوی اور مرادی معنیٰ:

(۱) **الهاجرة:** یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے، **هجر يهجر من باب نصر ينصر** اس کا معنیٰ ہے چھوڑنا، ترک کرنا۔ اور مرادی معنیٰ ہے جب دوپہر میں سورج ڈھل جائے۔

(۲) **والشمس حية:** والشمس حيّة کا لغوی معنیٰ ہے سورج زندہ ہے؛ مگر یہاں مرادی معنیٰ یہ ہے کہ سورج کا بالکل صاف وروشن ہونا۔

(۳) **وجبت:** یہ باب ضرب یضرب سے فعل ماضی کا واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے، اس کے لغوی معنیٰ ہیں ثابت ہونا، لازم ہونا؛ لیکن یہاں مطلب ہے سورج کا ڈوب جانا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(٤) **غلس**: الغلس بفتحتين، معياه ظلمة آخر الليل إذا اختلطت بضوء الصباح. یعنی غلس آخری رات کے اس اندھیرے کو کہا جاتا ہے جو صبح کی روشنی کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔ (مرقاۃ)

(ج) حدیث کے جز کی توضیح: حدیث کا آخری جزء مسلکِ احناف کے خلاف ہے؛ چنانچہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور اسحاقؒ کے نزدیک غلس میں پڑھنا افضل ہے اِس طور پر کہ ابتداء بھی غلس میں ہو اور اختتام بھی غلس میں ہو۔

اور امام ابوحنیفہؒ، قاضی ابو یوسفؒ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک اسفار میں پڑھنا افضل ہے، کہ شروع بھی اسفار میں ہو اور ختم بھی اسفار میں ہو۔

امام شافعیؒ کی دلیل: امام شافعیؒ وغیرہ استدلال پیش کرتے ہیں حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے جس میں مذکور ہے: "مایعرفن من الغلس" کا لفظ ہے۔

شیخین کے دلائل: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ دلیل پیش کرتے ہیں حضرت رافع بن خدیج کی حدیث سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر" یہ حدیث بالکل صریح اور اصح مافی الباب ہے کہ اسفار میں پڑھنے کو زیادہ اجر کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب: حدیثِ عائشہؓ کا جواب یہ ہے کہ "من الغلس" حضرت عائشہؓ کا لفظ نہیں ہے؛ بلکہ ان کی روایت "مایعرفن" پر ختم ہوگئی اور ان کا مقصد یہ تھا کہ چوں کہ چادریں لپیٹ کر آتی تھیں؛ اس لیے ان کو کوئی نہیں پہچانتا تھا؛ مگر راوی نے یہ سمجھ لیا کہ عدمِ معرفت کا سبب اندھیرا تھا؛ اس لیے "من الغلس" کا لفظ بڑھا دیا، لہٰذا یہ لفظ مدرج من الراوی ہے، اصل روایت میں نہیں ہے۔ (درسِ مشکوٰۃ: ج ۲، ص ۲۴)

(۲) یا صاف کہہ دیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل میں کوئی خصوصیت ہوسکتی ہے۔

سوال:۲۴، مشکوٰۃ شریف: ص/۶۰ (داخلہ ۱۴۲۷ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى الْعَوَامِلِ فَيَأْتِيْهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ وَبَعْضُ الْعَوَالِيْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَمْيَال.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عصر کی نماز کے ابتدا کے بارے میں ائمہ کرام کے مذاہب مع دلائل لکھیں (ج) روایت سے کس مذہب کی تائید ہوتی ہے؟ اور دوسرے حضرات اِس حدیث کی کیا توجیہ کرتے ہیں؟ وضاحت کے ساتھ تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز اس وقت پڑھتے جب سورج بلند اور روشن ہوتا؛ چناں چہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی عصر کی نماز پڑھ کر) کوئی جانے والا مدینہ کے اطراف میں بلند گاؤں جاتا اور جب وہاں پہنچتا تو سورج اب بھی بلندی پر ہوتا جب کہ ان میں کے بعض گاؤں مدینہ سے چار میل پر واقع تھے۔

(ب) عصر کی نماز کے وقتِ ابتداء میں ائمہ کرام کے مذاہب مع دلائل:

(۱) امام مالکؒ کے نزدیک ہر چیز کا سایہ جب ایک مثل ہو جائے سوائے سایۂ اصلی کے تو چار رکعت پڑھنے کے بقدر وقت؛ وقتِ مشترک ہے، جس میں ظہر بھی پڑھی جاسکتی ہے اور عصر بھی، اس کے بعد خالص عصر کا وقت آتا ہے۔

دلیل: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: **حيث قال فصلّى بي**

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الظهر في اليوم الثاني حين صار ظل كل شيء مثله.

(۲) امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہم کے نزدیک کوئی وقت مشترک نہیں ہے۔

دلیل: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: قال وقت الظهر إذا زالت الشمس وكان ظل الرجل كطوله مالم يحضر العصر.

پھر جمہورؒ کا آپس میں اختلاف ہوگیا کہ ظہر کا وقت کب تک باقی رہتا ہے۔

(۱) ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک ایک مثل تک ظہر کا وقت رہتا ہے، اس کے بعد عصر کا وقت داخل ہوجاتا ہے۔

دلیل(۱): قال رسول الله صلّى الله عليه وسلم وقت الظهر إذا زالت الشمس وكان ظل الرجل كطوله.

(۲): حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے: كتب إلىٰ عمّاله أن صلاة الظهر إلىٰ أن يكون ظل أحدكم مثله.

(۲) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو مثل تک ظہر کا وقت رہتا ہے۔

دلیل(۱): عن أبي هريرة رضي الله عنه قال، قال رسول الله صلّى اللّٰهُ عليه وسلم: إذا اشتدّ الحرّ فأبردوا بالصلاة، فإن شدة الحرّ من فيح جهنم.

(۲): أنّه عليه السلام قال: حين صار ظل كل شيء مثليه.

جواب: جواب یہ ہے کہ ان حضرت کی دلیل تفصیلی احادیث سے منسوخ ہوگئی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ: "وكان ظل الرجل كطوله" کو ابتداءِ وقت پر عطف کیا جائے انتہاءِ وقت پر نہیں۔

(ج) روایت سے کس مذہب کی تائید ہوتی ہے؟ حدیثِ انسؓ سے ائمہ ثلاثہؒ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے، اور ہم اِس حدیث کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ:

أولًا: أن ذهاب الصحابة بعد العصر إلىٰ أربعة أميال كان خاصا بهم لأنهم كانا سريع السير وسريع الذهاب وشديد القوة، بخلاف زماننا، لأنه لايمكن أن نتصور أن نذهب هٰكذا.

ثانيًا: ذهابهم إلى أربعة أميال بعد العصر هٰذا باعتبار الظن والتخمين لا باعتبار التعيين. (تقرير الترمذي)

سوال:۲۵، مشکوٰۃ شریف: ص/۶۳ (داخلہ ۱۴۲۹ھ)

(الف) عبارت بااعراب: قَالَ أَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوسَ فَذَكَرُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى فَأَمَرَ بِلَالٌ أَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَيُوْتِرَ الْإِقَامَةَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) اذان کا آغاز کس طرح ہوا؟ (ج) کلماتِ اذان واقامت میں اختلافِ ائمہ مدلل لکھیں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے آگ اور ناقوس کا ذکر کیا تو کچھ لوگوں نے یہود اور نصاریٰ کا ذکر اُٹھایا (اور کہا کہ ان دونوں صورتوں میں غیر مسلم کی مشابہت لازم آئے گی) بالآخر ان حضرات کی طرف سے حضرت بلالؓ کو حکم ہوا کہ اذان کے کلمے جفت کہیں اور اقامت کے کلمات طاق کہیں، ایوبؒ نے کہا اقامت یعنی "قدقامت الصلوٰۃ" کے علاوہ۔

(ب) اذان کا آغاز کس طرح ہوا؟ سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج کی رات میں اوپر تشریف لے گئے اور سراسر پردۂ عزت تک پہنچے کہ جو کبریائی حق کا محل خاص تھا، تو وہاں سے ایک فرشتہ برآمد ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا یہ فرشتہ کون ہے؟

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

حضرت جبرئیلؑ نے جواب دیا: رب العزت کی قسم! مخلوق میں سے کسی کو بھی بارگاہِ رب العزت میں مجھ سے زیادہ قربت ونزدیکی حاصل نہیں؛ لیکن اپنے پیدا ہونے کے وقت سے لے کر اب تک میں نے بھی اس فرشتہ کو کبھی نہیں دیکھا، بس اسی وقت دیکھ رہا ہوں، اتنے میں اس فرشتہ نے کہا: اللہ اکبر! پردہ کے پیچھے سے آواز آئی سچ کہا: میرے بندے نے، أنا أكبر أنا أكبر، میں بہت بڑا ہوں۔

اس کے بعد اس فرشتے نے وہ سارے کلمات ادا کیے جو اذان میں کہے جاتے ہیں۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری اذان معراج کی رات میں سنی تھی، چناں چہ علماء نے لکھا ہے کہ اذان کی مشروعیت کے بارے میں اصل بات یہ ہے کہ اذان کے کلمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات ہی میں سن لیے تھے؛ لیکن آپ کو یہ حکم نہیں ہوا تھا کہ ان کلمات کو نماز کے لیے اذان کے مقصد سے مقرر کرلیا جائے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ میں رہے اذان کے بغیر ہی نماز ادا کرتے رہے اور جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لائے اور اس بارے میں صحابہؓ سے مشورہ ہوا کہ نماز کی آگاہی کے لیے کیا طریقہ اور کیا صورت اختیار کی جائے؟ تو بعض صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بصورتِ اذان ان کلمات کا ذکر کیا جو انہوں نے خواب میں سنے تھے، پھر وحی بھی آگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلمات آسمان پر سنے تھے وہی کلمات زمین پر نماز کے لیے اذان کے طور پر مقرر ہوں، اور اس طرح ۱ھ میں مدینہ منورہ میں اذان کی مشروعیت ہوئی اور بعض حضرات نے ۲ھ میں اذان کا مشروع ہونا بیان کیا ہے۔ (مظاہر حق جدید: ۲/۵۵۷)

(ج) کلماتِ اذان واقامت میں اختلافِ ائمہ مع دلائل: تعدادِ کلماتِ اذان میں اختلاف کی بنیاد دو باتوں پر ہے: (۱) اذان میں ترجیع یعنی تکبیر کو چار مرتبہ کہنا ہے یا نہیں؟ (۲) اذان میں ترجیع یعنی شہادتین کو دو مرتبہ کہنا ہے یا نہیں؟ تو اب مذاہب کی طرف آیئے۔

(۱) امام مالکؒ کے نزدیک اذان میں ترجیع ہے؛ لیکن تربیع نہیں ہے؛ لہٰذا ان کے نزدیک کلماتِ اذان سترہ ہوگئے۔

دلیل: امام مالکؒ حضرت انسؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، کہ: قال أمر بلال أن يشفع الأذان وأن يوتر الإقامة.

(۲) امام شافعیؒ کے نزدیک اذان میں تربیع بھی ہے اور ترجیع بھی ہے، لہٰذا ان کے نزدیک کلماتِ اذان اُنیس ہوگئے۔

دلیلِ اوّل: عن أبي محذورة أن رسول اللهﷺ أقعده وألقى عليه الأذان حرفا حرفا، قال إبراهيم: مثل أذاننا قال لبشر: فقلت له اعد علي فوصف الأذان بالترجيع. (رواہ الترمذی)

دلیلِ ثانی: اذان کے کلمات انیس ہونے پر امام شافعیؒ کا استدلال حضرت ابومحذورہؓ کی حدیث ہے: "قال علمني رسول الله ﷺ الأذان تسع عشرة كلمة".

(۳) اور احناف کے نزدیک اذان کے اندر تربیع تو ہے؛ لیکن ترجیع نہیں ہے، لہٰذا ان کے نزدیک تعدادِ کلمات اذان پندرہ ہیں، اور امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) قال عبدالله بن زيدؓ: كان أذان رسول الله ﷺ شفعًا شفعًا في الأذان والإقامة.

(۲) قال سويد بن غفلةؒ: سمعت بلالًا يؤذن مثنى مثنى ويقيم مثنى. إختلاف الأئمة في عدد كلمات الإقامة. (درسِ مشکوٰۃ)

(۱) ائمہ ثلاثہ میں سے حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک اقامت گیارہ کلمات پر مشتمل ہے، جس میں شہادتین اور حیعلتین صرف ایک بار ہے، اور قد قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

اور امام مالکؒ کے نزدیک اقامت میں کل دس کلمات ہیں؛ کیوں کہ وہ اقامت کو بھی ایک مرتبہ کہنے کے قائل ہیں۔

ان حضرات کی دلیل: ان حضرات نے حضرت انسؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے: **قال أمر بلال أن يشفع الأذان وأن يوتر الإقامة إلا الإقامة أي قدقامت الصلوٰة.**

اور امام مالکؒ بھی اسی حدیث سے دلیل پیش کرتے ہیں؛ البتہ وہ ''إلا الإقامة'' کے استثناء کو نہیں مانتے ہیں۔

(۲) حنفیہ کے نزدیک کلماتِ اقامت کل سترہ ہیں، گویا اذان کے پندرہ کلمات میں صرف دو مرتبہ ''قدقامت الصلوٰة'' کا اضافہ حیعلتین کے بعد کیا جائے گا۔

حنفیہ کی دلیل: (۱) عبداللہ بن زید انصاریؓ کی روایت ہے: ''**قال: كان أذان رسول الله ﷺ شفعًا شفعًا في الأذان والإقامة.**

(۱) عبداللہ بن زید کی وہ روایت جس میں ان کو خواب میں اذان کے ساتھ اقامت بھی سکھائی گئی تھی، یہ روایت ماقبل میں مذکور ہے۔ (درسِ مشکوٰۃ: ۳۵/۲)

حنفیہ کی طرف سے ائمہ ثلاثہؒ کے دلائل کا جواب: علامہ ابنِ ہمامؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حدیث کے اندر ''أن يوتر الإقامة'' میں ایتار سے ایتارِ لفظی نہیں؛ بلکہ ایتارِ صوتی مراد ہے یعنی اذان میں مماثلت کلمات کو دو سانس میں کہیں اور اقامت میں ایک ہی سانس میں کہیں اور قد قامت الصلوٰۃ کو الگ الگ سانس میں کہیں؛ اس لیے کہ یہی کلمات اقامت میں مقصود ہیں۔ (فتح القدیر: ۲۱۳/۱)

سوال: ۲۶، مشکوٰۃ شریف: ص ۷۱/ (داخلہ ۱۴۳۶ھ)

(الف) عبارت بااعراب: **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُصَلِّيَ فِيْ سَبْعَةِ مَوَاطِنَ فِي الْمَزْبَلَةِ وَالْمَجْزَرَةِ وَالْمَقْبَرَةِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيْقِ**

وَفِي الْحَمَّامِ وَفِي مَعَاطِنِ الْإِبِلِ وَفَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ اللّٰهِ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) خط کشیدہ کلمات کی لغوی صرفی تحقیق کریں (ج) مطلب لکھتے ہوئے بتائیں کہ مذکورہ ساتوں جگہوں میں نماز پڑھنا کیوں منع ہے؟ نہی تنزیہی ہے یا تحریمی؟ حدیث کے آخری جز میں اگر اختلافِ ائمہ ہو تو اس کی مدلل وضاحت کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے: (۱) کوڑی اور گھوڑے پر (جہاں کوڑا، کرکٹ نجاست و پلیدی ڈالی جاتی ہے) (۲) کمیلے میں (جہاں جانور ذبح کیے جاتے ہیں) (۳) مقبرہ و قبرستان میں (۴) بیچ راستے میں (۵) حمام میں (۶) اونٹ کے تھان میں (۷) بیت اللہ کی چھت پر۔

(ب) خط کشیدہ کلمات کی لغوی صرفی تحقیق:

(۱) **مَزْبَلَةٌ:** بفتح الباء وقيل بضمها واحد، جمع مَزَابِلُ بمعنیٰ کوڑے، گوبر، کھاد پھینکنے کی جگہ، باب ضرب زَبَلَ يَزْبِلُ زَبْلًا. الارض زمین میں کھاد ڈالنا۔

(۲) **مَجْزَرَةٌ:** بكسر الزاء ويجوز فتحها واحد، جمع مجازِرُ بمعنیٰ کمیلہ، جانر ذبح کیے جانے کی جگہ، از بابِ نصر، ضرب جَزَرَ يَجْزِرُ جَزْرًا جَزَرًا جِزَارًا بمعنیٰ ذبح کرنا۔

(۳) **مَقْبَرَةٌ:** واحد، جمع مَقَابِرُ، یہ اسم ظرف ہے مَفْعلة بروزن مَأْسدة کا بمعنیٰ وہ جگہ جہاں بکثرت قبریں ہوں، از باب نصر وضرب قَبَرَ يَقْبِرُ قَبْرًا وَمَقْبَرًا. الميت بمعنیٰ میت کو دفن کرنا۔

(۴) **قَارِعَةٌ** واحد، جمع قَوَارِعُ بمعنیٰ کھٹکھٹانا از باب فتح قَرَعَ يَقْرَعُ قَرْعًا

اسی سے مثل ہے مَنْ قَرَعَ بَابًا وَلَجَّ وَلَجَ، جو شخص دروازہ کھٹکھٹائے اور اصرار کرے وہ داخل ہوتا ہے اور قارعة الطريق بمعنیٰ مین روڈ، جی ٹی روڈ۔

(۵) مَعَاطِنُ: جمع، واحد مَعْطِنٌ بکسر الطاء بمعنیٰ اونٹ کا تھان، اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ عطن کی جمع ہے، از باب نصر وضرب عَطَنَ، يَعْطِنُ، عَطْنًا البعير بمعنیٰ اونٹ کا سیراب ہوکر بیٹھنا۔ (مرقات:۲/۲۱۸)

(ج) مطلب اور مذکورہ ساتوں جگہوں میں ممانعت کی وجہ:

بعض مقامات پر آپ نے نماز ادا کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ ممانعت ضرورت کے مطابق آپ نے بیان فرمائی ہے، جہاں ضرورت سمجھی ہے ایک مقام کا ذکر کیا ہے، جہاں ضرورت سمجھی ہے تین یا چار جگہوں سے نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے، اور اس جگہ سات جگہوں سے منع فرمایا ہے، کہ یہاں نماز ادا نہ کی جائے۔

(۱) مزبلة: الوضع الذي يكون فيه الزبد وهو السرجين. (مرقات:۲/۲۱۸) اس میں نماز پڑھنے سے اس لیے منع کیا گیا کہ یہاں نجاست وپلیدی ڈالی جاتی ہے، لہٰذا بدن مصلی یا ثوب مصلی پر نجاست کے لگ جانے کا خوف ہے۔

(۲) مجزرة: "نهى عنها لاجل النجاسة فيها من الدماء والاروات" (مرقات:۲/۲۱۸) اس میں نماز پڑھنے سے اس لیے منع کیا گیا؛ چونکہ یہاں پر جانور ذبح کیے جاتے ہیں؛ لہٰذا خون اور پلیدی ونجاست کا ہونا یقینی ہے، اسی لیے نماز پڑھنے سے منع کیا گیا۔

(۳) مقبرة: مقبرہ میں ممانعتِ صلوٰۃ کی دو وجہ ہیں: ایک وجہ یہود کی عادت سے مشابہت ہے، دوسرے اس میں ضمناً ایک قسم کے شرک کی بُو آتی ہے۔

(۴) قارعة الطريق: لاشتغال القلب بالخلق عن الحق، (مرقات:۲/۲۱۸) بیچ راستے میں نماز پڑھنے سے اس لیے منع کیا گیا کہ لوگوں کی آمد و رفت کی وجہ سے قلبی سکون اور خشوع وخضوع باقی نہیں رہے گا۔

(۵) حمام: لأنه محل النجاسة وماوى الشيطان. (مرقات:۲/۲۱۸) اس میں نماز پڑھنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ یہ محل نجاست اور شیطانوں کا اَڈّہ ہے۔

(۶) معاطن الابل: لان هٰذه المواضع محال النجاسة. (مرقات:۲/۲۱۸) اس میں نماز پڑھنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ یہ جگہ بھی موضعِ نجاست ہے اور اس کے علاوہ اونٹ کے خوف سے خشوع وخضوع صلوٰۃ بھی جاتا رہے گا۔

(۷) ظهر بيت الله: اذنفس الارتفاع الى سطح الكعبة مكروه لاستعلائه عليه المنافى للادب. بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے اس لیے منع کیا گیا کہ اس میں بیت اللہ کی بے ادبی ہے اور اس کی تعظیم کے خلاف ہے۔

مذکورہ ساتوں جگہوں میں نماز پڑھنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ ملّا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علّامہ طیبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مواطن سبعہ میں نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے: قال الطيبي اختلف في ان النهي الوارد عن الصلوٰة في مواطن السبعة للتحريم أو التنزهية.

صاحبِ لمعات نے مکروہِ تنزیہی ہونے کو اصح قرار دیا ہے۔

آخری جزء میں ائمہ کرام کا اختلاف اور دلائل: ہمارے نزدیک "الصلاة فوق ظهر بيت الله" اگرچہ مکروہ ہے خلافِ ادب کی وجہ سے؛ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی پڑھ لے تو نماز ادا ہو جائے گی۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال: ۲۷، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۷ (داخلہ ۱۴۳۶ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَمِنَّا الصَّائِمُ وَمِنَّا الْمُفْطِرُ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فِي يَوْمٍ حَارٍّ فَسَقَطَ الصُّوَّامُوْنَ وَقَامَ الْمُفْطِرُوْنَ وَضَرَبُوا الْأَبْنِيَةَ وَسَقَوُا الرِّكَابَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ الْيَوْمَ بِالْأَجْرِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھتے ہوئے بتائیں کہ سفر میں روزہ رکھنا ہی ضروری ہے یا اختیار ہے؟ اگر اختیار ہے تو افضل کیا ہے روزہ رکھنا یا افطار کرنا؟ اگر اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہو تو اس کی مدلل وضاحت کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم (دورانِ رمضان) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، ہم میں سے کچھ وہ تھے جو روزے سے نہیں تھے، پھر جب ہم ایک منزل پر اُترے جو سخت دھوپ اور گرمی کا دن تھا، روزہ دار لوگ تو گر گئے اور مفطر لوگ کھڑے رہے اور انہوں نے سب کے لیے خیمے کھڑے کیے اور سب کے اونٹوں کو پانی پلایا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ چھوڑنے والے لوگ آج کے دن بہت ثواب لے گئے۔

(ب) حدیث شریف کا مطلب مطلب یہ ہے کہ حضرت انسؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر جہاد میں تھے اور لوگوں میں بعض تو صائم تھے اور بعض مفطر تھے، ادھر گرمی بھی سخت ہے کہ صائمین حضرات لاغر ہو گئے، اپنے جسم کے بل چلنا بھی مشکل ہو گیا اور مفطرین حضرات نے جہاد کے تمام مقدمات کو انجام دے کر مزید ثواب کے مالک بن گئے، اونٹ کو پانی پلایا اور خیمے قائم کیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر بتایا کہ آج کے دن مفطرین بہت ثواب لے گئے۔ معلوم ہوا کہ عذر کی بناء پر فرض روزہ توڑنا جائز ہے، اور سفر بھی ایک عذر ہے۔

کیا سفر میں روزہ رکھنا ہی ضروری ہے یا اختیار ہے اور افضل کون سا ہے؟

جمہور حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسافر کے لیے افطار اور روزہ دونوں جائز ہیں؛ مگر افضلیت میں اختلاف ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے یا چھوڑنا۔

اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے اختلاف کی مدلل وضاحت: علماء کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ حالتِ سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے یا چھوڑنا؟

(۱) امام احمدؒ، اسحاق بن راہویہؒ، اور سعید بن المسیبؒ ان بزرگوں کے نزدیک مطلقاً روزہ توڑنا افضل ہے۔

ان حضرات کی پہلی دلیل (۱): انه صلّى الله عليه وسلم قال ليس من البرّ الصوم في السفر.

دوسری دلیل (۲): في آخر الحديث "اولئك العصاة".

(۲) امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں: إن الصوم افضل لمن يطيق.

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل: آیتِ کریمہ میں مریض اور مسافر کو افطار کی رخصت دینے کے بعد فرمایا: ﴿اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ یعنی عذر کے باوجود روزہ رکھنا افضل ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال: ۲۸، مشکوٰۃ شریف: ص ۷۷ (داخلہ ۱۴۳۱ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ عِكْرِمَةَؓ قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ فَكَبَّرَ ثِنْتَيْنِ وَ عِشْرِيْنَ تَكْبِيْرَةً فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍؓ إِنَّهُ أَحْمَقُ فَقَالَ: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ سُنَّةُ أَبِي الْقَاسِمِ ﷺ. (رواه البخاريؒ)

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) بتائیں کہ رباعی نماز میں تکبیر افتتاح اور تکبیر القیام من التشهد کو شمار کر کے کتنی تکبیرات ہوتی ہیں؟ اگر یہ بائیس ہی ہوتی ہیں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ (ج) یہ شیخ کون تھے؟ حضرت عکرمہؓ نے اتنی سخت بات کیوں کہی؟ اور حضرت ابن عباسؓ نے "ثكلتك امك" سے جو بددعا دی ہے اس کا مقصد بددعا ہی ہے یا اس کو کلمۂ ترحم کہا جائے گا؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عکرمہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مکہ میں ایک بزرگ کے پیچھے نماز پڑھی اور انہوں نے بائیس تکبیرات کہیں، پھر میں نے جب حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ یہ بوڑھا احمق معلوم ہوتا ہے، تو حضرت ابن عباسؓ نے (بڑی خفگی کے سات) فرمایا: تیری ماں تجھ کو گم کرے! یہ (بائیس تکبیریں کہنا) ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہیں۔

(ب) رباعی نماز میں تکبیرات کتنی ہیں؛ نیز حیرت کی وجہ کیا ہے؟

چار رکعت والی نماز میں تکبیر تحریمہ سمیت بائیس ہی تکبیریں ہوتی ہیں حضرت عکرمہؓ کو حضرت ابو ہریرہؓ کے ان بائیس تکبیروں کے کہنے پر حیرت اس لیے ہوئی کہ مروان اور بنوامیہ کے دوسرے لوگوں نے اپنے زمانۂ اقتدار میں یہ تکبیریں پکار کر کہنی چھوڑ دی تھیں، جس کی وجہ سے اس وقت ان تکبیرات کا رواج زیادہ نہیں رہ گیا تھا۔

(ج) یہ شیخ کون تھے؟ یہ شیخ حضرت ابو ہریرہؓ تھے۔

حضرت عکرمہؓ نے اتنی سخت بات کیوں کہی؟ اوپر گزر چکا کہ مروان اور بنوأمیہ کے دوسرے لوگوں نے اپنے زمانۂ اقتدار میں یہ تکبیریں پکار کر کہنی چھوڑ دی تھیں جس کی وجہ سے اس وقت ان تکبیرات کا رواج زیادہ نہیں تھا؛ اس لیے حضرت عکرمہؓ نے اپنے عدمِ علم کی وجہ سے اتنی سخت بات کہی تھی۔ (مظاہرِ حق)

حضرت ابن عباسؓ کے قول "ثکلتک أمک" کا مقصد بددعا ہے یا کلمۂ ترحم؟ کلامِ عرب میں اس کا استعمال تعجب اور ترحم کے لیے ہوتا ہے، اور کبھی کبھی بددعا کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے؛ چوں کہ یہاں حضرت عکرمہؓ نے اپنے عدمِ علم کی وجہ سے ابو ہریرہؓ جیسے بڑے بزرگ اور فقیہ فی الدین کے متعلق احمق جیسے لفظ استعمال کر دیا بناء بریں حضرت ابن عباسؓ نے اس کی ہلاکت پر "ثکلتک أمک" کہہ دیا۔ (مرقاۃ)

ثكلتك أمك: كلمة تعجب ظاهرها دعاء عليه وقد يذكر في موضع المدح والذم وههنا محمول علٰى هلاكته ردا لقوله أحمق فيمن اقتفي سنة أبي القاسم صلّى اللّٰه عليه وسلم. (مرقاة)

سوال:۲۹، مشکوٰۃ شریف: ص/۷۹ (داخلہ ۱۴۳۳ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ مُعَاذٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ يَأْتِي فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ فَصَلّٰى لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ أَتٰى قَوْمَهُ فَأَمَّهُمْ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَانْحَرَفَ رَجُلٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى وَحْدَهُ وَانْصَرَفَ فَقَالُوْا لَهُ أَنَافَقْتَ يَافُلَانُ؟ قَالَ لَا وَاللّٰهِ وَلَأَتِيَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَلَأُخْبِرَنَّهُ. (الحديث)

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتداء درست ہے؟ یہ کس امام کا مذہب ہے؟ اور کس امام کے نزدیک اقتداء المفترض خلف المتنفل'' جائز نہیں؟ ان کی دلیل کیا ہے؟ اور وہ مذکورہ بالا حدیث کا کیا جواب دیتے ہیں اس کو تحریر کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ یہ کرتے کہ (پہلے تو) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے، پھر (اپنے محلّہ کی مسجد میں) آتے اور اپنے محلّے والوں کو نماز پڑھاتے، چنانچہ ایک رات ایسا ہوا کہ انہوں نے عشاء کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، پھر (اپنے محلّہ کی مسجد میں) آکر لوگوں کو نماز پڑھانے کھڑے ہوئے، وہ قرأت میں سورہ بقرہ پڑھنے لگے، اتنے میں (ان مقتدیوں میں سے) ایک صاحب نے سلام پھیر لیا (یعنی جماعت سے

نکل آئے) اور اپنی نماز اکیلے پڑھ کر چلے دیئے، بعد میں لوگوں نے (حیرت کے ساتھ) ان سے کہا: اے فلاں! کیا تم منافق ہو گئے؟ وہ صاحب بولا نہیں، خدا کی قسم! میں منافق ہرگز نہیں ہوا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بارے میں عرض کروں گا، الیٰ آخر الحدیث۔

(ب) کیا متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتداء درست ہے؟ مذکورہ حدیث شریف سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مفترض کا متنفل کے پیچھے اقتداء کرنا جائز ہے اور اسی ظاہر حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حضرت امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ متنفل کے پیچھے مفترض کا اقتداء کرنا جائز ہے، ان کا کہنا ہے کہ حضرت معاذؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جب نماز پڑھتے اور اس صورت میں تو فرض ادا کرنے کی نیت سے پڑھتے اور اس صورت میں جب وہی نماز اپنے محلے والوں کو پڑھاتے خود ان کی نماز نفل ہوتی تھی؛ کیوں کہ فرض تو وہ پہلے ہی ادا کر چکے ہوتے تھے پھر جب ان کے ایک مقتدی نے ان کے اس طرح نماز پڑھنے اور پڑھانے کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''تقریر'' فرمائی، یعنی حضرت معاذؓ کو اس سے منع نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مفترض کا متنفل کے پیچھے اقتدا جائز ہے۔

لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مفترض کو متنفل کے پیچھے اپنی نماز فرض ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ ایک روایت میں امام مالکؒ کا مسلک اور ایک روایت میں حضرت امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔ (مظاہر حق جدید: ۶۹۲/۱)

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی دلیل: ایک تو حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے۔

(ترمذی شریف) الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن.

تو جب امام کی نماز مقتدی کی نماز کو ضمن میں رکھنے والی ہے تو ظاہر بات ہے کہ بڑی چیز کو چھوٹی چیز ضمن میں نہیں لا سکتی اور یہاں مفترض کی نماز بڑی ہے اور متنفل کی

نماز چھوٹی ہے؛ لہٰذا متنفل مفترض کی نماز کو ضمن میں نہیں لاسکتا فلهٰذا اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز نہیں ہوگی۔

دوسری دلیل: صلوٰۃِ خوف کی مشروعیت مع جمیع منافی صلوٰۃ، اگر اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز ہوتی تو آسان صورت یہ تھی کہ ایک ہی امام دونوں گروہ کو دو دفعہ الگ الگ نماز پڑھا دیتا، ایک گروہ کو بہ نیت فرض اور دوسرے کو بہ نیت نفل۔

ہماری طرف سے شوافع کے دلائل کا جواب: شوافع نے جو دلیل پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں بہت سے احتمالات ہیں: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ معاذؓ نے حضور صلی اللہ وسلم کے پیچھے بہ نیت نفل نماز پڑھی ہو اور اپنی قوم کو بہ نیت فرض پڑھائی ہو، فلا اشکال۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

دوسرا جواب: یہ ہے کہ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے کہ جب ایک نماز کو بہ نیت فرض دو مرتبہ پڑھنا جائز تھا، پھر منسوخ ہوگیا، کما قال الطحاوی۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ حضرت معاذؓ نے اپنی رائے سے کیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہ حکم تھا اور نہ تقریر؛ اس لیے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوگئے۔

نیز حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں: کہ اصل میں حضرت معاذؓ نے چند روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر اس کی کیفیت سیکھی۔

الغرض! تو جب اس میں اتنے احتمالات ہیں تو اس مسئلہ میں کس طرح اس سے استدلال ہوسکتا ہے؟ (درسِ مشکوٰۃ: ۷۶/۲)

سوال: ۳۰، مشکوٰۃ شریف: ص/۹۰ (داخلہ ۱۴۳۵ھ)

(الف) عبارت با اعراب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ

عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَيْهِ فِي الصَّلَاةِ فَتَرُدُّ عَلَيْنَا فَقَالَ إِنَّ فِي الصَّلَاةِ لَشُغْلًا. (متفق عليه)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) نماز کے دوران سلام کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو "فلم يرد علينا" کا جواب کیا ہے؟ اور نا جائز ہے تو فيرد علينا کا کیا مطلب ہے؟ (ج) حبشہ کی طرف مسلمانوں نے کتنی مرتبہ ہجرت کی اور "فلما رجعنا من عند النجاشي" میں کون سی ہجرت کا ذکر ہے نیز یہ واپسی مدینہ میں ہوئی یا مکہ میں، جواب لکھیں؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا (پہلے یہ تھا کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہوتے اور ہم آپ کو سلام کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز ہی کی حالت میں) ہمارے سلام کا جواب دیتے؛ لیکن جب ہم نجاشی کے یہاں سے لوٹ کر آئے (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے) ہم نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا، جب ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (پہلے) ہم آپ کو نماز کی حالت میں سلام کرتے تو آپ جواب دیا کرتے تھے، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز میں (آدمی کو) ایک دوسرا کام ہے جس میں مصروف رہنا چاہیے۔ (بخاری و مسلم)

(ب) نماز کے دوران سلام کا جواب دینا اور کلام کرنا جائز ہے یا نہیں؟

نماز کے دوران سلام کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نماز کی حالت میں سلام کا جواب دینا یہ نماز میں کلام کرنا ہے، اور نماز میں کلام کے بارے میں ائمہ کرام کے درمیان اختلاف ہے۔

نماز کے دوران سلام کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف: (۱) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کلام خواہ عمداً ہو یا نسیاناً یا جہلاً عن الحکم ہو خطأً اصلاحِ صلوٰۃ کی غرض سے ہو یا اس غرض سے نہ ہو مطلقاً مفسدِ صلوٰۃ ہے۔

(۲) امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ کلام اگر نسیاناً یا جہلاً ہو تو وہ مفسدِ صلوٰۃ نہیں، بشرطیکہ کلام طویل نہ ہو۔

(واضح ہو کہ) تمام فقہاء کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ کلام اگر عمداً ہو اور اصلاحِ صلاۃ کے لیے نہ ہو تو وہ مفسدِ صلاۃ ہے؛ لیکن حنفیہ کے نزدیک کلام فی الصلوٰۃ مطلقاً مفسدِ صلاۃ ہے اور ائمہ ثلاثہ کسی نہ کسی صورت میں کلام فی الصلوٰۃ کے غیر مفسد ہونے کے قائل ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل: ائمہ ثلاثہ حدیث ذوالیدین سے استدلال کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ذوالیدین کا یہ کلام جہلاً تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نسیاناً تھا؛ لیکن حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا، آنے والے مندرجہ ذیل دلائل کی وجہ سے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

احناف کے دلائل درج ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عن زيد بن أرقم قال كنا نتكلم خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلوٰة يكلم الرجل مناصاحبه إلى جنبه حتى نزلت "قوموا لله قانتين" فامرنا بالسكوت ونهينا عن الكلام.

(۲) عن ابن مسعودؓ قال: كنا نسلم على النبي ﷺ فيرد علينا السلام حتى قدمنا من أرض الحبشة، فسلمت عليه فلم يرده على فأخذني، ماقرب ومابعد، فجلست حتى إذا قضى الصلاة قال إن الله يحدث من أمره مايشاء وأنه قد أحدث من أمره أن لايتكلم في الصلاة. (رواه النسائي)

تو ابتدائے اسلام میں نماز کی حالت میں ردِّ سلام وکلام دونوں مشروع تھا۔اس پر دلیل "فیرد علینا" کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سلام کا جواب دیا کرتے تھے، اور جب یہ حکم منسوخ ہوگیا، تو نماز میں ردِّ سلام اور کلام سے منع کیا گیا ہے؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں ان کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

(ج) حبشہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت وغیرہ: حبشہ کی طرف مسلمانوں کی دومرتبہ ہجرت ہوئی اور رجوع بھی دومرتبہ واقع ہوا۔

(۱) ایک مرتبہ یہ سن کر کہ مشرکین عرب مسلمان ہوگئے تو ابنِ مسعود وغیرہ لوٹ کر مکہ میں آگئے تھے، حالانکہ واقعہ اُلٹا تھا۔

(۲) دوسری مرتبہ جبکہ مشرکین عرب کی طرف سے تکلیف زیادہ ہونے لگی تو چند صحابۂ کرام نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اس کے بعد ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ حبشہ سے اس وقت لوٹے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ جاکر جنگ بدر کی تیاری کر رہے تھے، تو یہ رجوع من الحبشہ الی المدینہ ہوا، اور راجح قول کے مطابق حدیث الباب کا جو واقعہ ہے یہ دوسری مرتبہ کی ہجرت ہے اور رجوع من الحبشہ الی المدینہ کا ہے۔ (تنظیم الاشتات:۱/۳۴۹)

سوال:۳۱، مشکوٰۃ شریف:ص/۹۱ (داخلہ ۱۴۲۸ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَطَسْتُ فَقُلْتُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ، مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنْصَرَفَ فَقَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ فِي الصَّلٰوةِ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ أَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّانِيَةَ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ أَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّالِثَةَ فَقَالَ رِفَاعَةُ أَنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِيْ لَقَدْ اِبْتَدَرَهَا بِضْعَةٌ وَ ثَلَاثُوْنَ مَلَكًا أَيُّهُمْ يَصْعَدُ بِهَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) کلام مفسدِ صلاۃ ہے یا نہیں؟ (ج) حدیث میں مذکور کلام سے نماز فاسد ہوئی یا نہیں جواب مدلل لکھیں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت رفاعہ بن رافع سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا (ایک روز) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا کہ (اچانک) مجھے چھینک آئی، میں نے کہا: الحمد للّٰہ حمداً کثیراً طیباً فیه مبارکاً علیه، کما تحب ربنا ویرضی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے، اور ہماری طرف پھرے تو فرمایا: کہ نماز میں کون بولا تھا؟ (یہ سن کر) سب خاموش رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دوسری بار یہی فرمایا، تب بھی کوئی نہیں بولا، جب تیسری بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو رفاعہؓ نے ہمت کر کے کہا کہ یا رسول اللہ! میں بولا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم! اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کچھ اوپر تیس فرشتے ان کلمات کو لپک رہے تھے کہ کون فرشتہ اس کو اوپر لے جائے گا۔

(ب) کلام مفسدِ صلاۃ ہے یا نہیں؟ اِس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ابتداء میں مطلقاً کلام فی الصلوٰۃ جائز تھا، خواہ عمداً ہو، کثیر ہو یا قلیل، پھر وہ کلام منسوخ ہو گیا؛ لیکن اس نسخ کی تفصیل میں اختلاف ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۱) چنانچہ امام مالک اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ اصلاحِ صلوٰۃ کے لیے قلیل عمداً منسوخ نہیں ہوا، اب بھی جائز ہے۔

(۲) جمہورؒ کے نزدیک عمداً کلام منسوخ ہو گیا قلیل ہو یا کثیر، اصلاحِ صلوٰۃ ہی کے لیے کیوں نہ ہو؛ البتہ نسیاناً اور سہواً وخطأً منسوخ ہوا یا نہیں؟ اس میں پھر اختلاف ہو گیا۔

(۱) امام شافعی اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہما ان بزرگوں کے نزدیک نسیاناً اور سہواً یا جاہلاً کلام منسوخ نہیں ہوا اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی ایک روایت ہے۔

(۲) امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مطلقاً کلام منسوخ ہوگیا خواہ عمداً ہو یا نسیاناً ہو یا سہواً ہو یا خطأً یا جاہلاً قلیلاً کان أو کثیراً۔

(ج) حدیث میں مذکور کلام سے نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟ چوں کہ حضرت رفاعہؓ کا نماز کے اندر کلام کرنا یہ اس زمانہ کا تھا جب کہ نماز کے اندر کلام کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی، بنابریں ان کے اس کلام سے نماز فاسد نہیں ہوئی، ہاں! اگر کوئی اب ایسا کرے تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

سوال: ۳۲، مشکوٰۃ شریف: ص/۹۵ (داخلہ ۱۴۳۰ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَبِي الْخَلِيْلِ عَنْ أَبِيْ قَتَادَةَؓ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ كَرِهَ الصَّلَاةَ بِنِصْفِ النَّهَارِ حَتّٰى تَزُوْلَ الشَّمْسُ إِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقَالَ: إِنَّ جَهَنَّمَ تُسْجَرُ إِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) جمعہ کے دن نصف النہار میں نماز کا کیا حکم ہے؟ ائمہ کے مذاہب بیان کریں پھر جو لوگ منع کرتے ہیں ان کی دلیل لکھیں (ج) مذکورہ حدیث کا کتاب میں جو جواب لکھا ہوا ہے اس کو تحریر کریں؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابوالخلیل حضرت ابوقتادہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ٹھیک دوپہر میں نماز پڑھنے کو ناپسند فرماتے تھے، یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے سوائے جمعہ کے دن کے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ ہر دن ٹھیک دوپہر کو جھونکی جاتی ہے سوائے جمعہ کے دن کے۔

(ب) جمعہ کے دن نصف النہار میں نماز کا حکم اور ائمہ کرامؒ کے مذاہب: (۱) امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک جمعہ کے دن دوپہر کے وقت نفل نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

امام شافعیؒ اور احمدؒ کی دلیل: عن أبي الخليل عن أبي قتادة قال: كان النبي ﷺ كره الصلاة نصف النهار حتى تزول الشمس إلا يوم الجمعة وقال إن جهنّم تسجر إلا يوم الجمعة. (درسِ مشکوٰۃ)

(۲) امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام صاحبینؒ کے نزدیک جمعہ کے دن بھی دوپہر کے وقت نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

ہماری دلیل (۱): عن عقبة بن عامر قال ثلاث ساعات كان رسول الله ﷺ ينهانا أن نصلي فيهن أو نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغة حتى ترفع وحين يقوم قائمة الظهيرة حتى تميل الشمس وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب.

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوپہر کے وقت جمعہ کے دن نماز پڑھی، اگر جائز ہوتی تو دوایک مرتبہ ضرور پڑھتے۔

(ج) مذکورہ حدیث کا کتاب میں جو جواب لکھا ہوا ہے: امام ابوداؤدؒ نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند کے اندر انقطاع ہے؛ اس لیے کہ ابوالخلیل اور ابوقتادہ کے درمیان کا راوی چھوٹ گیا؛ لہٰذا حدیث منقطع السند ہوگئی، اور حدیث منقطع سے استدلال درست نہیں بن سکتا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال: ۳۳، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۱۳ (والہ ۱۴۲۶ھ)

(الف) عبارت با اعراب: عَنْ نَافِعٍ قَالَ: كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَؓ بِمَكَّةَ وَالسَّمَاءُ مُغِيمَةٌ فَخَشِيَ الصُّبْحَ فَأَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ انْكَشَفَ فَرَأَى أَنَّ عَلَيْهِ لَيْلًا فَشَفَعَ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَلَمَّا خَشِيَ الصُّبْحَ أَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ و مطلب لکھ کر وتر کی رکعتوں میں فقہاء کرام کے مذاہب تحریر کریں (ب) حضرت ابن عمرؓ نقضِ وتر کے قائل ہیں ان کی دلیل لکھئے اور جمہور فقہاء جو نقضِ وتر کے قائل نہیں ہیں ان کی دلیل مع وجہِ ترجیح لکھیں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ہمراہ مکہ معظمہ میں تھا اور (اس دن رات میں) آسمان ابر آلود تھا، جب حضرت ابن عمرؓ کو صبح ہو جانے کا اندیشہ ہوا تو انہوں نے ایک رکعت وتر کی پڑھ لی، پھر ابر صاف ہو گیا اور انہوں نے دیکھا کہ ابھی رات (کافی باقی) ہے؛ چناں چہ انہوں نے ایک رکعت اور پڑھ کر (پہلی رکعت کو) دوگانہ کر دیا اور اس کے بعد دو دو رکعت پڑھتے رہے، جب پھر صبح ہونے کا اندیشہ ہوا تو انہوں نے وتر کی ایک رکعت پڑھ لی۔

حدیث شریف کا مطلب: حدیث پاک میں حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رکعتِ وتر ان کے نزدیک ایک ہی رکعت ہے۔

وتر کی رکعتوں میں فقہاء کرام کے مذاہب اور ان کے دلائل:

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دو رکعت اور رکعت ثالثہ کے درمیان سلام کے ذریعہ فاصلہ کر کے ایک رکعت وتر ادا کر دے؛ لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ وتر ایک رکعت سے گیارہ رکعت تک جائز ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: عن ابن عمر قال: كان النبي ﷺ يصلي من الليل مثنى مثنى ويوتر بركعة.

(۲) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک رکعت سے وتر پڑھنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ وتر کی تین رکعت ایک سلام سے واجب ہیں۔

امام اعظم کی دلیل: عن عائشةؓ قالت كان النبي ﷺ لايسلم في ركعتي الوتر وعنها قالت: كان النبي ﷺ يوتر بثلاث لايسلم إلا في اخرهن.

(ب) حضرت ابن عمرؓ نقضِ وتر کے قائل ہیں ان کی دلیل:

عن ابن عمرؓ قال: كان النبي ﷺ يصلي من الليل مثنى مثنى ويوتر بركعة.

جمہور فقہاء جو نقضِ وتر کے قائل نہیں ہیں ان کی دلیل مع وجہِ ترجیح:

(۱) عن عائشةؓ قالت: كان النبي ﷺ يوتر بثلاث ركعات لايسلم إلا في اخرهن.

(۲) عن عائشة قالت كان النبي ﷺ لايسلم في ركعتي الوتر.

وجہ ترجیح: صلاۃِ وتر کے بارے میں اصل بات تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صلوٰۃ اللیل اور وتر کی روایت بیان کرنے والے بہت صحابہ کرامؓ ہیں جن میں مشہور حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمرؓ ہیں۔

اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کن کی روایت فیصلہ کن اور ترجیح ہوگی، تو ظاہر بات یہ ہے کہ جو ہمیشہ قریب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دیکھنے والا ہو اس کی روایت فیصلہ کن ہوگی۔

تو واضح ہوا کہ حضرت عائشہؓ ساری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں، پھر ان کے علوم و ذہانت کا کمال، پھر ذوقِ علمی ہر وقت سوال کرتی تھیں، جس کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو موفقہ لقب عنایت فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے وقت ان کو جگاتے تھے، بقیہ حضرات نے ایک دو دفعہ دیکھا؛ اس لیے عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ جو روایت کرتی ہیں پھر تعاملِ صحابہ و تابعین سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے؛ لہٰذا روایۃً و درایۃً ایک سلام سے تین رکعت کو ترجیح ہوگی۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

حدیثِ ابن عمرؓ کا جواب: دو سلام سے تین رکعات یہ حضرت ابن عمرؓ کا عمل ہے، یہ روایت کے ثبوت میں نہیں ہیں؛ اس لیے یہ درست نہیں۔

سوال:۳۴، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۱۵ (داخلہ ۱۴۳۸ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيِّ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ لَيْلَةً إِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ بِصَلٰتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّيْ لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى قَارِئٍ وَّاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهٗ لَيْلَةً أُخْرٰى وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوةِ قَارِئِهِمْ قَالَ عُمَرُ: نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ وَالَّتِيْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ تَقُوْمُوْنَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق کرکے بتائیں کہ اس حدیث شریف میں کون سی نماز کا تذکرہ ہے؟ (ج) نعمت البدعة اور التي تنامون إلخ کی تشریح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری فرماتے ہیں کہ میں (رمضان المبارک کی) ایک رات حضرت عمر بن الخطابؓ کے ساتھ مسجد کی طرف نکلا (تو ہم نے دیکھا) کہ لوگ بکھرے ہوئے متفرق تھے۔ کوئی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور کوئی ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ مل کر نماز پڑھ رہا تھا (یعنی الگ الگ تراویح کی نماز پڑھ رہے تھے) تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر میں ان کو ایک قاری کے پیچھے جمع کردوں تو یہ زیادہ مناسب ہوگا، پس آپؓ نے اس کا ارادہ فرمایا اور تمام لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ کے

پیچھے جمع کر دیا۔ راوی فرماتے ہیں کہ ایک رات میں حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد میں گیا تو دیکھا کہ وہاں سب لوگ اپنے امام (یعنی ابی بن کعبؓ) کی اقتداء میں نمازِ تراویح پڑھ رہے تھے، تو عمرؓ نے (دیکھ) کر فرمایا کہ یہ اچھی بدعت ہے، اس وقت کی نماز جب تم سوتے رہتے ہو اس نماز سے بہتر ہے، (حضرت عمرؓ کی مراد یہ تھی کہ تراویح کی نماز آخری شب میں پڑھنا اوّل شب سے زیادہ بہتر ہے یہ اس لیے فرمایا کہ لوگ اوّل شب میں پڑھ لیا کرتے تھے)۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق:

(۱) أوزاع: بمعنیٰ جماعتیں (اس کا واحد نہیں ہے) اوزاع بسكون الواو بعدها زاء أي فرق متفرقين.

(۲) متفرقون: یہ اسم فاعل سے جمع مذکر کا صیغہ ہے، مادہ (فرق) تفرق يتفرق تفرقًا یعنی جدا ہونا، کہا جاتا ہے: تفرقت بهم الطرق ہر ایک ایک راستہ کو ہو گیا۔

(۳) صلّى: صلَّ صَلَاة یعنی دعا کرنا، نماز پڑھنا۔ اللّٰه عليه برکت دینا، اچھی تعریف کرنا۔ صلّى فلان أي دعا، ويقال صلّى اللّٰه عليه ودعا بالخير. وفي التنزيل العزيز .وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾.

(٤) الرهط: الرَّهْط والرَّهَطُ: آدمی کی قوم اور قبیلہ تین سے دس تک کا گروہ جس میں کوئی عورت نہ ہو اور اس لفظ کا واحد نہیں، جمع: اَرْهُطٌ و اَرْهَاطٌ جمع الجمع اراهيط و اَرَاهِطٌ اور جب رهط کی جانب عدد کی اضافت ہوتی ہے تو اس سے مراد اشخاص وافراد ہوتے ہیں، جیسے: عشرون رهطاً.

(۵) أمثل: الامثل يعني افضل، جمع اماثل و مُثُلٌ مؤنث مثلىٰ. اماثل القوم یعنی قوم کے برگزیدہ لوگ۔

(٦) عزم: یہ ماضی معروف سے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، من باب

ضرب یضرب، عزمًا و عُزما و معزمًا پختہ ارادہ کرنا۔ الرجل کوشش کرنا۔ الامر واجب ہونا۔ فلان علی فلان قسم دینا۔

(۷) تنامون: مضارع معروف سے جمع کا صیغہ ہے، نام ینام نومًا و نیامًا: اونگھنا یا سونا، مرنا۔ اور اسم ہیں النیمة. نامت السوق: یعنی بازار کا ماند پڑنا۔

(۸) الأفضل: فضل میں بڑھا ہوا، جمع افضلون و أفاضل مؤنث فضلی جمع فضلیات، فُضلٌ.

حدیث شریف میں کون سی نماز کا تذکرہ ہے؟ مذکورہ بالا حدیث شریف میں نمازِ تراویح کا تذکرہ ہے۔

(ج) نعمت البدعة اور التي تنامون إلخ کی تشریح: نعمة البدعة إلخ: حضرت عمرؓ نے فرمایا: "نعمة البدعة هذه" کا مطلب یہ تھا کہ اس جماعت کا مقرر ہونا اچھی بدعت ہے، یہ مقصد نہ تھا کہ اصل جماعت بدعت ہے؛ کیوں کہ اصل جماعت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ثابت ہے، ایک امام کے پیچھے تمام لوگوں کا اکٹھا ہونا سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دَور میں نہیں تھا؛ بلکہ لوگ تنہا تنہا یا ٹولیوں کی شکل میں بَٹ کر جماعت سے تراویح پڑھتے تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے دَور میں تمام لوگوں کو ایک امام کے تابع کیا یہ نیا عمل تھا؛ لیکن یہ کوئی اصطلاحی بدعت نہیں ہے؛ بلکہ لغوی بدعت ہے یعنی "الامور البدع ہے"، حضرت عمرؓ کا کسی طریقہ کو رائج کرنا بدعت نہیں ہوسکتا؛ بلکہ وہ سنت کہلائے گا۔ (فیضِ مشکوٰۃ)

التي تنامون إلخ: جس نماز سے لوگ سوتے رہتے ہیں وہ اس نماز سے افضل ہے جس کو وہ پڑھتے ہیں یعنی رمضان میں تراویح سے افضل تہجد ہے، پس لوگوں کو چاہیے کہ جس طرح تراویح اہتمام سے پڑھتے ہیں تہجد بھی پڑھیں، اس ارشاد سے یہ بات صاف ہوگئی کہ تراویح تہجد کی نماز نہیں ہے؛ بلکہ یہ دو الگ الگ نمازیں ہیں، ایک کا وقت سونے سے پہلے اور دوسری کا سونے کے بعد۔ (مزید تفصیل تحفۃ القاری: ج ۳، ص ۴۷۱)

سوال: ۳۵، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۱۹

(الف) عبارت بااعراب: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلَاةَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً. (رواهُ مسلم) وَعَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَا سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ، وَهُمَا تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ، وَالْوِتْرُ فِي السَّفَرِ سُنَّةٌ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) صلوٰۃ قصر کے متعلق ائمہ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں (د) کیا خوف کی حالت میں نماز کے لیے ایک رکعت کافی ہوجائے گی؟ اگر جواب نفی میں ہے تو حدیثِ مذکورہ کی مناسب توجیہ تحریر کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حضر میں چار رکعت اور سفر میں دو رکعت فرض کی ہیں اور خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض کی ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی نماز کے لیے دو مکمل غیر ناقص رکعتیں فرض کی ہیں اور سفر میں وتر (کی نماز) سنت ہے۔

(ب) حدیث شریف کا مطلب: حدیث مذکورہ میں حضر، سفر اور خوف کی حالت میں پڑھی جانے والی نمازوں کی تعداد رکعت کو بیان کیا گیا ہے، اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ حضر کی حالت میں ہر اہلِ ایمان پر فجر میں دو، ظہر، عصر اور

عشاء میں چار اور مغرب کی نماز میں تین رکعتیں ادا کرنا فرض ہیں؛ لیکن سفر کی حالت میں اللہ رب العزت نے ظہر، عصر اور عشاء کی نمازوں میں رکعتوں کی تعداد کو کم کر دیا ہے اور بجائے چار کے صرف دو رکعتیں ادا کرنا کافی ہے، اور خوف کی حالت میں جیسا کہ حدیث ابن عباسؓ سے معلوم ہو رہا ہے صرف ایک رکعت ادا کرنا کافی ہے۔

قولہ: وھما تمام غیر قصر الخ: واضح رہے کہ حدیث شریف کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ سفر کی حالت میں ظہر، عصر اور عشاء کی نمازوں میں شروع ہی سے دو رکعتیں مشروع ہیں ایسا نہیں ہے کہ اوّلاً یہ سفر کی حالت میں چار ہوں اور بعد میں کم کر کے دو ہوئی ہوں؛ بلکہ یہ ابتداء ہی سے دو فرض ہوئی ہیں۔

قولہ: والوتر سنة الخ: واضح رہے کہ حدیث شریف کے اس جملہ سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ سفر کی حالت میں وتر کی نماز سنت ہو جاتی ہے؛ حالانکہ یہ صحیح نہیں وتر کی نماز جس طرح حالتِ حضر میں واجب ہے سفر میں بھی واجب ہی ہوتی ہے اور رہا حدیث مذکورہ میں وتر کو سنت کہنا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سفر کی حالت میں وتر کی نماز ادا کرنا سنت سے ثابت ہے۔

(ج) صلوٰۃ قصر کے متعلق ائمہ کرام کے مذاہب اور ان کے دلائل:

سفر کی حالت میں تنہا نماز پڑھتے ہوئے قصر کرنے کے جواز پر تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے؛ لیکن کیا مسافر پر قصر کرنا ہی ضروری ہے یا وہ اتمام بھی کر سکتا ہے اس سلسلے میں ان حضرات کے مابین اختلاف ہے؛ چنانچہ اس مسئلہ میں ان حضرات کے دو مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب: حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور ان حضرات کے متبعین کا ہے، ان حضرات کے نزدیک سفر کی حالت میں مسافر پر نمازوں کو قصر کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے۔

دوسرا مذہب: حضرت امام شافعیؒ اور آپ کے مقلدین کا ہے، ان حضرات کے نزدیک سفر میں نمازوں کو قصر کے ساتھ ادا کرنا اللہ رب العزت کی جانب سے ایک رخصت ہے اور مسافر کو حالتِ سفر میں قصر اور اتمام کے مابین اختیار حاصل ہوتا ہے اگر وہ چاہے تو اللہ رب العزت کی دی ہوئی رخصت پر عمل کرتے ہوئے نمازوں میں قصر کرسکتا ہے اور اگر چاہے تو ان کو مکمل ادا کرسکتا ہے، اس پر قصر ہی کو اختیار کرنا لازم نہیں ہے۔

مذہب اوّل کی دلیل اور وجہِ استدلال: مذہبِ اوّل کے قائلین نے اپنے مسلک پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ''صحبت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في السفر فلم يزد على الركعتين حتى قبضه اللّٰه'' میں نے بہت سے اسفار میں حضور علیہ السلام کی مصاحبت اختیار کی ہے، آپ علیہ السلام نے دنیا سے رخصت ہونے تک سفر میں نماز کی دو ہی رکعتیں ادا کی ہیں، اس روایت سے ان حضرات نے اپنے مسلک پر بایں طور استدلال کیا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بقول حضور علیہ السلام نے دنیا سے تشریف لے جانے تک ہمیشہ سفر میں قصر نماز ادا کی ہے، پس اس سے ثابت ہوتا ہے سفر میں قصر کرنا لازم ہے، اگر مسافر کو اتمام کا حق ہوتا تو حضور علیہ السلام کبھی نہ کبھی بیانِ جواز کے لیے سفر میں نمازوں کا اتمام ضرور فرماتے؛ لیکن حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے ایسا کبھی نہیں فرمایا؛ بلکہ ہمیشہ قصر ہی پر مداومت فرمائی ہے، پس آپ علیہ السلام کی یہ مداومت اس کے لزوم کی بیّن دلیل ہے۔

مذہب دوم کی دلیل اور وجہِ استدلال: مذہبِ دوم کے قائلین نے اپنے مسلک پر قرآن کریم کی آیت ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ سے استدلال کیا ہے۔ وجہِ استدلال یہ ہے کہ اس آیت

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

میں اللہ رب العزت نے سفر میں نمازوں کے قصر کرنے والے سے گناہ کی نفی کی ہے، پس اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں قصر کرنا اللہ رب العزت کی جانب سے ایک رخصت ہے لازم اور ضروری نہیں ہے۔

مذہب دوم کی مذکورہ دلیل کا جواب: مذہب اوّل کے قائلین کی جانب سے مذہب دوم کی مذکورہ دلیل کا جواب یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اس آیتِ کریمہ میں قصر فی الصلوٰۃ کی صورت میں گناہ کی جو نفی کی ہے وہ صحابۂ کرام کی تطیب خاطر کے لیے ہے؛ چنانچہ علامہ آلوسیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام کے قلوب چار رکعت نماز ادا کرنے کے عادی ہو گئے تھے پھر جب قصر کا حکم نازل ہوا تو اس بات کا احتمال تھا صحابہؓ اس کو نقص اور حرج گمان نہ کرلیں تو اللہ رب العزت نے ان حضرات کے تطیب خاطر کے لیے یہ آیت نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ سفر میں نمازوں کو قصر کے ساتھ ادا کرنا کوئی گناہ نہیں ہے، لہٰذا اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے قصر کے حکم کو صرف ایک رخصت قرار دینا درست نہیں ہے۔

(د) کیا خوف کی حالت میں نماز کے لیے ایک رکعت کافی ہو جائے گی؟

سوال میں مذکور پہلی حدیث کے اس جملہ "وفي الخوف ركعة" سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حالتِ خوف میں صرف ایک رکعت نماز ادا کرنا کافی ہے اسی کو حضرت امام حسن بصریؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ اور دیگر بہت سے محدثین نے اختیار کیا ہے؛ لیکن جمہور فقہاء اور محدثین کے نزدیک خوف کی حالت میں ایک رکعت نماز ادا کرنا کافی نہیں ہے؛ بلکہ حضر میں بحالتِ خوف چار اور سفر میں بحالتِ خوف دو رکعت نماز ادا کرنا ضروری ہے، اب رہا یہ سوال کہ پھر حدیث شریف کے مذکورہ جملہ کا کیا مطلب ہے؟ تو اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ خوف کی حالت میں امام کی اقتداء میں صرف ایک رکعت ادا کرنا اور بقیہ رکعات اپنے طور پر ادا کرلینا کافی ہے، تمام نماز کا امام کی اقتداء میں ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔

سوال:۳۶، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۲۱

(الف)عبارت بااعراب: عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ آوَاهُ اللَّيْلُ إِلٰى أَهْلِهٖ.

(الف)اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب)جمعہ کے شرائط اور وجوب وصحت کو بیان کریں (ج)"علٰی من آواہ اللیل" کی نحوی وصرفی تحقیق کریں۔

الجواب

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ اس شخص پر واجب ہے جس کو رات اپنے اہل کی طرف ٹھکانہ دے۔

(ب)جمعہ کے شرائط اور وجوب وصحت: جمعہ کی صحت ووجوب کے لیے کل بارہ شرطیں ہیں:۶نفس مصلی کے اندر اور ۶مصلی کے علاوہ میں ہوتی ہیں۔

نفس مصلی کے اندر: (۱)حریت (۲)ذکورت (۳)اقامت (۴)صحت (۵)سلامت رجلین (۶)سلامتِ بصر۔

غیر مصلی کے اندر: (۱)مصر جامع (۲)سلطان یا نائب سلطان (۳)جماعت (۴)وقت (۵)خطبہ (۶)اذن عام۔ (ہدایہ:۱/۱۶۸)

"عَلٰى مَنْ آوَاهُ اللَّيْلُ" کے اندر کون سی شرط بیان کی گئی ہے؟ حدیث شریف کے اس ٹکڑے کے اندر شرط اقامت کو بیان کیا گیا ہے، لہٰذا مسافر پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

معناه ان الجمعة على المقيم لاالمسافر ولاتجب الجمعة على المسافر. (حاشیۃ الترمذی:۱/۱۱۵)

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ج) "علٰی من آواه اللیل" کی نحوی وصرفی تحقیق:

نحوی تحقیق: الجمعة مبتدا علٰی حرفِ جار من اسم موصول اوی فعل ہٗ ضمیر مفعول بہ اللیل فاعل فعل اپنے فاعل ومفعول بہ سے مل کر صلہ موصول صلہ سے مل کر مجرور، جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا واجبة شبہ فعل کے ساتھ، شبہ فعل اپنے متعلق سے مل کر خبر ہوا الجمعة مبتداء کا مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

صرفی تحقیق: اَواہ کے اندر آوی فعل ماضی معروف واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے از باب ضَرَبَ اَوٰی، یاوِیُ، اَوِیَاوِ، اِوَاءً البیت الی البیت بمعنیٰ ٹھکانہ لینا، پناہ دینا، اُترنا اور یہ فعل مہموز فاء اور لفیف مقرون دونوں سے مرکب ہے۔

اللیل: واحد جمعہ لَیالِی بمعنیٰ رات۔

سوال: ۳۷، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۲۳

(الف) عبارت بااعراب: عَنِ الْبَرَاءِ (رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَقًّا عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ اَنْ یَّغْتَسِلُوْا یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلْیَمَسَّ اَحَدُهُمْ مِنْ طِیْبِ اَهْلِهٖ فَاِنْ لَمْ یَجِدْ فَالْمَاءُ لَهٗ طِیْبٌ. (رواہ احمد)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) غسلِ جمعہ، نمازِ جمعہ کی سنت ہے یا یومِ جمعہ کی؟ بیان کریں (ج) غسل جمعہ سنت ہے یا واجب؟ تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مسلمانوں پر لازم ہے کہ غسل کرلیا کریں، اور چاہیے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے گھر سے خوشبو لے کر لگایا کرے پس اگر خوشبو نہ پائے تو اس کے لیے پانی ہی خوشبو ہے یعنی غسل کرلینا ہی کافی ہے۔

(ب) غسلِ جمعہ، نمازِ جمعہ کی سنت ہے یا یومِ جمعہ کی؟

(۱) جمہور کا مذہب یہ ہے کہ غسل جمعہ نماز کے لیے مسنون ہے۔

(۲) امام محمدؒ، حسن بن زیادؒ اور صاحبِ ہدایہؒ نے یہ غسل یومِ جمعہ کے لیے مسنون کہا ہے۔ ثمرۂ اختلاف یہ ہے کہ جن لوگوں پر جمعہ فرض نہیں مثلاً مسافر اور عورت تو جمہور کے مذہب میں ان کے لیے یہ غسل مسنون نہیں ہے جب کہ دوسرے مسلک والوں کے نزدیک مسنون ہے۔

(۳) جو شخص بعد الغسل محدث ہو جائے پھر غسل کر کے نماز پڑھے تو جمہور کے مسلک کے مطابق اسے سنت کا ثواب نہیں ملے گا، بخلاف قولِ ثانی کہ کہ اسے ثواب ملے گا۔

(۴) جس شخص نے طلوعِ فجر سے قبل غسل کیا پھر اسی وضوء سے نماز جمعہ پڑھی تو قولِ جمہور میں وہ عامل السنۃ ہوگا جب کہ قولِ ثانی کے اعتبار سے تارکِ سنت ہے۔

(ایضاح المشکاۃ: ۵۱۶/۱)

جمہور جب غسل جمعہ کو سنت کہتے ہیں تو "حقا" سے سمجھے جانے والے وجوب کا کیا جواب ہے؟ حدیث شریف کے اندر لفظ حقا سے سمجھے جانے والے وجوب کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر حقا بمعنیٰ لازم وواجب نہیں ہے؛ بلکہ حق بمعنیٰ جدیر وایق اور افضل ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ج) **غسل جمعہ سنت ہے یا واجب؟** ائمہ اربعہ کے یہاں جمعہ کے دن غسل سنت ہے۔

دلیل: حضرت سمرہؓ کی مرفوع حدیث ہے: **من توضأ یوم الجمعة فبها و نعمت ومن اغتسل فهو افضل.** (ترمذی، ابوداؤد)

(۲) اہلِ ظاہر کے یہاں واجب ہے، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا ایک قول بھی یہی ہے۔ دلیل: وہ احادیث ہیں جن میں غسل جمعہ کا حکم صیغۂ امر سے ہے جیسے حضرت

ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث ہے: من یاتی الجمعة فلیغتسل. یہ حدیث ابن عمرؓ سمیت پچیس صحابہؓ سے مروی ہے۔

(۳) حضرت ابوسعید خدریؓ کی مرفوع حدیث ہے: غسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم.

اہلِ ظاہر کی دلیل کا جواب: یہ احادیث تاکید پر محمول ہیں۔

(اوجز المسالک: ۳۲۶/۱، فتح الملہم: ۳۸۵/۲)

سوال: ۳۸، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۲۷

(الف) عبارت با اعراب: عَنْ عَائِشَةَ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِكَبْشٍ أَقْرَنَ يَطَأُ فِيْ سَوَادٍ يَبْرُكُ فِيْ سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ فَأُتِيَ بِهٖ لِيُضَحِّيَ بِهٖ قَالَ: يَاعَائِشَةُ هَلُمِّيْ الْمُدْيَةَ ثُمَّ قَالَ: اَشْحَذِيْهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ اَخَذَهَا وَاَخَذَ الْكَبْشَ فَأَضْجَعَهٗ ثُمَّ ذَبَحَهٗ ثُمَّ قَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَاُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰى بِهٖ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی وصرفی تحقیق کریں (ج) نیز بتائیں کہ قربانی کن لوگوں پر واجب ہے؟

الجواب

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے لیے ایسا سینگ دار مینڈھا لانے کا حکم دیا جو سیاہی میں چلتا ہو اور سیاہی میں بیٹھتا ہو اور سیاہی میں دیکھتا ہو، پس جب آپ کے پاس ایسا دنبہ لایا گیا تاکہ آپ قربانی کریں تو فرمایا اے عائشہ! چھری لاؤ پھر فرمایا اس کو پتھر پر رگڑ کر تیز کرو پس میں نے اس کو

تیز کیا پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری پکڑی اور مینڈھے کو پکڑ کر اس کو لٹایا اور اس کو ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا پھر ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں اے اللہ! تو اس کو قبول کر محمد آل محمد اور امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پھر اس کو ذبح کر دیا۔

(ب) محط کشیدہ الفاظ کی لغوی وصرفی تحقیق:

(۱) اَقْرُنَ: یہ اسم تفضیل واحد مذکر کا صیغہ ہے از باب سَمِعَ قَرِنَ یَقْرَنُ، قَرَنًا بمعنیٰ سینگ والے جانور کا لمبے سینگوں والا ہونا، مؤنث قَرْنَاءُ جمع قُرْنٌ.

(۲) یَطَأُ: یہ فعل مضارع واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے از باب سمع وَطِئَ یَطَأُ وَطْأً الشَّیْءَ بِرِجْلِہٖ پیر سے روندنا اور سینگوں والے۔

(۳) سَوَادٌ: سیاہی جمع اَسْوِدَۃٌ جج اَسَاوِدُ باب سمع سے آتا ہے سَوِدَ یَسْوَدُ سَوَدًا بمعنیٰ کالا ہونا۔

(٤) یَبْرُکَ: یہ فعل مضارع واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے از باب نصر بَرَکَ یَبْرُکُ بُرُوْکًا وَتَبْرَاکًا برک العیر بیٹھنا یہاں یبرک بمعنیٰ اضطجع.

(٥) یُضَحِّیْ: یہ فعل مضارع واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے از باب فعیل ضَحّٰی یُضَحِّیْ تَضْحِیَۃً بمعنیٰ چاشت کے وقت کھانا کھلانا، بالشاۃ ضبح کرنا۔

(٦) هَلُمِّیْ: بمعنیٰ هاتیها یعنی آؤ، لاؤ، یہ لازم ہے کبھی متعدی استعمال ہوتا ہے جیسے: "هلمّ شهدائکم" یعنی اپنے گواہوں کو حاضر کرو یہ اسمائے افعال میں سے ہے جس میں واحد، جمع مذکر مؤنث سب مساوی ہیں۔

(۷) اَلْمُدْیَۃُ: واحد، جمع مُدیً و مِدیً و مُدْیَات و مُدَایَاتٌ بمعنیٰ بڑی چھری، لمدیة بضم المیم اصح من الکسر والفتح ای السکین. (مرقات:۳۰۳/۳)

(۸) اِشْحَذِیْ: بفتح الحاء المهملة یہ صیغہ واحد مؤنث حاضر بحث امر حاضر معروف از باب فَتَحَ، شَحَذَ، یَشْحَذُ، شَحْذًا، السکین، ونحو، بمعنیٰ چھری تیز کرنا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۹) اَضْجَعَ: یہ فعل ماضی واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے از باب افعال اَضْجَعَ یُضْجِعُ اِضْجَاعًا بمعنیٰ وَقَذَهٗ عَلٰی جَنْبِهٖ یعنی پہلو کے بَل لٹانا۔

حدیث شریف کی تشریح: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے لیے ایسا سینگ دار مینڈھا لانے کا حکم دیا جو سیاہی میں چلتا ہو۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاؤں سیاہ ہوں اور سیاہی میں بیٹھتا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا پیٹ سیاہ ہو اور سیاہی میں دیکھتا ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی آنکھوں کے اردگرد سیاہی ہو "یطافی سواد أی یطأ الارض ویمشی في سوادی رجلاه اسود ان یبرک في سوادی کان بطنه وصدره اسود وینظر في سواد ای اسواد العین قال الطیبی وقیل اسود حوالی العین. (حاشیہ:۲، ابوداؤد:۲/۳۸۶)

باقی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخر میں فرمایا: اللّٰهم تقبل اس سے مراد یہ ہے کہ صرف ثواب میں اپنی امت کو شریک کیا ہے ورنہ ایک جانور کی قربانی دو آدمیوں کی طرف سے نہیں ہوسکتی۔

(ج) قربانی کن لوگوں پر واجب ہے؟ قربانی ہر مقیم، آزاد، مسلمان، عاقل، بالغ، مالکِ نصاب پر واجب ہے اور مالکِ نصاب وہ شخص ہے جس کے پاس یا جس کی ملک میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اتنی قیمت کی کوئی اور چیز حاجتِ اصلی سے زائد ہو تو اس پر قربانی واجب ہے۔ (بحرالرائق:۸/۱۷۳)

سوال:۳۹، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۲۹

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ عَائِشَةَ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا) قَالَتْ اِنَّ الشَّمْسَ خَسَفَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ مُنَادِيًا اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِيْ رَكْعَتَيْنِ وَاَرْبَعَ سَجَدَاتٍ قَالَتْ عَائِشَةُ مَارَكَعْتُ رُكُوْعًا قَطُّ وَلَاسُجُوْدًا قَطُّ كَانَ اَطْوَلَ مِنْهُ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجیے (ب) صلوٰۃ الکسوف میں رکوع کی تعداد میں ائمہ کرام کے مذاہب بیان کیجیے اور بتلایئے کہ حدیثِ باب کس کی دلیل ہے اور احناف اس کا کیا جواب دیتے ہیں؟ (ج) عہد نبوی میں یہ واقعہ کب پیش آیا تھا اور حضورؐ نے کیا تقریر کی؟ (د) صلوٰۃ الکسوف میں خطبہ کے بارے میں ائمہ کے مذاہب لکھئے۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں (ہجرت کے بعد) سورج گہن واقع ہوا؛ چنانچہ آپ نے منادی کو (لوگوں کے) درمیان بھیجا کہ وہ آواز لگائے کہ ''الصلاۃ جامعۃ'' چنانچہ جب لوگ جمع ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی جس میں چار رکوع اور چار سجدے کیے (یعنی پہلی رکعت میں دو رکوع، دو سجدہ اسی طرح دوسری رکعت میں بھی) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (جتنے طویل رکوع وسجدے میں نے اس دن کیے) اس سے زیادہ طویل میں نے کبھی نہ رکوع کیا اور نہ سجدہ کیا۔

(ج) صلوٰۃ الکسوف میں رکوع کی تعداد میں ائمہ کرام کے مذاہب:

حضرت امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ہر رکعت میں دو، دو رکوع ہیں تو دو رکعتوں میں مجموعی طور پر چار رکوع ہوگئے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

حدیثِ باب کس امام کا مستدل ہے اور احناف کی طرف سے اس کا جواب:

مذکورہ حدیث شریف ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کا مستدل ہے۔ اور اس حدیث شریف کا جواب یہ ہے کہ:

(۱) صلوٰۃ الکسوف کے اندر تعدادِ رکوع کے بارے میں روایات متعارض و مضطرب ہیں، لہٰذا تعارض و اضطراب کی بنیاد پر روایات قولیہ سالم عن الاضطراب و

التعارض کو ترجیح دی جائے گی اور احناف کی دلیلیں اسی نوع کی ہیں۔

(۲) صاحبِ ہدایہ نے حدیثِ عائشہؓ کا جواب دیا ہے کہ: مرد بمقابل عورتوں (حضرت عائشہؓ وغیرہ) کے زیادہ مطلع ہو سکتے ہیں؛ کیوں کہ قریب الی الامام تھے اور ابن عباسؓ کی جو ایک روایت ہے اسی طرح کی تو وہ بھی بچوں کی صفوں میں تھے، لہٰذا ان سے مقدم لوگوں کے اقوال زیادہ معتبر ہوں گے۔

(۳) خود راوی حدیث حضرت عائشہؓ کا مذہب اس کے خلاف ہے اور جب راوی کا مذہب اپنی روایت کے خلاف ہو تو روایت قابلِ استدلال نہیں ہوتی۔

(د) سورج گہن عہد رسالت میں کب واقع ہوا مندرجہ ذیل ہے: اس سلسلے میں دو روایات ہیں:

پہلی روایت جس کی تصحیح ابن حبّان نے کی ہے اس میں منقول ہے کہ کسوفِ شمس جمادی الآخر ۵ھ میں واقع ہوا۔ (مرقات: ۵۸۳/۳)

دوسری روایت حضرت جابرؓ کی ہے جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سورج گہن حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر ۱۰ھ نبوی میں پیش آیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کیا تقریر فرمائی ہے؟ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوفِ شمس کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ شمس وقمر یہ دونوں نشانیاں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ بھیجتے ہیں اور کسوف شمس نہ تو کسی کی موت کی وجہ سے ہوتا ہے اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے بل کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کی نشانیوں سے اپنے بندوں کو ڈراتے رہتے ہیں، پس اگر تم اس طرح کی نشانیوں کو دیکھو تو اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے اس کی یاد اور دعاء و استغفار میں مشغول ہو جاؤ۔ (مرقات: ۵۹۰/۳-۵۹۱)

(ہ) صلوٰۃ الکسوف میں خطبہ کے بارے میں ائمہ کے مذاہب: حضرت

امام شافعیؒ کے نزدیک صلوٰۃِ کسوف میں خطبہ دینا مستحب ہے؛ لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک صلوٰۃ الکسوف میں خطبہ مشروع نہیں ہے۔

سوال: ۴۰، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۵۷ (داخلہ ۱۴۳۴ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاجَلَبَ وَلَاجَنَبَ وَلَاتُؤْخَذُ صَدَقَاتِهِمْ إِلَّافِيْ دُوْرِهِمْ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) "لاجلب ولاجنب" کے دو مطلب ہیں، آپ ان دونوں مطلب کو بوضاحت تحریر کریں (ج) اور بتائیں کہ "ولا تؤخذ صدقاتهم" کی کس مطلب سے مناسبت ہے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب کی سند سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے مویشیوں کو اپنے پاس نہ کھچوائے اور نہ زکوٰۃ ادا کرنے والا مویشیوں کو لے کر دُور چلا جائے؛ بلکہ مویشیوں کی زکوٰۃ ان کے مکان پر لی جائے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) "لاجلب ولاجنب" کے مطلب کی وضاحت: "جلب" کے لغوی معنیٰ اپنی طرف کھینچنا اور "جنب" کے معنیٰ معہود جگہ سے دُور ہونا۔ "جلب" اور "جنب" کی دو صورتیں ہیں:

(۱) پہلی صورت تو زکوٰۃ میں ہوتی ہے، "جلب" کی صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا کسی جگہ آکر ٹھہرتا ہے اور اربابِ اموال کو حکم دیتا ہے کہ سب اپنی اپنی زکوٰۃ یہاں لاکر دے دیں، اس سے عاملوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا؛ کیونکہ اس صورت میں

مال والوں کو بہت تکلیف ہوگی، عامل کو حکم ہے کہ خود جگہ میں جا کر زکوٰۃ وصول کرلیں۔

اور ''جنب'' کی صورت یہ ہے کہ ساعی کی خبر سن کر ارباب اموال اپنی معہود جگہ چھوڑ کر دُور دراز مال لے جائیں، اس سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا؛ تاکہ ساعی کو مشقت نہ ہو۔

(۲) اور دوسری صورت بیع میں ہوتی ہے۔ ''جلب'' کی صورت یہ ہے کہ باہر سے کوئی قافلہ مالِ تجارت لا رہا ہو اور ایک آدمی شہر کے باہر جا کر راستہ میں تمام مال خرید لیتا ہے۔

اور ''جنب'' کی صورت یہ ہے کہ شہر کا کوئی تاجر کسی باہری تاجر کے پاس سب مال بیچ ڈالے تو ان دونوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا؛ کیونکہ اس سے شہر والوں کو ضرر ہوتا ہے، اگر ضرر نہ ہو تو پھر جائز ہے۔ (درسِ مشکوٰۃ: ۱۶۶/۲)

(ج) "ولا تؤخذ صدقاتهم" کی مناسبت: اور یہ بات روزِ روشن کے مانند عیاں ہے کہ "لاتؤخذ صدقاتهم" یہ پہلے مطلب سے مناسبت رکھتا ہے، یعنی ''لا جلب ولا جنب'' زکوٰۃ والی صورت کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔

سوال: ۴۱، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۵۸ (داخلہ ۱۴۳۵ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَبِي سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةٌ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) زمین کی پیداوار میں، چاندی اور اونٹوں میں زکوٰۃ کا نصاب اور اس میں ائمہ کا اختلاف تحریر کریں (ج) یہ حدیث اگر احناف کے خلاف ہو تو اس کا جواب لکھئے اور احناف کے دلائل بھی تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ وسق سے کم کھجوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے، پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

(ب) زمین کی پیداوار کا نصاب: اس پر سب کا اتفاق ہے کہ زمین کی پیداوار میں (عشر یا نصف عشر کی صورت میں) زکوٰۃ فرض ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ اس (عشر یا نصف کے وجوب کے لیے کوئی نصاب مقرر ہے یا نہیں؟) امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے ساتھ صاحبین بھی اس کے قائل ہیں کہ زمین کی پیداوار (غلّوں اور پھلوں) کا نصاب مقرر ہے، یعنی پانچ وسق، جیسا کہ اس حدیث میں بیان ہوا۔

ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اس حدیث کے مطابق زمین کی پیداوار اگر پانچ وسق یا اس سے زیادہ حاصل ہو تو اس میں دسواں حصہ (عشر) نکالنا واجب ہے، اور پیداوار اگر پانچ وسق سے کم حاصل ہے تو اس میں دسواں حصہ نکالنا واجب نہیں ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ اس بات کے قائل ہیں کہ زمین کی پیداوار کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ زمین کی پیداوار جس قدر بھی حاصل ہو اس میں سے دسواں حصہ نکالنا واجب ہے۔

ان کا استدلال ایک تو سورۂ بقرہ کی آیت ﴿اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ سے ہے اور دوسری ان احادیث سے جو کتبِ صحاح میں آئی ہیں۔

(۱) مثلاً حضرت ابن عمرؓ کی یہ حدیث جو صحیح بخاری میں مرفوعاً ہے۔ **فيما سقت السماء والعيون العشر.**

(۲) حدیث جابرؓ **فيما سقت الأنهار الغيم العشور.**

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۳)ماأخرجته الأرض ففيه العشر. مذکورہ آیت اوراحادیث عام ومطلق ہے جن میں وجوبِ عشر کے لیے نصاب کی قید مذکور نہیں ہے۔

واضح یہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں فتویٰ ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے۔

چاندی کا نصاب: اواق: اوقیۃ کی جمع ہے، اور ایک اوقیہ، چالیس درہم (یعنی ساڑھے دس تولہ یا ۲۲۰ گرام ۴۷۲ ملی گرام) چاندی کے برابر ہوتا ہے، اس طرح پانچ اوقیہ دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ ہیں۔

پس اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ چاندی کا نصاب دوسو درہم ہیں، اس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور اگر کسی کے پاس دوسو درہم ہوں اور ان پر پورا ایک سال گزر جائے تو ان میں سے چالیسواں حصہ یعنی پانچ درہم بطورِ زکوٰۃ ادا کرنا اس پر فرض ہوجاتا ہے۔

اونٹوں میں زکوٰۃ کا نصاب: اونٹوں میں زکوٰۃ کا بنیادی نصاب پانچ ہے۔ یعنی پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، حضرت ابوبکرؓ کے اس نوشتہ میں اونٹوں کا جو نصاب مذکور ہے وہ اس طرح ہے کہ:

۵ سے ۹ اونٹوں تک پر ایک بکری۔

۱۰ سے ۱۴ تک پر دو بکریاں۔

۱۵ سے ۱۹ تک پر تین بکریاں۔

۲۰ سے ۲۴ تک پر چار بکریاں۔

گویا پانچ سے ۲۴ کا سیدھا حساب یہ ہوا کہ ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری واجب ہوتی ہے، پھر ۲۴ کے بعد آگے جو نصاب چلتا ہے اس میں بکری کے بجائے اونٹوں ہی میں کا مادہ بچہ (بتفاوت عمر) واجب ہوتا ہے۔

چنانچہ:

۲۵ سے ۳۵ تک ایک بنت مخاص۔

۳۶ سے ۴۵ تک پر ایک بنت لبون۔

۴۶ سے ۶۰ تک پر ایک حقہ۔

۶۱ سے ۷۵ تک پر ایک جذعہ۔

۷۶ سے ۹۰ تک پر دو بنت لبون۔

۹۱ سے ۱۲۰ تک پر دو حقہ۔

تفصیل کے لیے مظاہر حق (ج ۲، ص ۵۹۱) میں رجوع فرمائیں۔

(ج) احناف کی طرف سے حدیثِ مذکور کا جواب: مذکورہ حدیث احناف کے خلاف ہے؛ کیوں کہ حضرت ابوحنیفہؒ اس کے قائل ہیں کہ زمین کی پیداوار کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہے، زمین کی پیداوار جس قدر بھی حاصل ہو، اس میں سے دسواں حصہ نکالنا واجب ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

احناف کے دلائل:

(۱) آیت: ﴿وَاَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾.

(۲) آیت: ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾.

(۳) الحديث الذي روي عن ابن عمرؓ في الصحيح البخاري وفي اخرجه يماسقت السماء العيون العشر.

(٤) حديث جابرؓ المذكور في الصحيح المسلم وفي اخره فيما سقت الأنهار والغيم العشور.

یہ مذکورہ آیتیں اور حدیثیں مطلق اور عام ہیں جن میں وجوبِ عشر کے لیے نصاب کی قید مذکور نہیں ہے، جن سے واضح ہوتا ہے کہ عشری زمین کی ہر قلیل وکثیر پیداوار پر عشر واضح ہے، اور جہاں تک حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث کا تعلق ہے، تو اس کے بارے میں حنفیہ کی طرف سے جو مختلف توجیہات منقول ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ پانچ وسق کا جو نصاب بیان ہوا ہے وہ ان غلوں اور پھلوں کا نہیں ہے، جو

اپنی زمین اور کاشت کی پیداوار کے ذریعہ حاصل ہوئے ہیں؛ بلکہ ان غلوں اور پھلوں کا ہے جو تجارت کے لیے کسی اور ذریعہ سے حاصل کیے گئے ہیں۔ (مظاہر حق)

سوال:۴۲، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۵۸ (داخلہ ۱۴۲۴ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُوْنُ أَوْ كَانَ عُشْرِيًّا اَلْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) پیداوار کی زکوٰۃ کے لیے نصاب ضروری ہے یا نہیں؟ امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ کا مذہب نقل کر کے ہر ایک کی دلیل تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زمین کو آسمان (بارش) نے یا (قدرتی چشموں نے سیراب کیا ہو یا جو زمین تر و تازہ ہو تو اس (زمین کی پیداوار) میں عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہے اور وہ زمین جس کو بیل یا اُونٹ کے ذریعہ کنویں سے سیراب کیا گیا ہو اس کی پیداوار میں صرف عشر واجب ہوتا ہے۔ (بخاری) حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ وسق سے کم کھجوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے، پانچ اوقیہ سے کم

چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم)

(ب) پیداوار کی زکوٰۃ کے لیے نصاب ضروری ہے یا نہیں؟

(۱) صاحبین رحمہما اللہ اِس بات کے قائل ہیں کہ زمین کی پیداوار کا نصاب مقرر ہے، یعنی پانچ وسق۔

دلیل: قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم: لیس فیما دون خمسة أوسق من التمر صدقة. صاحبین رحمہما اللہ کا کہنا ہے کہ اِس حدیث کے مطابق زمین کی پیداوار خواہ وہ کھجوروں کی صورت میں ہو یا پھلوں یا گیہوں کی صورت میں، اگر پانچ وسق یا اس سے زائد ہو تو اس میں سے دسواں حصہ (عشر) نکالنا واجب ہے، اگر پانچ وسق سے کم ہو تو نکالنا واجب نہیں ہے۔

(۲) حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اِس بات کے قائل ہیں کہ زمین کی پیداوار کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہے، ان کا کہنا ہے کہ زمینی پیداوار جس قدر بھی حاصل ہو، خواہ بہت ہو یا کم، اس میں سے دسواں حصہ نکالنا واجب ہے۔

دلیل (۱): قولہ تعالٰی: ﴿وَاَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾.

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(۲): ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾.

(۳): قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم: فیما سقت السماء والعیون العشر.

یہ آیات اور حدیثیں مطلق ہیں، پانچ وسق کے ساتھ مقید نہیں۔ (مظاہر حق)

سوال: ۴۳، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۶۰ (داخلہ ۱۴۳۳ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ

وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ الْاُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَمَرَبِهَا اَنْ تُؤَدِّىَ قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلٰوةِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھئے اور بتایئے کہ صدقۂ فطر فرض ہے یا واجب؟ اگر واجب ہے تو حدیث میں لفظ فرض کی کیا توجیہ ہوگی؟ نیز بتائے کہ عید کی نماز سے پہلے صدقۂ فطر نکالنے کا حکم کس مقصد سے دیا گیا ہے؟ اگر کوئی شخص بعد میں نکالے تو کیا حکم ہے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں سے ہر غلام، آزاد، ہر مرد و عورت اور ہر چھوٹے و بڑے پر کھجور کا ایک صاع یا جو کا ایک صاع زکوٰۃ الفطر (صدقۂ فطر) کے طور پر دینا فرض کیا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (صدقۂ فطر) کے متعلق یہ حکم دیا ہے کہ لوگوں کے (عید الفطر کی) نماز کے لیے جانے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔

(ب) حدیث شریف کا مطلب: حدیثِ مذکور کا مطلب یہ ہے کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں میں سے ہر غلام اور آزاد اور ہر مرد اور عورت اور چھوٹے اور بڑے، ہر ایک پر صدقہ واجب کیا گیا ہے، اور ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم بھی دیا کہ صدقۂ فطر عید الفطر کی نماز کے لیے جانے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔

صدقۂ فطر فرض ہے یا واجب؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک صدقۃ الفطر فرض ہے، پس اس حدیث میں فرض کا جو لفظ آیا ہے وہ ائمہ ثلاثہؒ کے یہاں اپنے ظاہری معنیٰ پر محمول ہے۔

مگر حنفیہ کہتے ہیں کہ اس صدقۂ فطر کا ثبوت دلیلِ قطعی سے نہیں ہے، لہٰذا اس کو اعتقادی فرض تو نہیں کہا جا سکتا، ہاں! زیادہ سے زیادہ عملی فرض کہا جا سکتا ہے، جس کا

ماحصل یہ نکلتا ہے کہ اس کو واجب مانا جائے، پس فرض کیا ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور ایک روایت کے مطابق صدقۂ فطر امام مالکؒ کے یہاں سنتِ مؤکدہ ہے؛ چناں چہ جو مالکی فقہاء اس کے سنت مؤکدہ ہونے کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں مذکر ''فرض کیا'' سے مراد یہ ہے کہ مقرر کیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: یہ حدیث ہے: **إن صدقة الفطر حق واجب على كل مسلم.**

عید کی نماز سے پہلے صدقۂ فطر نکالنے کے حکم کا مقصد: یہ حکم اس اعتبار سے دیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے حدیث ہے کہ صدقۂ فطر قبل الصلوٰۃ ادا کرنا یہ زکوٰۃ مقبولہ میں سے ہے اور بعد الصلوٰۃ ادا کرنا یہ صدقۃ من الصدقات ہے، پس معلوم ہوا کہ قبل الصلوٰۃ ادا کرنا یہ اقرب الی المقبول ہے۔

نیز صدقۂ فطر کا مقصد حاجت مندوں کی حاجت پوری کرنا اور حاجت مندوں کی حاجت مکمل طور پر پوری تو اس وقت ہوگی جب کہ صدقۂ فطر کو قبل الصلوٰۃ ادا کیا جائے؛ تاکہ وہ حاجت مند لوگ اپنی ضروریات وحاجات کو پوری کر کے غنی کے مشابہ ہو جائیں۔

صدقۂ فطر کا عید الفطر کی نماز کے لیے جانے سے پہلے ادا کرنا مستحب ہے اور جائز اس کے بعد ادا کرنا بھی ہے، دراصل حنفیہ اس کے قائل ہیں کہ صدقۂ فطر کی ادائیگی علی الفور واجب نہیں؛ بلکہ اس میں توسع ہے، لہٰذا پوری زندگی کے کسی بھی حصہ میں ادا کیا جائے تو وہ ادا ہی ہوگا، قضاء شمار نہیں ہوگا۔

لیکن دوسروں کے یہاں یہ مسئلہ اس سے مختلف ہے؛ چنانچہ شافعیہ کے یہاں صدقۂ فطر کا ادا کرنا خاص عید کے دن کے ساتھ مقید ہے ان کے نزدیک عید کا دن گزرنے کے بعد ادا کیا جانے والا صدقۂ فطر ادا نہیں ہوگا؛ بلکہ قضا ہے، حنابلہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال:۴۴، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۶۰ (داخلہ ۱۴۲۶ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ اُمِّ سَلَمَةَؓ قَالَتْ: كُنْتُ اَلْبَسُ اَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَكَنْزٌ هُوَ فَقَالَ مَابَلَغَ اَنْ تُؤَدِّىَ زَكَاتُهٗ فَزُكِّىَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ. (رواه مَالِكٌ وَ اَبُوْدَاوٗدَ)

(الف) حدیث شریف پر اعراب لگا کر کا ترجمہ ومطلب لکھیں (ب) زیوروں کی زکوٰۃ کے بارے میں فقہاء کے مذاہب اور ان کے دلائل تحریر کریں (ج) اور بتائیں کہ یہ روایت کس کا مستدل ہے؟ اور فریقِ ثانی کا کیا جواب ہے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں سونے کا وضح و کڑا پہنتی تھی تو میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا اس کا شمار بھی کنز (یعنی وہ سونے چاندی جن کے جمع کرنے پر قرآن میں وعید نازل ہوئی ہے) میں ہوتا ہے؛ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو چیزیں اتنی مقدار میں ہوں کہ ان کی زکوٰۃ ادا کی جائے (یعنی نصاب تک پہونچ جائیں) پس اس کی زکوٰۃ ادا کردی گئی تو وہ کنز میں شامل نہیں ہوں گی۔

حدیث شریف کا مطلب: حدیثِ پاک کا حاصل یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے اندر جب یہ آیت اُتری: ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ الخ﴾ تو تمام صحابہؓ اِس بات کا خیال رکھتے کہ کہیں میں اِس کا مصداق نہ بن جاؤں اور اصحابِ رسولؐ سونا، چاندی، درہم ودنانیر وغیرہ جمع کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے، حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی خوف کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ میں جو سونا چاندی استعمال کرتی ہوں کیا مَیں بھی آیت کا مصداق ہوں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ: آیتِ کریمہ میں مطلقاً جمع کرنے اور استعمال کرنے کو منع نہیں فرمایا؛ بلکہ وہ مال ''کنز'' ہے، جس کو بغیر زکوٰۃ ادا کیے جمع کر رکھا ہو؛ لہٰذا اے اُمِّ سلمہ! تم استعمال کرتی رہو۔

(ب) زیوروں کی زکوٰۃ کے بارے میں فقہاء کے مذاہب مع دلائل:

(۱) ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک عورتوں کے زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

دلیل: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلم: ليس في الحلي زكاة.

(۲) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورتوں کے زیورات میں بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

دلیل: عن أمّ سلمة رضي الله عنها قال كنت البس أوضاحا من ذهب، فقلت يا رسول الله! أكنز هو؟ فقال: ما بلغ أن تؤدى زكاته فزكى فليس بكنز. (مرقات)

(ج) یہ روایت کس کا مستدل ہے؟ اور فریقِ مخالف کی طرف سے جواب:

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

یہ حدیث ائمہ احناف کی مستدل ہے۔

جواب: یہ حدیث اور اس کے علاوہ جن احادیث سے زیورات کے اندر زکوٰۃ کے وجوب کا ثبوت ہوتا ہے، ان کے بارے میں ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد غیر مباح زیورات ہیں۔ اور مباح زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے قال أحمد لا زكوة في الحلى المباح. (مرقاۃ: ج۴، ص۳۱۹/)

سوال: ۴۵، مشکوٰۃ شریف: ص۱۶۱/ (داخلہ ۱۴۳۷ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ فِيْ بَرِيْرَةَ ثَلَاثُ سُنَنٍ إِحْدىٰ السُّنَنِ أَنَّهَا عُتِقَتْ فَخُيِّرَتْ فِيْ زَوْجِهَا، وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجَوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ وَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْبُرْمَةُ تَفُوْرُ بِلَحْمٍ، فَقُرِّبَ إِلَيْهِ خُبْزٌ وَ اُدْمٌ مِنْ اُدْمِ الْبَيْتِ فَقَالَ اَلَمْ اَرَ بُرْمَةً فِيْهَا لَحْمٌ؟ قَالُوْا بَلٰى، وَلٰكِنْ ذَالِكَ لَحْمٌ تُصُدِّقَ بِهٖ عَلٰى بَرِيْرَةَ وَ اَنْتَ لَاتَاْكُلُ الصَّدَقَةَ، قَالَ هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مذکورہ لفظ سنن کی مراد بتائیں (ج) حدیث پاک کی تشفی بخش تشریح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ بیان فرماتے ہیں کہ بریرہ کے تعلق سے تین شرعی احکام ظاہر ہوئے، ایک یہ کہ جب وہ آزاد ہوئی تو اس کو اپنے خاوند کے نکاح کے بارے میں اختیار دیا گیا، اور دوسرا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ولاء یعنی میراث کا حق آزاد کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے اور تیسرا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تشریف لائے تو ہانڈی میں گوشت اُبل رہا تھا (گوشت پک رہا تھا) پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے روٹی اور گھر کے سالنوں (یعنی سرکہ وغیرہ) میں سے ایک سالن پیش کیا گیا تو فرمایا کیا میں نے وہ ہانڈی نہیں دیکھی جس میں گوشت ہے؟ گھر والوں نے عرض کیا، بے شک (آپ نے ہانڈی میں گوشت پکتے ہوئے دیکھا) لیکن یہ گوشت صدقہ کا ہے جو بریرہؓ کو ملا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ نہیں کھاتے ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ گوشت اس (بریرہ) کے لیے صدقہ تھا، اب ہمارے لیے ہدیہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

(ب) **مذکورہ لفظ سنن کی مراد کیا ہے؟** یہاں لفظ سنن کی مراد یہ ہے کہ حضرت بریرہؓ کے سبب سے تین ایسی باتیں سامنے آئیں جنہوں نے مستقل طور پر تین شرعی احکام کی صورت اختیار کر لی۔

(ج) حدیث پاک کی نشفی بخش تشریح: حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک جاریہ یعنی لونڈی تھی، حضرت عائشہؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تھا، بریرہؓ کے سبب سے تین ایسی باتیں سامنے آئیں جنہوں نے مستقل طور پر ہی شرعی احکام کی صورت اختیار کر لی۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ان کی تفصیل:

(۱) خیارِ عتق: بریرہؓ حضرت مغیثؓ نامی ایک غلام کے نکاح میں تھیں، جب حضرت عائشہؓ کے طفیل میں ان کو آزادی نصیب ہوئی تو انہوں نے حضرت مغیث سے کنارہ کر لیا، حضرت مغیث ان کے عشق میں روتے تھے؛ لیکن بریرہؓ ان کے نکاح میں رہنے پر آمادہ نہیں تھیں؛ چنانچہ شارع کی طرف سے ان کو اختیار دیا گیا کہ چاہے اپنے خاوند کے پاس رہیں یا نکاح فسخ کر ڈالیں، ان کو دیا جانے والا یہ اختیار اس شرعی حکم کی بنیاد بنا جس کو فقہاء خیارِ عتق سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی جو لونڈی کسی کے نکاح میں ہو اور وہ آزاد ہو جائے تو شرعی طور پر اس کو اختیار ہے کہ چاہے اس نکاح کو باقی رکھے اور چاہے اس نکاح کو ختم کر دے۔

مگر یہاں اختلاف یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس کو یہ اختیار اسی صورت میں ہے جب اس کا خاوند کسی کا غلام ہو جب کہ حنفی مسلک میں یہ ہے کہ ان کا خاوند خواہ غلام ہو خواہ آزاد ہو دونوں صورتوں میں اس کو اختیار ہوگا۔

(۲) حق ولاء: دوسرا شرعی حکم یہ ظاہر ہوا کہ آزاد کیے ہوئے غلام اور لونڈی کے ولاء (ترکہ) کا حق اس کو حاصل ہوتا ہے جس نے اس غلام یا لونڈی کو آزاد کیا ہے یعنی وہ آزاد شدہ غلام یا لونڈی اگر مر جائے تو آزاد کرنے والا اس کے ترکہ کا حقدار ہوتا ہے۔

(۳) مسئلۂ تملیک: دوسرا شرعی حکم حدیث کے آخری الفاظ "**هو عليها صدقة ولنا هدية**" کی صورت میں سامنے آتا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ صدقہ کی جو چیز جس مستحق کو دینی تھی جب اس تک پہنچ کر اس کے مالکانہ قبضہ میں آ گئی تو صدقہ میں آ گئی تو صدقہ کی معنویت پوری ہو گئی اور اس کا حکم تمام ہوا، اب وہ مستحق صدقہ اپنی

مالکانہ حیثیت کے ساتھ وہ چیز جس کسی کو بھی دے گا خواہ وہ غنی ہو یا ہاشمی ہی کیوں نہ ہوں تو وہ چیز ہدیہ ہوگی، اس کو صدقہ نہیں مانا جائے گا، پس حدیث کے ان ہی الفاظ سے ارباب اُصول نے یہ قاعدہ کلیہ مستنبط کیا ہے کہ تبدلِ ملک مملوک کے اندر اثر انداز ہوتی ہے۔ (مظاہر حق:۶۱۶/۲)

سوال:۴۶، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۶۳

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَاتَحِلُّ لِغَنِيٍّ وَلَالِذِيْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ إِلَّا لِذِيْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ اَوْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ وَمَنْ سَأَلَ النَّاسَ لِيُثْرِيَ بِهٖ مَالَهٗ كَانَ خُمُوْشًا فِيْ وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ رَضْفًا يَأْكُلُهٗ مِنْ جَهَنَّمَ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُقِلَّ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْثِر. (رواه الترمذی)

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب بیان کریں اور خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تحقیق لکھیں (ج) نیز بتائیں کہ دست سوال دراز کرنا کب اور کس کے لیے جائز ہے اور کس کے لیے نہیں؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ غنی کے لیے اور تندرست اور صحیح الاعضاء شخص کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے، ہاں! ایسے فقیر کے لیے جسے زمین پر ڈال دیا گیا ہو سوال کرنا جائز ہے اور اسی طرح اس قرض دار کے لیے بھی جائز ہے جو بھاری قرض میں دبا ہوا ہو اور جو شخص اپنے مال وزر میں زیادتی کے لیے لوگوں سے سوال کرے گا تو قیامت کے دن اس کا سوال کرنا اس کے منہ پر زخم کی مانند ہوگا نیز جہنم میں اس کو گرم پتھر اپنی خوراک

بنائیں گے اب (اختیار ہے) جو چاہے کم سوال کرے اور جو چاہے زیادہ کرے۔

(ب) حدیث شریف کا مطلب: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ: مانگنا حلال نہیں، نہ غنی کے لیے اور نہ تندرست وتوانا اور صحیح الاعضاء کے لیے، ہاں! ایسے فقیر کے لیے مانگنا حلال ہے جو زمین پر بیٹھنا پھٹکا گیا ہو۔ یہکنا یہ ہے شدتِ احتیاجگی اور مفلسی سے یعنی زمین پر ڈال رکھا ہے کہ اُٹھنے کی بھی سکت نہیں رکھتا گویا مطلب یہ ہے کہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا صرف انتہائی محتاجگی ہی کے وقت جائز ہے، اس کے علاوہ اگر کسی نے دوسرے سے بلا حاجت صرف مال میں اضافہ کے لیے سوال کرے تو جہنم میں سوال کو ایسی طاقت دی جائے گی کہ وہ اس کے منہ پر زخم کرے گا اور دوزخ کا گرم پتھر اس کا کھانا ہوگا اب تم خود فیصلہ کرو کہ سوال کر کے مال میں اضافہ کرو گے یا نہیں؟

نیز حدیث کا آخری جملہ "فمن شاء فليقل إلخ" بطورِ تنبیہ وتہدید ارشاد فرمایا جیسا کہ کافروں، ظالموں کے بارے میں بطورِ تہدید قرآن کریم کی یہ آیت ہے: ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا﴾.

خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تحقیق:

(۱) مرة سوی: مرة بكسر الميم أي قوة بمعنی طاقت، سَوِيّ أي صحيح سليم الأعضاء على الكسب، یعنی صحیح وتندرست اور سالم الاعضاء ہونا۔

(۲) فقر: فقر، تنگ دستی، غربت، افلاس محتاجی، جمع مفاقر خلافِ قیاس۔

مدقع: یہ باب افعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے ادقع يدقع ادقاعا فهو مدقع. **الادقاع:** زمین اور مٹی سے لگ جانا، ذلیل ورسوا ہونا، کمائی میں نچلی سطح پر اُتر آنا، انتہائی غریب ہونا، اور فقر مدقع کے معنیٰ رسوا کن غریبی، انتہاء درجہ کی غربت جمع مداقع.

(۳) غرم: غین کے ضمہ کے ساتھ بمعنیٰ ادا کی جانے والی چیز، یا مال میں کسی خیانت اور جنایت کے بغیر ہونے والا نقصان۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

مفظع: یہ بھی بابِ افعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے الافضاع سے اور الإفظاع: بمعنیٰ انتہائی بُرا ہونا، اور غرم مفظع کے معنیٰ جو سخت قرض داری میں پھنس گیا۔

(٤) **لیثری:** یہ الاثراء سے باب افعال کا واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، أي لیکثر بمعنیٰ زیادہ کرنا۔

(٥) **خموشا:** بالضم أي عبسا، خمش، یخمش، خمشا خموشا، چہرہ نوچنا کھسوٹنا، ناخن مارنا، خمش فلانا کسی کی کھال کھسوٹنا، ناخن مار کر زخمی کرنا۔

(٦) **رضفا:** بفتح الراء و سکون الضاد أي حجرا محمیا، بمعنیٰ گرم پتھر، جمع رضوف، رضاف، و أرضاف.

(٧) **لیقل:** یہ اقل یقل اقلالا سے باب افعال کا مضارع واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، بمعنیٰ کم کرنا۔ (مرقات)

(ج) دستِ سوال دراز کرنا کب اور کس کے لیے جائز ہے اور کس کے لیے نہیں؟ اس بارے میں امام احمدؒ سے دو روایتیں ہیں، پہلی روایت جو ان کے مسلک میں زیادہ مشہور ہے، یہ ہے کہ زکوٰۃ لینا اور سوال کرنا اس شخص کے لیے حلال نہیں جو یا تو پچاس درہم چاندی کی قیمت کے برابر نقدی کا مالک ہو یا نوکری اور دوکانداری وغیرہ کی صورت میں ایسا ذریعہ رکھتا ہو جس سے علی الدوام ہر روز اس کی ضروریات و حاجات کے بقدر اس کو آمدنی حاصل ہو جاتی ہو۔

دوسری روایت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں غنی کا اصل معیار آدمی کی حالت ہے جس شخص کو اتنی آمدنی ہو جاتی ہو جس اس کی ضروریات کے لیے کافی ہے اور وہ حالتِ احتیاج میں نہیں ہے تو زکوٰۃ کا لینا اور سوال کرنا اس کے لیے حلال نہیں، اگرچہ از قسم مال وہ کسی بھی چیز کا مالک نہ ہو، اور جو شخص حالت احتیاج میں ہے، اس کے لیے زکوٰۃ کا لینا اور سوال کرنا حلال ہے، اگرچہ وہ بقدرِ نصاب مال کا مالک ہی کیوں نہ ہو، اور یہی قول امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تفصیل یہ ہے کہ جو شخص بقدرِ نصاب مال کا مالک نہ ہو اس کے لیے نہ زکوٰۃ لینا حلال ہے اور نہ سوال کرنا، اور جو شخص بقدرِ مال کا مالک نہ ہو اس کے لیے زکوٰۃ لینا تو حلال ہے؛ مگر سوال کرنا اس کے لیے اسی صورت میں حلال ہوگا، جب اس کے پاس ایک دن کے گزارہ کا بھی انتظام نہ ہو۔ (مظاہرِ حق)

سوال: ۴۷، مشکوٰۃ شریف: ص ۱۷۷ (داخلہ ۱۴۲۷ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَنَسٍؓ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي السَّفَرِ فَمِنَّا الصَّائِمُ وَمِنَّا الْمُفْطِرُ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فِي يَوْمٍ حَارٍّ فَسَقَطَ الصُّوَّامُوْنَ وَقَامَ الْمُفْطِرُوْنَ فَضَرَبُوا الْأَبْنِيَةَ لِيَوْمٍ بِالْأَجْرِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مسافر کے لیے روزہ رکھنا افضل ہے یا افطار کرنا؟ اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل نقل کریں، نیز روایت سے کس امام کی تائید ہوتی ہے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم (دورانِ رمضان) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے ہم میں سے کچھ وہ تھے جو روزے سے تھے اور کچھ وہ تھے جو روزے سے نہیں تھے، پھر جب ہم ایک منزل پر اُترے جو سخت دھوپ اور گرمی کا دن تھا تو صائم یعنی روزہ دار لوگ گر گئے، (یعنی کمزوری کے سبب کام کاج کے لائق نہیں رہے) اور مفطر یعنی روزہ چھوڑنے والے لوگ کھڑے رہے، اور انہوں نے سب کے لیے خیمے کھڑے کیے اور سب اونٹوں کو پانی پلایا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ چھوڑنے والے لوگ آج کے دن بہت سارے ثواب لے گئے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) مسافر کے لیے روزہ رکھنا افضل ہے یا افطار کرنا؟ اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل:

جمہور حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسافر کے لیے افطار اور روزہ دونوں جائز ہیں؛ مگر افضلیت میں اختلاف ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے یا چھوڑنا۔

علماء کرام کا اِس بات میں اختلاف ہے کہ حالتِ سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے یا چھوڑنا؟

(۱) امام احمدؒ، اسحاق بن راہویہؒ، اور سعید بن المسیبؒ ان بزرگوں کے نزدیک مطلقاً روزہ توڑنا افضل ہے۔

ان حضرات کی پہلی دلیل (۱): أنه صلّى الله عليه وسلم قال ليس من البرّ الصوم في السفر.

دوسری دلیل (۲): في آخر الحديث "اولئك العصاة".

(۲) امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں: إن الصوم أفضل لمن يطيق.

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل: آیتِ کریمہ میں مریض اور مسافر کو افطار کی رخصت دینے کے بعد فرمایا: ﴿اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ یعنی عذر کے باوجود روزہ رکھنا افضل ہے۔

روایت سے کس امام کی تائید ہوتی ہے؟ روایت سے امام احمدؒ اور امام اوزاعیؒ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ذهب المفطرون اليوم بالأجر".

سوال: ۴۸، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۸۱

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَنَا وَحَفْصَةُ صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اِشْتَهَيْنَاهُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ فَقَالَتْ حَفْصَةُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ كُنَّا صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اِشْتَهَيْنَا فَاَكَلْنَا مِنْهُ قَالَ

اِقْضِيَا يَوْمًا آخَرَ مَكَانَهُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ" وَذَكَرَ جَمَاعَةٌ مِنَ الْحُفَّاظِ رَوَا عَنِ الزُّهْرِيِّ مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ عَنْ عُرْوَةَ وَهٰذَا اَصَحُّ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) نفلی روزہ توڑ دینے سے قضاء کے لازم ہونے نہ ہونے میں اختلافِ ائمہ لکھیں، "اقضیا یوما اٰخر مکانه" کس امام کی دلیل ہے؟ (ج) امام ترمذیؒ کے کلام کا مقصد اور ھٰذا کا مشارٌ الیہ متعین کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں اور حفصہ دونوں روزے سے تھیں کہ ہمارے سامنے کھانا لایا گیا پس ہمیں اس کے کھانے کی خواہش ہوئی تو اس میں سے ہم نے کھالیا پھر حضرت حفصہ نے کہا یا رسول اللہ! ہم دونوں روزے سے تھیں، پس ہمارے پاس کھانا لایا گیا ہمیں اس کے کھانے کی خواہش ہوئی تو اس میں سے ہم نے کھالیا (لہٰذا ہمارے بارے میں حکم بتلائیں) آپ نے فرمایا کہ اس کے بدلے دوسرے دن بطور قضاء کے روزہ رکھو، اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور حفاظ حدیث کی ایک ایسی جماعت کا ذکر کیا ہے جنہوں نے امام زہریؒ سے او زہریؒ نے عائشہؓ سے بطریقِ ارسال نقل کیا ہے اور اس میں عروہ کا واسطہ مذکور نہیں۔ اور یہی (بطریقِ ارسال) زیادہ صحیح ہے۔

(ب) نفلی روزے کا پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں اور اگر توڑ دے تو...: امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کے نزدیک اتمام ضروری نہیں اور توڑ دینے سے قضاء بھی لازم نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور حسن بصریؒ کے نزدیک پہلے تو اتمام لازم ہے اور اگر کسی عذر سے توڑ دے تو قضا لازم ہے؛ کیونکہ نفل شروع کرنے کے بعد ہمارے نزدیک واجب ہو جاتا ہے۔

امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کی دلیل: یہ حضرت اُمِّ ہانی کی حدیث سے

استدلال پیش کرتے ہیں کہ:عن أم هاني... فلايضرُّكِ ان كان تطوعًا کہ اگر نفل ہے تو توڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور ترمذیؒ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:الصائم المتطوع امير نفسه ان شاء صام وان شاء افطر.

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی دلیل: بڑے دونوں ائمہ پہلی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ پہلے تو قرآن کریم کی آیت سے:﴿وَلَاتُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ﴾ (سورۂ محمد، آیت:۳۳) تو یہاں ابطالِ عمل کی ممانعت کی گئی، لہٰذا اتمام ضروری ہوا اور اتمام نہ کرنے سے اس کی تلافی کے لیے قضا ضروری ہے۔

(۲) دوسری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:اقضيا يومًا اخر مكانه.

(۳) تیسری دلیل حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے دارقطنی میں أنها صامت يومًا فافطرت فامرها النبي صلى الله عليه وسلم ان تقضي يومًا مكانه.

(ج) امام ترمذیؒ کے کلام کا مقصد اور ھٰذا کا مشارٌ الیہ: اس کلام سے امام ترمذیؒ کا مقصد انقطاعِ سند کو ثابت کرنا ہے فقول الترمذي مرسلًا اي منقطعًا. اور ھٰذا کا مشارٌ الیہ مرسل ہونا ہے اي كونه مرسلًا.

سوال:۴۹، مشکوٰۃ شریف:ص/۱۸۳

(الف) عبارت با اعراب: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ عُمَرَ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ اَنْ اَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَالَ فَاَوْفِ بِنَذْرِكَ. (متفق عليه)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) اعتکاف کے لغوی وشرعی معنیٰ اور اقسام لکھیں (ج) نذر کے اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے یا نہیں؟ اختلافِ ائمہ مدلل تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک عمر بن الخطاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے جاہلیت میں یہ نذر مانی تھی کہ ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا (تو کیا مجھ پر اس کو پورا کرنا ضروری ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اپنی نذر پوری کرلو۔

(ب) اعتکاف کے لغوی وشرعی معنیٰ:

الاعتكاف لغة الاقامة على الشيء وحبس النفس عليه یعنی اعتکاف کے لغوی معنیٰ ٹھہرنا اور کسی جگہ جم کر بیٹھنا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

اعتکاف کی اصطلاحی تعریف: في اصطلاح الفقهاء المكث في المسجد من شخص مخصوص بصفة مخصوص، یعنی مخصوص آدمی کا مخصوص صفت کے ساتھ مسجد میں ٹھہرنا۔ (مرقات:۵۹۸)

(۲) هو الاقامة في المسجد واللبث فيه مع الصوم والنية.

(تبیین الحقائق:۱/۳۴۷)

اعتکاف کی اقسام: اعتکاف کی تین قسمیں ہیں:

(۱) واجب: وہ ہے، جو کسی نے نذر مانی ہو یا کسی مسنون اعتکاف کو فاسد کرنے سے اس کی قضاء اجب ہوگئی ہو۔

(۲) سنتِ مؤکدہ کفایہ: وہ ہے جو رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اکیسویں شب سے عید کا چاند دیکھنے تک کیا جاتا ہے۔

(۳) مستحب: وہ ہے جو کسی وقت بغیر نذر کیا جائے۔ اس کے لیے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک کم از کم ایک ساعت سے بھی ہوسکتا ہے یہی امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا قول ہے۔ (هكذا ذكره العيني)

(ج) نذر کے اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے یا نہیں؟ علامہ عینیؒ کے قول کے مطابق امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کے نزدیک صوم شرط نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ کے نزدیک اعتکاف نذر کے لیے صوم ضروری ہے بغیر صوم اعتکاف ہوگا ہی نہیں اور یہی امام شافعیؒ کا قول قدیم تھا۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی دلیل: (۱) یہ دلیل پیش کرتے ہیں حدیث ابن عمرؓ سے کہ اس میں ایک رات کے اعتکاف کا ذکر ہے اور ظاہر بات ہے کہ رات محل صوم نہیں اور آپ نے اس کے ایفاء کا حکم دیا تو صاف معلوم ہوا کہ بغیر صوم اعتکاف صحیح ہوسکتا ہے۔

(۲) دوسری دلیل پیش کرتے ہیں حدیث ابن عباسؓ سے کہ فرمایا: **ليس على المعتكف صوم.**

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی دلیل: (۱) وہ دلیل پیش کرتے ہیں حدیث عائشہؓ سے: **لااعتكاف الابصوم.** (ابوداؤد اور مشکوٰۃ: ۱/۱۸۳) (۲) باری تعالیٰ کا فرمان: ﴿ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ وَلَاتُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۸۶) سے استناس ہوتا ہے کہ اعتکاف کے لیے صوم ضروری ہے؛ کیونکہ یہاں صوم کے ساتھ اعتکاف کو ذکر کیا گیا۔

حدیث باب کا جواب: ابن حجرؒ نے کہا کہ یہ امر استحباب کے لیے ہے اور اعتکاف مستحب میں بالاتفاق روزہ شرط نہیں اور اختلاف تو وجوبی اعتکاف میں ہے جس کا تذکرہ اس حدیث میں نہیں ہے۔

حدیث ابن عمرؓ میں جاہلیت سے ابتداء اسلام مراد ہے پس عمرؓ نے اسلام لانے کے بعد نذر مانی تھی؛ لیکن قریش کے ظلم وستم اور ان کی رُکاوٹ کی وجہ سے اس وقت ادا نہیں کرسکے تھے تو یہ جاہلیت کی نذر کہاں ہوئی کہ اس سے استدلال کیا جاسکے۔

سوال: ۵۰، مشکوٰۃ شریف: ص/۱۸۳

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: السُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ أَنْ لَايَعُوْدَ مَرِيْضًا وَلَايَشْهَدَ جَنَازَةً وَلَايَمَسَّ الْمَرْأَةَ وَلَايُبَاشِرَهَا، وَلَايَخْرُجَ لِحَاجَةٍ إِلَّا لِمَا لَابُدَّ مِنْهُ وَلَا اِعْتِكَافَ إِلَّا فِيْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) روایت میں مذکورہ اُمور کی تشریح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ جو شخص اعتکاف میں ہو اس کے لیے سنت ہے (یعنی طریق لازم ہے) کہ وہ مریض کی عیادت نہ کرے (کہ خاص اسی مقصد سے نکلے) اور نہ نمازِ جنازہ میں شرکت کرے اور عورت سے صحبت نہ کرے اور عورت سے مباشرت نہ کرے اور کسی بھی کام کے لیے (مسجد سے) نہ نکلے سوائے اس کام کے جو ضروری ہے اور (جان لو کہ) اعتکاف صحیح نہیں ہوتا ہے اگر روزہ نہ ہو اور اعتکاف صحیح نہ ہوتا ہے اگر مسجد جامع نہ ہو۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) روایت میں مذکورہ اُمور کی تشریح:

(۱) أن لايعود مريضا: یعنی مریض کی عیادت اس طور پر نہ کرے کہ خاص اسی مقصد سے مسجد سے نکلے یا کسی طبعی و شرعی حاجت سے نکلے تو راستہ سے اِدھر اُدھر مڑے یا مریض کے پاس ٹھہرے۔

(۲) ولايشهد جنازة: مطلب یہ ہے کہ باہر جا کر نمازِ جنازہ میں شرکت نہ کرے۔

(۳) ولايمس المرأة: یعنی حالتِ اعتکاف میں صحبت کرنا منع ہے، اگر صحبت کرے تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

(۴) ولايباشرها: مباشرت سے مراد وہ چیزیں ہیں جو صحبت کا باعث بنتی

ہیں؛ اس لیے یہ بھی حرام ہے، فرق صرف یہ ہے کہ صحبت میں تو اعتکاف مطلقاً ٹوٹ جاتا ہے اور مباشرت میں اگر انزال ہو جائے تو ٹوٹ جاتا ہے؛ ورنہ نہیں۔

(۵) ولا اعتكاف إلا بصوم: یہ حنفیہ وغیرہ کی دلیل ہے جن کے نزدیک اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے۔

(۶) والاعتكاف إلا في مسجد جامع: اس عبارت میں جامع مسجد سے کیا مراد ہے؟ اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہاں جامع سے وہ مسجد مراد ہے جس میں پانچوں وقت کی نماز باجماعت پڑھی جاتی ہو اور امام احمدؒ کے یہاں ''جامع'' سے مراد جمعہ کی مسجد ہونا۔ (رحمۃ الامۃ)

سوال: ۵۱، مشکوٰۃ شریف: ص ۱۹۲/

(الف) عبارت بااعراب: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَقْرَأَنِي جِبْرِيْلُ عَلٰى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهُ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيْدُهُ وَيَزِيْدُنِي حَتّٰى انْتَهٰى إِلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ بَلَغَنِي أَنَّ تِلْكَ السَّبْعَةَ الْأَحْرُفَ إِنَّمَا هِيَ فِي الْأَمْرِ تَكُوْنُ وَاحِدًا لَا تَخْتَلِفُ فِي حَلَالٍ وَلَا حَرَامٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) ''سبعة أحرف'' کی مراد متعین کریں، اگر اس بارے میں اختلاف ہو تو اسے لکھ کر قولِ راجح مع دلیل تحریر کریں۔

(ج) نیز ''إنما هي في الأمر تكون واحدا إلخ'' کی تشریح کرتے ہوئے حدیث میں ذکر کردہ واقعہ کی بھی شرح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: ''حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پہلی مرتبہ مجھے ایک قرأت پر قرآن پڑھایا پھر میں نے اپنی امت کی آسانی کے لیے خدا کی طرف مراجعت کی اور میں آسانی میں برابر زیادتی طلب کرتا رہا جس کے نتیجہ میں مجھے زیادہ آسانی حاصل ہوتی رہی، یہاں تک کہ سات قرأتوں تک نوبت پہنچ گئی اور یہ آخری فیصلہ دے دیا گیا کہ قرآنِ کریم سات لغات پر پڑھا جاسکتا ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) کہتے ہیں کہ یہ بات مجھ تک تحقیقی طور پر پہنچی ہے کہ قرأت کے یہ سات طریقے دینی احکام واُمور میں متفق ومتحد ہیں حلال وحرام میں ان سے کوئی اختلاف واقع نہیں ہوتا''۔

(ب) ''سبعة أحرف'' کی مراد مع اختلافِ اقوال وقولِ راجح: حدیث کا یہ ٹکڑا سمجھنا بہت دشوار ہے حتیٰ کہ بعض علماء نے اس کو متشابہات میں سے شمار کیا ہے، عام علماء کے اس جملہ کے سمجھنے میں ۴۰ اقوال ہیں۔

سب سے آسان توجیہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ وسلم کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ احرف حرف کی جمع ہے اور حرف کا اطلاق لغت پر ہوتا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن سات لغات پر اُترا ہے۔ قرآن کا نزول قریش کی لغت پر ہوا تھا؛ لیکن قریش کے علاوہ عرب کے مشہور چھ قبائل تھے سب کی لغات اور قبائل کے نام یہ ہیں:

(۱) لغتِ قریش (۲) لغت بنو طے (۳) لغت بنو تمیم (۴) لغت ہوازن (۵) لغت اہلِ یمن (۶) لغتِ ثقیف (۷) لغت ہذیل۔

ان سات لغات کے تحت قرآن کا پڑھنا جائز قرار دیا گیا تھا، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر لغت میں سات لغات جاری تھیں؛ بلکہ مجموعہ قبائل میں جو اختلافی لغات تھیں وہ مجموعی اعتبار سے سات تک پہنچ جاتی تھیں، نیز یہ حلال وحرام کا اختلاف نہیں تھا۔

اور تفصیل کے ساتھ سوال ۴۸ کا جز ''ب'' ملاحظہ فرمائیں۔

(ج) ''إنما هي في الأمر تكون واحدا إلخ'' کی تشریح: تشریح یہ

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

ہے کہ قراءت کے یہ جو سات طریقے ہیں یہ صرف الفاظ میں ہی ہیں نہ کہ احکام میں داخل ہوں گے، مثلاً ایک قراءت کے اعتبار سے حلال اور دوسری قراءت کے اعتبار سے حرام ہے بالکل ایسا نہیں۔

حدیث میں ذکر کردہ واقعہ کی تشریح: واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات کی اور ان سے فرمایا کہ جبرئیل! میں ایک ناخواندہ قوم کی طرف بھیجا گیا ہوں، میری قوم میں بوڑھی عورتیں اور بڑے بوڑھے مرد ہیں، لڑکے اور لڑکیاں ہیں اور اس قوم میں ایسا شخص بھی ہے جس نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! قرآنِ کریم سات طرح پر اُتارا گیا ہے، لہٰذا جسے جو قرأت آسان معلوم ہو اس کے مطابق قرآن کریم پڑھے۔ (ترمذی)

اور نسائی کی روایت میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ و میکائیل علیہ السلام میرے پاس آئے، جبرئیل علیہ السلام تو میری داہنی طرف بیٹھ گئے اور میکائیل علیہ السلام میری بائیں طرف بیٹھ گئے، اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ "ایک قرأت کے مطابق قرآن پڑھو" یہ سن کر میکائیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ ایک قرأت سے زیادہ طلب کیجیے (یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ سے درخواست کیجیے کہ اور قرأتوں کے مطابق بھی پڑھنے کا حکم دیا جائے یا جبرئیل علیہ السلام سے کہیے کہ اس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کر کے آسانی دلائیں؛ چناں چہ میں زیادتی کرتا رہا اور مجھے زیادہ قرأتوں کی اجازت حاصل ہوتی رہی) یہاں تک کہ سات قرأتوں تک نوبت پہنچ گئی، لہٰذا ان میں سے ہر قرأت شافی اور کافی ہے۔

سوال: ۵۲، مشکوٰۃ شریف: ص ر ۲۰۷ (داخلہ ۱۴۳۱ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ، فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، فَإِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلٰى سَبْعِ مِأَةِ ضِعْفٍ إِلٰى أَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب واضح کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور بُرائیاں لکھیں (یعنی فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ لوحِ محفوظ میں نیکیوں اور بُرائیوں کے بارے میں یہ تفصیل لکھ دیں کہ) جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور وہ اس پر عمل نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنے یہاں اس ارادہ کو ایک پوری نیکی لکھ لیتا ہے، اور جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور پھر اس نیکی کو کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنے یہاں دس گنا سے سات سو گنا تک؛ بلکہ اس سے بھی زیادہ نیکیاں لکھ لیتا ہے، اور جو شخص کسی بُرائی کا ارادہ کرے اور پھر اس بُرائی میں بھی مبتلا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنے یہاں ایک پوری نیکی لکھ لیتا ہے، اور جس شخص نے کسی بُرائی کا ارادہ کیا پھر اس بُرائی میں مبتلا بھی ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہی بُرائی لکھتا ہے۔

(ب) حدیث شریف کا مطلب: حدیث شریف کا مطلب تو ترجمہ ہی سے واضح ہے کہ جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور وہ نیکی کسی وجہ سے نہ کر سکے تو اس کے لیے بھی ایک نیکی اس لیے لکھی جاتی ہے کہ کسی بھی عمل کا ثواب نیت پر موقوف ہے اور مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر اور افضل ہوتی ہے۔

پس جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور پھر اس نیکی کو کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنے یہاں دس گنا سے سات سو گنا تک؛ بلکہ اس سے بھی زیادہ نیکیاں لکھ لیتا ہے، یہ اللہ کا احسان وکرم ہے، برخلاف جو کسی بُرائی کا ارادہ کرے تو پھر اس بُرائی میں مبتلا بھی ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے صرف ایک ہی بُرائی لکھتا ہے۔

سوال:۵۳، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۲۰ (داخلہ ۱۴۲۰ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ: قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا، فَقَالَ رَجُلٌ اكل عام يا رسول اللّٰه؟ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلَاثًا، فَقَالَ لَوْقُلْت: نعم! لَوَجَبَتْ وَلَمَّا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِي مَاتَرَكْتُكُمْ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَااسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں اور مطلب باوضاحت لکھیں (ب) پھر بتائیں کہ احکامِ شرعیہ کا بیان کرنا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرضِ منصبی ہے، پھر سوال کرنے سے کیوں منع کیا گیا ہے؟ کیا ہر قسم کے سوال کرنے سے روکا گیا ہے یا کسی خاص قسم کے سوال سے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں تم پر حج فرض کیا گیا ہے، لہٰذا تم حج کرو، ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم ہر سال حج کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، یہاں تک کہ اس شخص نے تین مرتبہ یہی بات کہی، پھر آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا: کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو یقیناً حج (ہر سال کے لیے) فرض ہو جاتا اور تم (ہر سال حج) کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے تھے، پھر آپ نے فرمایا: جب تک میں تمہیں چھوڑوں تم مجھے چھوڑ دو (یعنی جو کچھ میں نہ کہا کروں مجھ سے مت پوچھا کرو) کیوں کہ جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں، وہ اسی سبب سے پوچھتے اور ان سے اختلاف کرتے تھے، لہٰذا جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو اس میں سے جو کچھ تم کرنے کی طاقت رکھتے ہو کرو، اور جب میں تمہیں کسی بات سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔

حدیث شریف کا مطلب: اللہ تعالیٰ نے جب حج کی فرضیت کا فرمان نازل فرمایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو امت کے اوپر نافذ کرنے کے لیے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ حج کریں؛ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے حج کی فرضیت بیان فرما رہے تھے اور انہیں حج کرنے کا حکم دے رہے تھے تو ایک صحابی جن کا نام اقرع بن حابس تھا پوچھ بیٹھے کہ کیا حج ہر سال کیا جائے گا؟ وہ یہ سمجھے کہ جس طرح دیگر عبادتیں نماز، روزہ، زکوٰۃ، بار بار ادا کی جاتی ہیں اسی طرح یہ حج بھی مقرر ہی ہوگا، اس لیے انہوں نے یہ سوال کیا؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار ہوئی اس لیے آپ نے پہلے تو تنبیہاً سکوت اختیار فرمایا، جب انہوں نے کئی بار پوچھا تو آخر کار آپ نے جواب دیا کہ اگر میں اس سوال کے جواب میں ہاں کہہ دیتا تو یقیناً ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا، تو تم میں اتنی طاقت نہ ہوتی کہ ہر سال اس کی ادائیگی پر قادر ہوتے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا کہ کسی بھی دینی حکم کو مجھ پر چھوڑ دو جب میں کسی فعل کا حکم دوں تو مجھ سے یہ نہ پوچھو کہ یہ فعل کتنا ہے؟ اور کیسا ہے؟ جب تک میں خود یہ بیان نہ کروں کہ یہ فعل کتنا کیا جائے؟ اور کس طرح کیا جائے؟ میں جس طرح کہوں تم بس اس طرح کرو، اگر کسی فعل کے بارے میں بلا قید و تعیین اعداد کے مطلق حکم کروں تو اس حکم کی اسی طرح بجا آوری کرو، اور اگر یہ بیان کروں کہ اس فعل کو اتنی بار اور اس طرح کرو تو اسے اتنی بار اسی طرح کرو۔ (مظاہر حق)

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) سوال سے کیوں منع کیا گیا، اس کی وجہ: احکامِ شرعیہ کا بیان کرنا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرضِ منصبی ہے یہ تو مسلم ہے؛ البتہ مذکورہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطلق سوال سے منع نہیں فرمارہے ہیں؛ بلکہ ایسے سوال سے منع فرمایا جس سے قیل وقال لایعنی کھود وکرید اور لغو تفتیش کی شناعت وقباحت ثابت ہوتی ہے؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند کرتے تھے۔

نیز امام بغوی نے بھی شرح السنۃ میں یہ تصریح کی ہے کہ جو سوالات بطورِ تعلیم ضروری ہوں تو ﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ﴾ کی رو سے ان کا پوچھنا واجب ہے؛ لیکن جو سوالات محض کھود کرید اور ذہنی ورزش کے طور پر کیے جائیں حدیث باب میں انہیں کی ممانعت ہے۔ (مصباح الزجاجہ)

سوال: ۵۴، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۳۳

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَفَضْتُ قَبْلَ اَنْ اَحْلِقَ قَالَ اِحْلِقْ اَوْقَصِّرْ وَلَاحَرَجَ وَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ ذَبَحْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِيَ قَالَ اِرْمِ وَلَاحَرَجَ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) رمی، ذبح، حلق اور طوافِ زیارت میں ترتیب کے وجوب کے سلسلہ میں ائمہ کا اختلاف تحریر کریں (ج) یہ حدیث اگر حنفیہ کے مسلک کے خلاف ہو تو اس کا جواب تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا، اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! تحقیق کہ میں نے سر منڈانے سے قبل طواف افاضہ کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس کو فرمایا سر منڈالے یا کتر والے اور کوئی گناہ نہیں ہے، اور ایک شخص آیا اس نے کہا کہ میں نے کنکریاں پھینکنے سے قبل ذبح کیا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کنکریاں پھینکو اور کوئی گناہ نہیں ہے۔

(ب) رمی، ذبح، حلق اور طوافِ زیارت میں ترتیب کے وجوب کے...:

ان مناسک کا بالترتیب ادا کرنا سنت ہے یا واجب اس میں اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ، امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے نزدیک ان مناسک کا بالترتیب ادا کرنا سنت ہے، خلافِ ترتیب کرنے سے کوئی دم واجب نہیں ہوگا۔

امام احمدؒ کے نزدیک اگر خلافِ ترتیب سہواً، نسیاناً یا جہلاً ہو تو کوئی دم وغیرہ واجب نہیں اور اگر عمداً ہو تو اس کے متعلق دو روایتیں ہیں: (۱) اس کا یہ فعل اگرچہ مکروہ ہے؛ لیکن اس پر دم واجب نہیں (۲) دم واجب ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک تقدیم حلق علی الرمی کی صورت میں واجب ہے؛ لیکن تقدیم حلق علی النحر علی الرمی پر دم واجب نہیں اور تقدیمِ طوافِ زیارت علی الرمی جائز نہیں۔ بہر حال ائمہ ثلاثہ اور صاحبین ایک حد تک عدمِ وجوب ترتیب کے قائل ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پہلے تینوں مناسک کے مابین ترتیب واجب ہے، لہٰذا مطلقاً خلافِ ترتیب کی صورت میں دم واجب ہوگا؛ البتہ طوافِ زیارت کو بقیہ افعال پر مقدم کرنے سے دم واجب نہیں ہوگا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

دلائل ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ:

(۱) حدیثِ باب ہے۔ (۲) عن ابن عباس ماسئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یومئذ عمن قدم شیئا قبل شیء إلّاقال لاحرج لاحرج.

دلیل امام ابو حنیفہؒ:

عن ابن عباسؓ قال من قدّم شیئا من حجه اواخّر، فلیهرق لذلک.

(ج) **حدیثِ باب کا جواب:** اس کا جواب یہ ہے کہ لاحرج سے مراد

وجوبِ دم کی نفی نہیں؛ بلکہ نفی اثم مراد ہے؛ کیونکہ صحابۂ کرام کے لیے یہ حج کا پہلا موقع تھا؛ اس لیے وہ حضرات اکثر مسائل حج سے ناواقف تھے، اور نزولِ احکام کے وقت ناواقفیت عذر بن سکتی ہے، اور نفی اثم وجوب دم کی نافی نہیں، جیسا کہ کسی محرم کو بیماری کی وجہ سے حلق کرنا پڑے تو وہ ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْبِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ. (سورۂ بقرہ، آیت:۱۹۶) کی دلیل سے جائز تو ہے اس پر کوئی گناہ بھی نہیں؛ لیکن اس کے باوجود اس پر دم بالاتفاق واجب ہے، لہٰذا الاحرج سے عدمِ وجوبِ دم پر استدلال صحیح نہیں ہے۔ (ایضاح المشکوٰۃ:۲/۹۳)

سوال:۵۵، مشکوٰۃ شریف:ص/۲۳۵

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ وَلَايَخْطُبُ. (رواه مسلم)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) حدیث میں مذکورہ تینوں مسئلوں کی وضاحت کریں (ج) مذکورہ مسائل میں سے اگر کسی مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہو تو مع دلائل تحریر کرتے ہوئے احناف کے مسلک کو وجہِ ترجیح کے ساتھ تحریر کریں (د) حدیثِ مذکورہ اگر احناف کے خلاف ہو تو اس کی توجیہ تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ محرم کے لیے درست نہیں ہے کہ نکاح کرے اور یہ بھی درست نہیں ہے کہ محرم کسی کا نکاح کرائے اور یہ بھی درست نہیں ہے کہ محرم منگنی کرے۔

(ب) حدیث میں مذکورہ تینوں مسئلوں کی وضاحت: اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کے متعلق تین اہم مسائل بیان کیے ہیں۔ پہلا یہ بیان

کیا ہے کہ حالتِ احرام میں کوئی شخص اپنا نکاح خود نہیں کرسکتا ہے، دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا ہے کہ محرم کسی دوسرے شخص کا نکاح بھی نہیں کراسکتا ہے، واضح رہے کہ "نکح" باب ضرب سے نکاح کرنے کے معنیٰ میں اور "انکح" بابِ افعال سے نکاح کرانے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، اور تیسرا مسئلہ یہ بیان کیا ہے کہ حالتِ احرام میں کوئی شخص نکاح کا پیغام بھی نہیں دے سکتا ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حدیث مذکورہ کے یہ تینوں حکم معمول بہا ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس حدیث میں لفظ "نکاح" بمعنیٰ جماع ہے تو حالتِ احرام میں اس کے حرام ہونے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے اور اگر لفظ "نکاح" بمعنیٰ عقد نکاح کرنا اور کرانا ہے تو حالتِ احرام میں اس کے جواز اور عدمِ جواز کے متعلق فقہاء کرام کا اختلاف ہے جس کی تفصیل اگلے جزئیہ کے تحت آرہی ہے، اب رہا حالتِ احرام میں پیغامِ نکاح کا مسئلہ تو محرم کے لیے یہ عمل تمام فقہاء کے نزدیک مکروہ تنزیہی یعنی خلافِ اولیٰ ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ج) حالتِ احرام میں نکاح کرنے اور کرانے کے متعلق اختلافِ ائمہ:

حالتِ احرام میں نکاح کرنا اور کرانا جائز ہے یا نہیں یہ مسئلہ فقہاء کے مابین مختلف فیہ ہے، چنانچہ اس مسئلہ میں ان حضرات کے دو مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور جمہور فقہاء احناف کا ہے، ان حضرات کے نزدیک احرام کی حالت میں نکاح کرنا اور کرانا دونوں جائز ہیں؛ البتہ محرم کے لیے ایسا کرنا خلافِ اولیٰ ہے۔

دوسرا مذہب: حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ہے، ان حضرات کے نزدیک احرام کی حالت میں نکاح کرنا اور کرانا دونوں ناجائز وحرام ہیں۔

مذہب اوّل کی دلیل اور وجہِ استدلال: مذہب اوّل کے قائلین اپنے مسلک پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے استدلال کیا ہے، بخاری اور

مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے: "ان النبي صلى الله عليه وسلم تزوج ميمونة وهو محرم" حضور علیہ السلام نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے حالتِ احرام میں نکاح کیا ہے، اس روایت سے ان حضرات نے بایں طور استدلال کیا ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے خود احرام کی حالت میں نکاح فرمایا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احرام کی حالت میں نکاح کرنا جائز ہے اگر یہ جائز نہ ہوتا تو حضور علیہ السلام خود ایسا نہ فرماتے، پس آپ علیہ السلام کا اس حالت میں نکاح فرمانا اس کے جواز کی بیّن دلیل ہے۔

مذہبِ دوم کی دلیل اور وجہِ استدلال: مذہبِ دوم کے قائلین نے اپنے مسلک پر حدیث مذکورہ فی السوال سے استدلال کیا ہے، وجہِ استدلال یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس حدیث میں حالتِ احرام کے اندر نکاح کرنے اور کرانے سے منع فرمایا ہے، پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ احرام کی حالت میں نکاح کرنا اور کرانا دونوں حرام ہیں۔

مذکورہ مسئلہ میں مذہبِ اوّل کی وجہِ ترجیح: واضح رہے کہ حالتِ احرام میں نکاح کرنے کے جواز پر احناف کے مسلک کی وجہِ ترجیح یہ ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق جتنی احادیث ہیں وہ باہم متعارض ہیں بعض احادیث سے محرم کے لیے نکاح کا جواز اور بعض سے عدمِ جواز ثابت ہوتا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ کے متعلق روایات میں تعارض ہوجاتا ہے تو قیاس کی جانب رجوع کیا جاتا ہے، پس یہاں بھی قیاس ہی کی جانب رجوع کیا جائے گا اور قیاس یہاں یہ فیصلہ کرتا ہے کہ حالتِ احرام میں حاجی کے لیے تمام عقود مثلاً عقد بیع وغیرہ کرنا جائز ہے پس نکاح بھی منجملہ عقود کے ایک عقد ہے؛ لہٰذا محرم کے لیے اس کا منعقد کرنا بھی جائز ہے؛ البتہ اس کے لیے احرام کی حالت میں وطی کرنا جائز نہیں ہے۔

(د) حدیثِ مذکورہ کی توجیہ: واضح رہے کہ مذکورہ فی السوال یہ حدیث نکاحِ

محرم کے سلسلے میں مسلکِ احناف کے خلاف ہے؛ لیکن احناف اس روایت کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ اس روایت میں محرم کے لیے نکاح نہ کرنے کی جو ممانعت ہے وہ مبنی برتحریم نہیں؛ بلکہ کراہتِ تنزیہی پر محمول ہے اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ حالتِ احرام میں نکاح کرنا (اگرچہ جائز ہے لیکن) مکروہِ تنزیہی ہے۔

سوال:۵۶، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۴۱ (داخلہ ۱۴۲۸ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ جَابِرٍؓ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْأَصْنَامِ فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَرَئَيْتَ شُحُوْمَ الْمَيْتَةِ فَإِنَّهُ تُطْلٰى بِهَا السُّفُنُ، وَيُدَّهَنُ بِهَا الْجُلُوْدُ وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ فَقَالَ لَا هُوَ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ، قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ شُحُوْمَهَا اَجْمَلُوْهُ ثُمَّ بَاعُوْهُ فَأَكَلُوْا ثَمَنَهُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھیں اور بتائیں کہ "قاتل اللّٰہ الیھود" جملہ خبریہ ہے یا انشائیہ؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے شراب مردار خنزیر اور بتوں کی خرید وفروخت کو حرام قرار دیا ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا ہے کہ یا رسول اللہ! ہمیں مردار کی چربی کا حکم بھی بتایئے، جو کشتیوں پر ملی جاتی ہے، نیز اس سے چمڑوں کو چکنا کیا جاتا ہے، اور لوگ اس سے چراغ جلاتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ مردار کی چربی بھی حرام ہے؛

اس لیے اس سے فائدہ اُٹھانا بھی جائز نہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت فرمائیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مردار کی چربی کو حرام قرار دیا تو یہود نے یہ (حیلہ اختیار) کیا کہ وہ چربی کو پگھلاتے اور بیچ ڈالتے پھر اس کی قیمت کھاتے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) حدیث شریف کا مطلب: حدیث پاک کے اندر چند چیزوں کی بیع کے احکام بیان کیے گئے اور ایک اُصول کی طرف بھی اشارہ کیا گیا اُصول یہ ہے کہ جن چیزوں کا استعمال منع ہے ان کی بیع بھی حرام ہے اور اس کے دو چند مثال دی گئی، جیسے بتایا کہ خمر، میتہ، خنزیر اور بت وغیرہ بیچنا حرام ہے؛ کیوں کہ ان کا استعمال حرام ہے۔ پھر صحابہ کرامؓ نے حرام جانوروں کی چربی کا حکم پوچھا کہ اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؛ کیوں کہ وہ انسان کے معیشت میں بہت مفید ثابت ہوا؛ کیوں کہ اس سے کشتی ملی جاتی ہے اور چراغ جلایا جاتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمایا۔

حدیث کے آخری جز میں یہودیوں کی ایک عیاری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان پر مردار کی چربی کو حرام قرار دیا تو انہوں نے یہ حیلہ اختیار کیا کہ وہ چربی کو پگھلا کر اس کو بیچ دیتے تھے، پھر اس کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والے مال کو اپنے استعمال میں لاتے اور یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تو چربی کھانے سے منع فرمایا اور ہم چربی نہیں کھاتے؛ بلکہ اس کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال کھاتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس عیارنہ چال کی وجہ سے مستحق لعنت قرار دیا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ اب ہمارے لیے بھی ایسا حیلہ اختیار کرنا جائز نہیں۔

(مظاہرِ حق)

قاتل اللہ الیھود جملہ خبریہ ہے یا انشائیہ؟ یہ جملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ بددعا فرمایا ہے، اور دعا بددعا۔ کے جملے سب کے سب انشاء ہیں۔

سوال: ۵۷، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۴۵ (داخلہ ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ شِرَاءِ التَّمْرِ بِالرُّطَبِ فَقَالَ: أَيَنْقُصُ الرُّطَبُ إِذَا يَبِسَ؟ فَقَالَ نَعَمْ، فَنَهَاهُ عَنْ ذَالِكَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں اور مطلب لکھیں (ب) زیرِ بحث مسئلہ میں ائمہ کرام کے اختلاف مع دلائل لکھیں (ج) نیز یہ حدیث اگر امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے خلاف ہو تو اس کا مناسب جواب دیں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جب تازہ کھجور کے بدلے (خشک) کھجور خریدنے کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تازہ کھجور خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہے؟ عرض کیا گیا، جی ہاں! چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح لین دین سے منع فرمایا۔

حدیث شریف کا مطلب: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا گیا کہ تازہ کھجور کو خشک کے بدلے خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تازہ کھجور خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہے؟ تو صحابہؓ نے جواب دیا ہاں! تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چوں کہ تازہ کھجور خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہے تو جنس واحد میں مساوی نہ ہونے کی وجہ سے ربا لازم آئے گا؛ اس لیے تم ایسا خرید و فروخت مت کرو۔

(ب) زیر بحث مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرات صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک تر کھجور کو خشک کھجور کے عوض بیچنا جائز نہیں ہے۔

دلیل: ائمہ ثلاثہؒ مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں: عن زيد بن أبي عياش عن سعد بن أبي وقاص، قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عمن اشترى التمر بالرطب فقال أينقص الرطب إذا يبس فقالوا نعم فنهى عن ذلك. اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الرطب بالتمر کو صراحۃً منع فرمایا۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تر کھجور کو خشک کھجور کے عوض برابر سرابر بیچنا جائز ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: رطب درحقیقت تر ہی ہے اور تمر کو تمر کے عوض برابر بیچنا "التمر بالتمر" والی حدیث کی وجہ سے جائز ہے۔

اور رطب تمر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ایک دفع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں خیبر کی کچھ رطب کھجوریں بطورِ ہدیہ پیش کی گئیں، ان کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ فرمایا: أو كل تمر خيبر هكذا، تو اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رطب کو تمر فرمایا معلوم ہوا کہ دونوں ایک ہی جنس ہے، اور اگر دونوں الگ جنس مان لیا جائے تو بطریقہ اولیٰ بیچنا جائز ہے، بہرحال ہر صورت میں بيع الرطب بالتمر جائز ہے۔ (اشرف الہدایہ)

(ج) حدیثِ باب کا جواب:

(۱) صاحبِ ہدایہؒ نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث کا مدار زید بن عیاش پر ہے اور وہ ضعیف ہے، فلا يصح الاستدلال به، ومدار هذا الحديث على زيد بن عياش وهو ضعيف عند النقلة.

(۲) علامہ عبدالحیؒ نے یہ جواب دیا کہ سائل نے یہاں بیع الرطب بالتمر نسیئۃً کا سوال کیا اور یہ بالاتفاق جائز نہیں ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں سائل کسی یتیم کا وصی تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یتیم کے لیے یہ تصرف فائدہ مند نہیں ہے، لہٰذا ازراہِ شفقت اس سے منع فرمایا نہ کہ حکم اصلی بیان کیا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال:۵۸، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۴۶-۲۴۹ (داخلہ ۱۴۳۸ھ)

(الف) عبارت با اعراب: عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَالْمُعَاوَمَةِ وَالثُّنْيَا وَرَخَّصَ فِي الْعَرَايَا. وَعَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَسِيْرُ عَلٰى جَمَلٍ لَهُ قَدْ أَعْيٰى فَمَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِهِ فَضَرَبَهُ فَسَارَ سَيْرًا لَيْسَ يَسِيْرُ مِثْلَهُ ثُمَّ قَالَ بِعْنِيْهِ بِوُقِيَّةٍ قَالَ فَبِعْتُهُ فَاسْتَثْنَيْتُ حُمْلَانَهُ إِلٰى أَهْلِيْ فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ أَتَيْتُهُ بِالْجَمَلِ وَنَقَدَنِيْ ثَمَنَهُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق اور مرادی معنیٰ تحریر کر کے دونوں حدیثوں میں اگر کہیں تعارض ہو تو اس کو دور کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت جابرؓ نے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے محاقلہ، مزابنہ، مخابرہ اور معاومہ سے اور استثناء کرنے سے (یعنی بوقتِ بیع نامعلوم مقدار کا استثناء کرنا) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے عرایا میں۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ وہ اپنے اونٹ پر سفر کر رہے تھے جو کہ تھک (کر سست رفتار ہو) چکا تھا، سو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے (اور دیکھا کہ اونٹ تھک چکا ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ کو مارا، تو پھر وہ اس طرح (تیز رفتار) چلنے لگا کہ دوسرا اونٹ اس کے مانند نہیں چلتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (تیز رفتاری) کے بعد فرمایا: تم اس کو ایک اوقیہ چاندی کے عوض مجھ کو فروخت کر دو۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اونٹ فروخت کر دیا اور اپنے گھر پہونچنے تک اس پر سوار ہونے کو مستثنیٰ کر لیا؛ چناں چہ جس وقت میں مدینہ آ گیا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اونٹ لے کر حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس کی قیمت عنایت فرمائی۔

(ب) خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق اور مرادی معنیٰ:

(۱) **المحاقلة:** محاقلة کے لغوی معنیٰ: یہ حقل بمعنیٰ زرع (کھیتی) سے مفاعلۃ کا مصدر ہے۔

اس کے مرادی معنیٰ میں مختلف اقوال ہیں:

(۱) مشہور معنیٰ یہ ہے کہ خوشہ کے اندر جو گیہوں ہے اس کو کٹے ہوئے گیہوں سے بیچنا۔

والمحاقلة أن يباع الزرع بالقمح واستكراء الأرض بالقمح.

(۲) بعض نے اس کی تفسیر مزارعہ بالثلث والربع سے کی ہے۔

(۳) بعض نے کہا کہ کھیتی کو پختہ ہونے سے پہلے فروخت کرنا۔

(۲) **المزابنة:** مزابنہ کے لغوی معنیٰ: مزابنة زبن سے مفاعلۃ کا مصدر ہے، جس کا معنیٰ ہیں: دفع شدید۔

مرادی معنیٰ: المزابنة هي بيع الثمار على رؤس الأشجار بالتمر المجذوذ خرصا یعنی درخت پر جو کھجور ہے اس کو کاٹے ہوئے کھجور کے بدلہ اندازہ کے طور پر فروخت کرنا۔

(۳) **المخابرة:** لغوی معنیٰ: یہ خُبرٌ سے مشتق ہے جس کا معنیٰ کھیتی کے لیے زمین جوتنا۔

بعض کہتے ہیں کہ خَبَاز بمعنیٰ نرم زمین سے مشتق ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ خُبرَۃٌ بمعنیٰ نصیب (حصہ) سے مشتق ہے۔

مرادی معنیٰ: علامہ ابن العربی فرماتے ہیں کہ یہ خبر سے ماخوذ ہے؛ چوں کہ یہ معاملہ سب سے پہلے خیبر میں ہوا تھا، فتح خیبر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین یہود کو کھیتی کرنے کے لیے دی اس شرط پر کہ پیداوار کا نصف یہ لوگ بیت المال کو ادا کریں؛ اس لیے اس قسم کے معاملہ کو مخابرہ کہتے ہیں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(٤) **معلومة:** کے لغوی معنیٰ: معاومة یہ عام (سال) سے مفاعلۃ کا مصدر ہے جیسا کہ سنۃ سے مسانھۃ اور شھر سے مشاھرۃ۔

مرادی معنیٰ: بیع معاومہ کہتے ہیں درخت کے پھل ایک سال یا اس سے زیادہ مدت کے لیے بیچنا کہ اس مدتِ معینہ میں یہ اشجار مخصوصہ جتنے پھل دے گا اس کی بیع، اسی کا دوسرا نام بیع السنین ہے۔

(٥) ثنیا کے لغوی معنیٰ: ثنیا بروزن دنیا بمعنیٰ استثناء کے ہے۔

مرادی معنیٰ: مرادی معنیٰ یہ ہے کہ مبیع سے حصہ مجہولہ کا استثناء کرنا، مثلاً یہ کہنا کہ: **بعتک هذه الصبرة إلا بعضها.**

(٦) عرایا کے لغوی معنیٰ: عَـــرِيَّةٌ بروزن فعیلۃ کی جمع ہے، اور فعیلۃ کبھی فاعل کے معنیٰ میں ہوتا ہے اور کبھی مفعول کے معنیٰ میں، بعض کہتے ہیں کہ عریۃ یہ عاریۃ کے معنیٰ میں ہے، عری یعریٰ باب سمع سے۔ **يقال: عرى من ثيابه إذا تجرد منها**؛ چوں کہ عریۃ النخل (کھجور کے درخت) کا حکم دوسرے نخل سے الگ ہے؛ اس لیے اس کو عریہ کہتے ہیں۔ (المعلم)

مرادی معنیٰ: جن حضرات کے باغات ہوتے تھے وہ مساکین اور غرباء کو درخت پر پھلوں کا عطیہ کر دیا کرتے تھے، جس کو "عریہ" کہا جاتا ہے، اس کے بعد بعض مرتبہ ہبہ کرنے والوں کو ضرورتاً تبدیل کرنا ہوتا اور بعض مرتبہ یہ غرباء اور مساکین کو وہ پھلوں کے مکمل تیار ہونے تک انتظار کرنا مشکل ہوتا تو نقد پھلوں کے عوض تبادلہ کرنے کی ضرورت پیش آتی۔

(٨) وقیۃ کے لغوی و مرادی معنیٰ: **الوقية: جمع وُقِيٌّ و وَقايا.** رطل کا بارہواں حصہ، ایک وزن جو سات مثقال کا ہوتا ہے۔

(٩) حملان کے لغوی اور مرادی معنیٰ: **حمل من باب ضرب يضرب، حملًا و حملان الشيء على ظهره**، اُٹھانا، اور یہاں مراد سوار ہونا ہے۔

تعارض کا حل درج ذیل ملاحظہ فرمائیں: مذکورہ دونوں حدیثوں میں سے پہلی حدیث میں بیع کے اندر استثناء کی شرط لگانے سے منع کیا گیا اور دوسری حدیث میں ہے کہ جابرؓ نے فرمایا: فبعته فاستثنيت حملانه إلى أهلي. تو دونوں حدیثوں میں (ظاہراً) تعارض ہو گیا۔

مذکورہ تعارض کا جواب: یہ ہے کہ دوسری حدیث میں شرط صلبِ عقد میں نہ تھی؛ بلکہ عقد ہونے کے بعد لگائی، لہٰذا کوئی حرج نہیں اور بعض نے کہا کہ وہاں حقیقۃً کوئی بیع نہیں تھی؛ بلکہ آپ حضرت جابرؓ کو کچھ ہبہ دینا چاہتے تھے، اگر ایسے دیں تو دوسروں کو لالچ ہوگا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اتنا مال نہیں تھا کہ سب کو دے سکیں، بنابریں ظاہراً بہانہ کر کے بصورتِ بیع اس کو رقم دی، کہ یہی وجہ ہے کہ مدینہ جانے کے بعد دراہم اور اونٹ بھی دے دیا تو جب بیع ہی نہیں تو ہزار شرط لگالے کوئی حرج نہیں۔

(درسِ مشکوٰۃ)

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال:۵۹، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۴۸ (داخلہ ۱۴۲۴ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَايَحِلُّ سَلَفٌ وَ بَيْعٌ وَلَاشَرْطَانِ فِيْ بَيْعٍ وَلَارِبْحَ مَالَمْ يَضْمَنْ وَلَابَيْعَ مَالَيْسَ عِنْدَكَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) ہر ہر جز کا الگ الگ مطلب تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب ناقل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرض اور بیع (ایک دوسرے متعلق کر کے) حلال نہیں، بیع میں دو شرط کرنی

درست نہیں، اس چیز سے نفع اُٹھانا درست نہیں جو ابھی اپنے ضمان (قبضہ) میں نہیں آئی اور اس چیز کو بیچنا جائز نہیں جو تمہارے پاس (یعنی تمہاری ملکیت میں) نہیں۔

(ب) ہر جز کا الگ الگ مطلب ملاحظہ فرمائیں:

(۱) قرض اور بیع حلال نہیں۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قرض اور بیع کے دو الگ الگ معاملوں کو ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کر کے نہ کرنا چاہیے، مثلاً کوئی شخص کسی کے ہاتھ اس شرط کے ساتھ کوئی چیز بیچے کہ مجھے اتنے روپے قرض دینا یہ جائز نہیں ہے۔ یہ معنیٰ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی کو کچھ روپے بطورِ قرض دے اور اسی کے ساتھ اپنی کوئی چیز اس قرض دار کے ہاتھ اصل قیمت سے زائد پر بیچے یہ بھی حرام ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں ظاہر ہے کہ خریدار اس چیز کی زائد قیمت محض اس لیے ادا کرے گا کہ اس نے بیچنے والے سے قرض لیا ہے، اور یہ بالکل صاف مسئلہ ہے کہ "**كل قرض جلب نفعًا فهو حرام**". یعنی جو بھی قرض کوئی نفع دے وہ حرام ہے۔

(۲) بیع میں دو شرطیں درست نہیں۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایک بیع میں دو بیع نہ کرے اور اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱) ایک تو یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے یوں کہے کہ مثلاً اپنی بھینس ایک ہزار روپیہ کے عوض تمہارے ہاتھ بیچتا ہوں؛ مگر شرط یہ ہے کہ تم اپنا گھوڑا پانچ سو روپیہ کے عوض میرے ہاتھ فروخت کرو، اس طرح کی بیع درست نہیں۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص کسی سے کہے کہ میں اپنا گھوڑا تمہارے ہاتھ پانچ سو روپے نقد میں اور سات سو روپے میں اُدھار بیچتا ہوں یہ بھی ناجائز ہے، بشرطے کہ کوئی ایک امر طے نہ ہو اور اگر ایک امر طے ہوجائے اور معاملہ مجمل نہ رہے یعنی اسی وقت طے ہوجائے کہ نقد لیا یا اُدھار لیا تو پھر یہ معاملہ درست ہے۔ (مظاہر حق: ج ۳/ص ۵۰۷)

(۳) اس چیز سے نفع اُٹھانا جو ابھی اپنی ضمان میں نہیں آئی۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ

مثلاً ایک شخص نے کسی سے کوئی چیز خریدی؛ مگر وہ چیز ابھی خریدار کے قبضہ میں نہیں آئی ہے، یہ چیز چوں کہ میں نے خریدی ہے؛ اس لیے میری خریداری کے بعد اس چیز کا جو کرایہ بیچنے والے کی ذمہ داری میں ہے فرض کیجیے کہ اگر وہ چیز ضائع ہوجاتی ہے تو اس کا نقصان بیچنے والے ہی کو برداشت کرنا ہوگا، خریدار کا کچھ نہ جائے گا، اسی طرح اگر اس چیز سے کوئی نفع حاصل ہوا ہے تو وہ بھی بیچنے والے ہی کا حق ہے، خریدار کا اس پر کوئی حق نہیں ہے۔

سوال: ۶۰، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۴۹ (داخلہ ۱۴۳۰ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ مُخَلَّدِ بْنِ خُفَافٍ قَالَ اِبْتَعْتُ غُلَامًا فَاسْتَغْلَلْتُهُ ثُمَّ ظَهَرْتُ مِنْهُ عَلٰى عَيْبٍ فَخَاصَمْتُهُ إِلٰى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فَقَضٰى لِيْ بِرَدِّهٖ وَقَضٰى عَلَيَّ بِرَدِّ غَلَّتِهٖ فَأَتَيْتُ عُرْوَةَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَرُوْحُ إِلَيْهِ الْعَشِيَّةَ فَأُخْبِرُهُ أَنَّ عَائِشَةَ اَخْبَرَتْنِي أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِيْ مِثْلِ هٰذَا أَنَّ الْخِرَاجَ بِالضَّمَانِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کرتے ہوئے بتائیں کہ کیا مبیع کی واپسی کے وقت اس سے حاصل کردہ فوائد کو بھی واپس کرنا ہوگا؟ یا اس میں کوئی تفصیل ہے؟ مفصل تحریر کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت مخلد بن خفاف کہتے ہیں کہ میں نے ایک غلام خریدا جس کی کمائی میں کرتا رہا، پھر مجھے اس کے ایک (ایسے) عیب کا علم ہوا؛ چناں چہ اس غلام کے معاملہ کو میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں پیش کیا، انہوں نے مجھے یہ فیصلہ سنایا کہ غلام کو واپس کردیا جائے اور اس کے ساتھ ہی اس کی کمائی بھی واپس کردی جائے، پھر میں حضرت عروہ بن زبیر کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت عمر بن

عبدالعزیز کے فیصلہ سے انہیں آگاہ کیا: حضرت عروہؒ نے فرمایا کہ میں شام کے وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں جاؤں گا اور ان کو بتاؤں گا کہ حضرت عائشہؓ نے مجھ سے یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے ایک معاملہ میں یہ فیصلہ دیا تھا کہ منفعت ضمان کے ساتھ ہے؛ چناں چہ حضرت عروہؒ عمر بن عبدالعزیز کے پاس تشریف لے گئے (اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے مطلع کیا) حضرت عمر بن عبدالعزیز نے پھر مجھے یہ حکم دیا کہ میں غلام کی کمائی اس شخص سے لے لوں جسے دینے کے لیے مجھے پہلے حکم دیا گیا تھا۔

(ب) حدیث شریف کا مطلب: حدیث ہٰذا میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ مخلد بن خفاف نے ایک غلام خریدا اور اس کی آمدنی خود حاصل کرتا رہا، چند دن بعد اس غلام کے اندر عیب ظاہر ہوا جو اس غلام کو واپس کرنے کا سبب بن گیا، اب مخلد اس بات کو لے کر بادشاہِ وقت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اس بارے میں وہ کچھ فیصلہ کردے؛ چناں چہ عمر بن عبدالعزیز نے یہ فیصلہ کردیا کہ غلام بھی واپس کردو اور اس کی کمائی بھی واپس کردو۔

چناں چہ مخلد اس فیصلہ کو لے کر حضرت عروہ کے پاس گئے اور ان کو سنایا تو حضرت عروہ کو یہ فیصلہ پسند نہیں آیا اور اس نے کہا کہ شام کے وقت میں عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس جاؤں گا اور اسی قسم کے ایک معاملہ کے بارے میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیش آیا اسے سناؤں گا؛ چناں چہ حضرت عروہ نے شام کے وقت آکر یہ حدیث سنائی "الخراج بالضمان" یعنی عروہ کا فیصلہ یہ تھا کہ غلام تو واپس ہوگا؛ لیکن اس کی کمائی واپس نہیں ہوگی۔

الخراج بالضمان کا مطلب: حدیث پاک کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اگر وہ غلام خریدنے والے کے پاس مرجاتا یا اس میں کوئی نقص پیدا ہوتا تو ظاہر ہے کہ اس خریدار ہی کا نقصان ہوتا بیچنے والے کا کچھ نہ جاتا، اسی طرح غلام سے

کوئی منفعت ہوگی تو اس کا حقدار خریدار ہی ہوگا بیچنے والے کا اس پر کوئی حق نہیں ہوگا۔

مبیع واپس کرنے کے وقت اس سے حاصل کردہ فائدہ کو بھی واپس کرنا ہوگا یا نہیں؟

اس بارے میں تھوڑی سی تفصیل ہے کہ مبیع واپس کرنے کے وقت اس سے حاصل کردہ فوائد بھی واپس کیے جائیں گے یا نہیں؟ تفصیل یہ ہے کہ یہاں دیکھنا چاہیے کہ مبیع مشتری کے قبضہ میں کس حیثیت سے مقبوض ہے؟ اگر اس حیثیت سے مقبوض ہے کہ مبیع بالفرض اگر مشتری کے پاس ہلاک ہوجائے تو نقصان بائع کا ہو یا مبیع میں کوئی نقص آجائے تو بھی وہ نقص بائع کی ملکیت میں متاثر ہو تو ان صورتوں میں اگر مبیع سے ایسا کوئی فائدہ حاصل کرے جس کو واپس دینا ممکن ہو تو مبیع رَد کرتے وقت وہ حاصل کردہ فوائد بھی واپس کرنا ضروری ہے اور اگر واپس کرنا ممکن نہ ہو تو بیع لازم ہوجائے گی اور مشتری بقدرِ نقصان بائع سے رجوع کرے گا۔

اور اگر مبیع مشتری کی ملکیت میں اس حیثیت سے مقبوض ہو کہ اگر فرضاً مبیع ہلاک ہوجائے یا مبیع میں کوئی نقص آجائے تو مشتری کی ملکیت سے ہلاک ہوجائے تو اس صورت میں جو فوائد مشتری نے حاصل کیے ہیں ان کو واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔

سوال:۶۱، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۵۵ (داخلہ ۱۴۲۶ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَاجَلَبَ وَلَاجَنَبَ وَلَاشِغَارَ فِي الْإِسْلَامِ وَمَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) "جلب" اور "جنب" سباق میں بھی ہوتا ہے اور صدقہ میں بھی، ان دونوں کی سباق اور صدقہ میں پائے جانے کی الگ الگ اس طرح تشریح کیجیے کہ فرق واضح ہوجائے (ج) شغار کا مطلب اور اس کا حکم لکھیے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: عمران بن حصین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ جلب (جائز) ہے اور جنب اور نہ شغار اسلام میں (جائز) ہے، اور یاد رکھو! جو شخص کسی کو لوٹتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے (یعنی وہ ہماری) جماعت میں سے نہیں ہے، یا ہمارے طریقہ پر نہیں ہے، حاصل یہ کہ ایسا شخص اس قابل نہیں ہے کہ اسے اسلامی برادری کا ایک فرد سمجھا جائے۔

(ب) "جلب" اور "جنب" کے سباق اور صدقہ میں پائے جانے کی تشریح:

جلب کے لغوی معنیٰ اپنی طرف کھینچنا اور جنب کے معنیٰ معہود جگہ سے دُور ہونا جلب اور جنب کی دو صورتیں ہیں:

(۱) پہلی صورت تو زکوٰۃ میں ہوتی ہے "جلب" کی صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا کسی جگہ میں آ کر ٹھہرتا ہے اور اربابِ اموال کو حکم دیتا ہے کہ سب اپنی اپنی زکوٰۃ یہاں لا کر دے دیں، اس سے عاملوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا؛ کیوں کہ اس صورت میں مال والوں کو بہت تکلیف ہوگی، عامل کو حکم ہے کہ خود جگہ میں جا کر زکوٰۃ وصول کر لیں۔

اور "جنب" کی صورت یہ ہے ساعی کی خبر سن کر اربابِ اموال اپنی معہود جگہ چھوڑ کر دُور دراز مال لے جائے اس سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا؛ تاکہ ساعی کو مشقت نہ ہو۔

(۲) اور دوسری صورت بیع میں ہوتی ہے "جلب" کی صورت یہ ہے کہ باہر سے کوئی قافلہ مالِ تجارت لا رہا ہو اور ایک آدمی شہر کے باہر جا کر راستہ میں تمام مال خرید لیتا ہے۔

اور "جنب" کی صورت یہ ہے کہ شہر کا کوئی تاجر کسی باہری تاجر کے پاس سب مال بیچ ڈالے تو ان دونوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا؛ کیوں کہ اس سے شہر

والوں کو ضرر ہوتا ہے، اگر ضرر نہ ہو تو پھر جائز ہے۔ (درسِ مشکوٰۃ:۱۶۶/۲)

(ج) شغار کا مطلب اور اس کا حکم کیا ہے؟ شغار کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح اِس شرط کے ساتھ کرے کہ دوسرا شخص اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کردے اور مہر کچھ نہ مقرر ہو؛ بلکہ یہ شرط ہی مہر کے قائم مقام ہو۔

شغار کا حکم: یہ ہے کہ حدیث میں اس قسم کے عقد کو اسلام کے طریقہ کے خلاف فرمایا گیا؛ چناں چہ اکثر علماء کے نزدیک ایسا عقد فاسد ہے؛ لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ اور سفیانؒ کے نزدیک یہ عقد صحیح ہوجاتا ہے؛ البتہ مہر مثل واجب ہوجاتا ہے اور ایسا عقد کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے؛ چناں چہ یہ حضرات بھی کہتے ہیں کہ ایسا عقد نہ کرنا چاہیے۔

سوال:۶۲، مشکوٰۃ شریف:ص/۲۷۰ (داخلہ ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ بَاطِلٌ بَاطِلٌ، فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا فَإِنِ اشْتَجَرُوْا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ ومطلب تحریر کریں (ب) زیرِ بحث مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں اور مذکورہ حدیث اگر حنفیہ کے خلاف ہو تو اس کا جواب بھی تحریر کریں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس عورت نے اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، پھر اگر شوہر نے اس کے ساتھ مجامعت کی ہو تو

وہ مہر کی حق دار ہوگی؛ کیوں کہ شوہر نے اس کی شرم گاہ سے فائدہ اُٹھایا ہے اور اگر کسی عورت کے ولی باہم اختلاف کریں تو جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی بادشاہ ہے۔

حدیث شریف کا مطلب: اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ نکاح کے معاملہ میں ولی کی اجازت و مرضی کو بنیادی درجہ حاصل ہونا چاہیے اور اپنے اس قول کو مؤید کرنے کے لیے تین مرتبہ یہ بات فرمائی کہ اگر ولی کی اجازت کے بغیر کوئی شادی کرلے تو اس کا نکاح باطل ہے۔

اور آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی عورت کے ولی آپس میں اختلاف کریں اور کسی فیصلہ پر متفق نہ ہو پائیں تو وہ سب کالعدم ہوجاتے ہیں اور اس صورت میں ولایت بادشاہِ وقت کو حاصل ہوجاتی ہے؛ ورنہ یہ معلوم ہی ہے کہ ولی کی موجودگی میں بادشاہ کو ولایت کا حق حاصل نہیں ہوتا ہے۔ (مظاہرِ حق)

(ب) زیرِ بحث مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف مع دلائل ملاحظہ فرمائیں:

اس میں اختلاف ہے کہ ولی کے بغیر صرف عبارۃ النساء سے نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں؟ تو جمہور کے نزدیک ولی کے بغیر عبارتِ نساء سے نکاح منعقد نہیں ہوتا؛ بلکہ ولی کی تعبیر ضروری ہے اور اس میں صغیرہ، کبیرہ، باکرہ، ثیبہ، عاقلہ اور مجنونہ سب برابر ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ عبارتِ نساء سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے، بشرطیکہ عورت آزاد اور عاقلہ بالغہ ہو؛ البتہ ولی کا ہونا مندوب ہے۔

جمہور کی دلیل: جمہور کا استدلال حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث باب سے ہے: "لَانِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ" اور دوسری دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے: "أيما امرأة نكحت بغير إذن وليّها فنكاحها باطل، باطل، باطل".

حنفیہ کی دلیل: اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اولیاء کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَاتَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ" اس میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے جس سے پتہ چلتا ہے

کہ نکاح عبارتِ نساء سے منعقد ہوجاتا ہے؛ نیز اس میں اولیاء کو منع کیا گیا کہ وہ عورتوں کو اپنے سابقہ شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکیں، معلوم ہوا کہ اولیاء کو مکلفہ عورت کے معاملہ میں مداخلت کا حق نہیں۔

مذکورہ بالا حدیث شریف کا جواب: حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث کا پہلا جواب یہ ہے کہ یا تو یہ اس صورت پر محمول ہے جبکہ عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرلیا ہو اور حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی اس صورت میں نکاح باطل ہے اور اسی روایت پر فتویٰ ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث "فنکاحها باطل" کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نکاح فائدہ مند نہیں ہوتا۔

سوال: ۶۳، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۷۲ (داخلہ ۱۴۳۷ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: اَلْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا. وَعَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خَذَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذٰلِكَ فَأَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ نِكَاحَهَا.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) بغیر ولی کے بالغہ کا نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں (ج) مذکورہ دونوں حدیثوں سے کیا ثابت ہوتا ہے تحریر کریں؟

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: وہ عورت جو بیوہ ہو (عاقلہ بالغہ ہو) تو وہ اپنے ولی

کی بہ نسبت اپنے نفس کی زیادہ حق دار ہے، کنواری لڑکی یعنی بالغہ سے اس کے اپنے بارے میں اجازت طلب کی جائے گی اور اس کا اذن یا اجازت خاموشی اختیار کرنا ہے۔ حضرت خنساء بنتِ خذام رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر کردیا جبکہ وہ ثیبہ تھیں (حالانکہ وہ بالغہ تھیں) تو خنساء نے اس نکاح کو پسند نہ کیا؛ چنانچہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح ختم کردیا۔

(ب) بغیر ولی کے بالغہ کا نکاح صحیح ہوگا یا نہیں مع اختلافِ ائمہ: اس میں اختلاف ہے کہ ولی کے بغیر صرف عبارۃ النساء سے نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں؟ تو جمہور کے نزدیک ولی کے بغیر عبارتِ نساء سے نکاح منعقد نہیں ہوتا؛ بلکہ ولی کی تعبیر ضروری ہے اور اس میں صغیرہ، کبیرہ، باکرہ اور ثیبہ عاقلہ اور مجنونہ سب برابر ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ عبارتِ نساء سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے، بشرطیکہ عورت آزاد اور عاقلہ بالغہ ہو؛ البتہ ولی کا ہونا مندوب ہے۔

جمہور کی دلیل: جمہور کا استدلال حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیثِ باب سے ہے: "لَانِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ" اور دوسری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے: "أيّما امرأة نكحت بغير إذن وليّها فنكاحها باطل باطل باطل".

حنفیہ کی دلیل: اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں اولیاء کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾ اس میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ نکاح عبارتِ نساء سے منعقد ہوجاتا ہے؛ نیز اس میں اولیاء کو منع کیا گیا کہ وہ عورتوں کو اپنے سابقہ شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکیں، معلوم ہوا کہ اولیاء کو مکلّفہ عورت کے مقابلہ میں مداخلت کا حق نہیں۔

جمہور کی دلیل کا جواب: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حدیثِ

باب اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا (۱) پہلا جواب یہ ہے کہ: یا تو یہ اس صورت پر محمول ہے، جبکہ عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرلیا ہو اور حسن ابنِ زیادؒ کی روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی اس صورت میں نکاح باطل ہے اور اسی روایت پر فتویٰ ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ: "لانكاح إلّا بولي" میں نفی سے کمال مراد ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث "فنكاحها باطل" کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نکاح فائدہ مند نہیں ہوتا۔

(ج) مذکورہ دونوں حدیثوں سے جو ثابت ہوتا ہے: مذکورہ دونوں حدیثوں سے احناف کا مذہب ثابت ہوتا ہے، یعنی عبارتِ نساء سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے؛ نیز یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ باکرہ بالغہ پر ولی کو ولایتِ اجبار نہیں ہے۔

سوال: ۶۴، مشکوٰۃ شریف: ص ۲۷۳/ (داخلہ ۱۴۳۴ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُوْمَاتٍ يُحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُوْمَاتٍ فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) رضاعت کی کتنی مقدار سے حرمت ثابت ہوتی ہے؟ اس سلسلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف تحریر کریں اور بتائیں کہ مذکورہ حدیث کس کی دلیل ہے؟ (ج) اگر یہ حدیث مسلکِ حنفیہ کے خلاف ہو تو ان کی طرف سے اس کا جواب لکھئے، نیز حنفیہ کی دلیل بھی تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قرآن کریم میں یہ حکم نازل

ہوا تھا کہ دس بار دودھ پینا، جبکہ اس کے پینے کا کامل یقین ہو تو (نکاح) کو حرام کرتا ہے۔ پھر یہ حکم پانچ بار پینے کے ساتھ کہ جس کے پینے کا کامل یقین ہو منسوخ ہو گیا (یعنی جب بعد میں یہ حکم نازل ہوا کہ پانچ بار دودھ پینا کہ اس کے پینے کا کامل یقین ہو حرمتِ رضاعت ثابت کرتا ہے تو پہلا حکم منسوخ ہو گیا) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے، اور یہ آیت قرآن کریم میں تلاوت کی جاتی رہی۔

(ب) رضاعت کی کتنی مقدار سے حرمت ثابت ہوتی ہے؟ مع اختلافِ ائمہ: حضرت امام شافعیؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک حرمتِ رضاعت ثابت ہونے کے لیے پانچ گھونٹ پینا شرط ہے اس سے کم میں رضاعت کی حرمت ثابت نہ ہوگی، یہی قول امام احمدؒ کا بھی ہے۔

لیکن امام اعظمؒ اور امام مالکؒ؛ بلکہ جمہور فقہاء اور امام احمدؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ حرمتِ رضاعت کے لیے ایک گھونٹ بھی کافی ہے۔

مذکورہ حدیث کس کی دلیل ہے؟ مذکورہ حدیث امام شافعیؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کی دلیل ہے؛ کیوں کہ اس حدیث میں خمسِ رضاعت کی بات مذکور ہے۔

(ج) حنفیہ کی طرف سے حدیثِ باب کا جواب:

(۱) اس حدیث اور اس طرح کی دیگر تمام احادیث کا جواب یہ ہے کہ وہ تمام احادیث جو کسی خاص مقدار پر دلالت کرتی ہیں وہ اخبارِ آحاد کے قبیل سے ہیں اور خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی نہیں کی جا سکتی۔ (مرقات)

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حکم پہلے تھا؛ لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا۔

امام ابوحنیفہؒ کا استدلال: قرآن پاک کی آیت ﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ کیوں کہ باری تعالیٰ کا یہ قول عام ہے، ایک گھونٹ پیا ہو یا اس سے کم پیا ہو یا زیادہ۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

سوال: ۶۵، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۷۸ (داخلہ ۱۴۲۹ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَنَسٍؓ قَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَتَزَوَّجَهَا وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا وَأَوْلَمَ عَلَيْهَا بِحَيْسٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) بوضاحت مطلب لکھیں (ج) مہر کی اقلِ مقدار لکھ کر بتائیں کہ عتق مہر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس میں ائمہ کا کیا اختلاف ہے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا اور ان کا ولیمہ حیس نامی کھانے سے فرمایا۔

(ب) بوضاحت حدیث شریف کا مطلب: حضرت صفیہؓ حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں جو خیبر میں آباد قبیلہ بنو قریظہ و بنو نضیر کے سردار تھے، جب خیبر کے یہودیوں سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح عطا کی تو صفیہؓ بھی ہاتھ لگیں اور بطورِ باندی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں آئی؛ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ان کو آزاد کیا اور پھر ان سے نکاح کرلیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا اور ان کے نکاح میں حیس کا ولیمہ کیا۔

(ج) مہر کی اقل مقدار اور اختلاف ائمہ: مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار کی کوئی حد شریعت نے مقرر نہیں کی ہے، اس کو شوہر کے مقدور پر منحصر رکھا ہے؛ البتہ مہر کی کم سے کم مقدار میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

(۱) حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اقلِ مہر دس درہم ہے خواہ چاندی ہو

یا اتنی چاندی کی قیمت کے بقدر سونا ہو، اور خواہ کوئی اور ایسی چیز (روپیہ وغیرہ) ہو جو دس درہم چاندی کی قیمت کے برابر ہو، پس اگر کوئی شخص دس درہم سے کم کا مہر باندھے تو اس کا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

(۲) حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اقلِ مقدار مہر چوتھائی دینار یا اس کی قیمت ہے۔

(۳) حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مہر کی کوئی کم سے کم مقدار بھی متعین نہیں ہے؛ بلکہ ان دونوں کا مسلک یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو قیمت کی صلاحیت رکھتی ہو اور جس پر زوجین راضی ہو جائیں اس کو مہر بنانا جائز ہے، خواہ قلیل ہو یا کثیر۔

عتق مہر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اختلافِ ائمہ مع دلائل:

(۱) امام احمدؒ، اسحاقؒ اور اوزاعیؒ کے نزدیک عتق کو مہر قرار دینا جائز ہے، یہی قاضی ابو یوسفؒ کا قول ہے، اور امام شافعیؒ کا ایک قول ہے۔

دلیل: فریقِ اوّل نے حضرت صفیہؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے: أنّ رسول الله ﷺ أعتق صفيةؓ وتزوجها وجعل عتقها صداقها.

(۲) امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عتق کو مہر قرار دینا درست نہیں، یہی امام شافعیؒ کا مشہور قول و مفتیٰ بہ قول ہے۔

دلیل (۱): قرآن کریم میں ہے: ﴿اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ﴾ یہاں بدلِ بضع مال ہونے کو شرط قرار دیا گیا ہے۔

دلیل (۲): ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾.

فریقِ اوّل کی دلیل کا جواب:

(۱) ان کی طرف سے اس حدیث کی یہ تاویل کی جاتی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت صفیہؓ کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا جانا ایک استثنائی

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

صورت ہے جو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے؛ لہٰذا یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھا اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔

(۲) شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو آزاد کرے اور اس کی آزادی کو اس کا مہر قرار دے تو یہ آزاد کرنا صحیح ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا۔

(مظاہر حق جدید: ج ۴، ص ۱۱۲)

سوال: ۶۶، مشکوٰۃ شریف: ص ۲۸۳/ (داخلہ ۱۴۳۳ھ)

(الف) عبارت با اعراب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ طَلَّقَ إِمْرَأَةً لَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَتَغَيَّظَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ: لِيُرَاجِعْهَا ثُمَّ يُمْسِكُهَا حَتّٰى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيْضَ فَتَطْهُرَ فَإِنْ بَدَالَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِيْ أَمَرَ اللّٰهُ أَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھتے ہوئے بتائیے کہ حالتِ حیض میں طلاق دینے سے کیوں منع کیا گیا ہے؟ اس حالت میں دی گئی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اس حدیث سے کیا معلوم ہوتا ہے؟ (ج) نیز "فتلک العدة الخ" کا مفہوم واضح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی تو حضرت عمرؓ نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ سے بہت غصہ ہوئے، اور فرمایا: کہ (اس گناہ کا تدارک کرنے کے لیے) عبداللہ کو چاہیے کہ وہ اس عورت سے رجوع کرے،

اور پھر اس کو اپنے پاس رکھے، یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے، اور پھر جب وہ حائضہ ہو اور اس کے بعد پاک ہو جائے اور طلاق دینا ضروری ہو تو پاکی کی حالت میں اسے طلاق دے، قبل اس کے کہ اس سے جماع کرے، پس یہی وہ عدت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس میں عورتوں کو طلاق دی جائے۔

(ب) حدیث شریف کا مطلب: حدیث شریف کا مطلب تو ترجمہ سے واضح ہو گیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حالتِ حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی، حضرت عمرؓ نے اس واقعہ کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ عبداللہ کو چاہیے کہ وہ اس عورت سے رجوع کرے۔

حالتِ حیض میں طلاق دینے سے کیوں منع کیا گیا ہے؟ حالتِ حیض میں طلاق دینے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ طلاق دینے والے نے حالتِ حیض میں محض کراہتِ طبع کے سبب طلاق دی ہو اور وہ مصلحت اس کے طلاق دینے کی وجہ نہ ہو جس کی بناء پر طلاق دینا ضروری ہو جاتا ہے، جب کہ پاکی کی حالت میں یہ احتمال پیدا نہیں ہوتا۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

حالتِ حیض میں دی گئی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اِس حدیث سے کیا معلوم ہوتا ہے؟

(۱) ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کے نزدیک حالتِ حیض میں طلاق واقع ہو جاتی ہے، اگرچہ حالتِ حیض میں طلاق دینا حرام ہے، حدیثِ مذکور فی السوال جمہور کی دلیل ہے، اس لیے کہ اس میں رجوع کرنے کا حکم دیا گیا، اور ظاہر ہے کہ رجوع طلاق کے واقع ہونے کے بعد ہو سکتا ہے؛ ورنہ رجوع کا کوئی مطلب ہی نہیں۔

(۲) ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ طلاقِ بدعت واقع نہیں ہوتی وہ کہتے ہیں کہ طلاقِ بدعت ناجائز ہے وہ کیسے واقع ہو سکتی ہے؟ لہٰذا اگر کوئی شخص حیض کے زمانہ میں طلاق دے تو واقع نہیں ہوگی۔

ابن تیمیہؒ کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے، جس میں "فَمَهْ أَرَأَيْتَ إن

عجز واستحمق" کے الفاظ آئے ہیں کہ یہاں "مہ" اسم فعل ہے اس کے معنیٰ "کف" دُور ہو، یعنی اگر شوہر درماندہ ہوگیا اور اس نے حماقت بھرا کام کیا تو کیا شریعت بھی اس کی موافقت کرے گی؟ اور اس نے جو گناہ کا کام کیا اس کو نافذ کرے گی؟

لیکن ابنِ تیمیہ کی یہ تاویل حدیث کے موافق نہیں ہے، دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: "فراجعتها وحسبتُ لها التّطليقة الّتي طلّقها". (مسلم)

(ج) "فتلک العدة الخ" کے مفہوم کی وضاحت: پہلے یہ بات یاد کرنی چاہیے کہ ہمارے نزدیک عدت حیض سے گزاری جاتی ہے، اور شوافع کے نزدیک طہر سے، تو دونوں کے مذہب کے اعتبار سے اس کا مفہوم بھی الگ الگ ہوگا۔

احناف کے نزدیک یہاں عدت سے، عدتِ اصطلاحی مراد نہیں؛ بلکہ اس سے عدتِ لغوی مراد ہے، اور عدت کے لغوی معنیٰ "وقت" ہے، تو اب مطلب یہ ہوا کہ طہر ہی طلاق دینے کا وقت ہے، نہ کہ حیض۔

لیکن شوافع کا مسلک ہمارے خلاف ہے۔

سوال: ۶۷، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۸۷

(داخلہ ۱۴۳۶ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ مَسْرُوْرٌ فَقَالَ أَيْ عَائِشَةَ أَلَمْ تَرَ أَنَّ مُجَزِّزَ الْمُدْلَجِيِّ دَخَلَ فَلَمَّا رَأٰى أُسَامَةَ وَزَيْدًا وَعَلَيْهِمَا قَطِيْفَةٌ قَدْ غَطَّيَا رُؤُوْسَهُمَا وَبَدَتْ أَقْدَامُهُمَا فَقَالَ إِنَّ هٰذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب بیان کرتے ہوئے بتائیں کہ مجزز مدلجی کون تھا؟ (ج) کفار حضرت اُسامہ کے نسب پر کیوں طعنہ دیتے

تھے؟ نسب کے ثابت کرنے میں قیافہ شناسی کا قول شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ اختلافِ ائمہ کی وضاحت کیجیے، اگر حدیث حنفیہ کے خلاف ہو تو جواب کیا ہوگا؟ سوچ کر لکھئے۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش خوش میرے یہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ عائشہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج مجز زمدلجی (مسجد نبوی میں) آیا ہے اور جب اس نے اُسامہ اور زید کو دیکھا جو اس طرح چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے کہ ان کے سر چھپے ہوئے تھے اور پیر کھلے ہوئے تھے تو اس نے کہا کہ ان دونوں کے پیر ایک دوسرے کے مطابق ہیں (یعنی یہ پیر جن دو آدمیوں کے ہیں وہ آپس میں باپ بیٹے ہیں)۔

(ب) حدیث شریف کا مطلب: حضرت زید بن حارثہؓ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّیٰ تھے بہت گورے اور خوبصورت تھے جبکہ ان کے صاحب زادے حضرت اُسامہؓ کالے تھے اور اپنی ماں کے ہم رنگ تھے، ان کی ماں جن کا نام اُمِّ اَیمن تھا کالے رنگ کی تھیں، باپ بیٹے کی رنگت کے اس فرق کی وجہ سے منافق حضرت اُسامہؓ کے نسب میں عیب لگاتے تھے اور دلیل یہ دیتے تھے کہ ایسے حسین اور خوبصورت باپ کا بیٹا اتنا کالا کیسے ہوسکتا ہے؟ چناں چہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کی اس بات سے بہت کبیدہ خاطر ہوتے تھے کہ اسی دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک دن دونوں باپ بیٹے مسجد میں چادر میں لپٹے ہوئے سو رہے تھے اور قیافہ شناس مجز زمدلجی آیا اور کہا کہ یہ دونوں باپ بیٹے ہیں؛ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت خوش ہوئے۔

مجز زمدلجی کون تھا؟ مجز زمدلجی عرب کا ایک مشہور قیافہ شناس اور اپنے فن میں یگانہ روزگار تھا، وہ آدمی کی صورت دیکھ کر اس کے حالات وقوائف اور اوصاف و خصوصیات معلوم کرلیا کرتا تھا۔ (مظاہرِ حق)

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ج) کفار حضرت اُسامہ کے نسب پر کیوں طعنہ دیتے تھے؟ اس کا جواب مطلب کے ماتحت گزر چکا۔

نسب کے ثابت کرنے میں قیافہ شناس کا قول شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ اختلافِ ائمہ مع دلائل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اعتبار ہے؛ لہٰذا نسب میں اس کا قول معتبر ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل: ائمہ ثلاثہؒ نے حدیث مذکور سے استدلال کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیافہ کے ذریعہ ثابت شدہ نسب پر خوش ہوئے تو معلوم ہوا کہ اس کا اعتبار ہے۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ اور امام اسحاقؒ کے نزدیک علم قیافہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

فریقِ ثانی کی دلیل: امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھی دلیل پیش کرتے ہیں کہ قیافہ کے ذریعہ علم یقینی و تحقیقی امر حاصل نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ ایک امر تخمینی ہے اور شریعت کا کوئی کام امر تخمینی سے ثابت نہیں ہوتا۔

احناف کی طرف سے مذکورہ بالا حدیث کا جواب: احناف کی جانب سے اس حدیث کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ حضرت اُسامہؓ کا نسب حکمِ شرعی کی بناء پر پہلے ہی ثابت تھا، صرف وہ لوگ شبہ کرتے تھے اب ان کے نزدیک جو علم قیافہ معتبر ہے اس کے ذریعہ ان کا رَد ہوا اور ثابت شدہ نسب کی مزید تائید ہوگئی، بنابریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے؛ اس لیے خوش نہیں ہوئے کہ قیافہ کے ذریعہ نسب ثابت ہو رہا ہے۔ (درسِ مشکوٰۃ)

سوال: ۶۸، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۹۱

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحِبَّتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رواه الترمذي)

(الف) حدیث شریف پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) حدیث شریف میں مذکور تفریق کی ممانعت کیا صرف والد اور والدہ کے ساتھ خاص ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو بتائیں کہ اس میں اور کون سے اعزہ داخل ہیں؟ (ج) یہ حکم کس عمر تک کے لیے ہے اور اس سلسلے میں ائمہ کے کیا مذاہب ہیں تحریر کریں؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے جو آدمی ماں اور اس کے بیٹے کے مابین جدائیگی ڈالے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دوستوں کے مابین جدائیگی ڈال دیں گے۔

(ب) کیا حدیث میں مذکور یہ تفریق والد اور والدہ کے ساتھ خاص ہے؟

حدیث میں مذکور یہ تفریق صرف والد اور والدہ کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ بلکہ اس میں نابالغ بچوں کے تمام ذی رحم محرم رشتہ دار مثلاً والد، والدہ، دادا، دادی، نانا، نانی، بھائی، بہن وغیرہ داخل ہیں اور نابالغ غلام بچہ کو اس کے ذی رحم محرم سے جدا کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ بچہ اگر بالغ ہو جائے تو پھر اس کو اس کے رشتہ داروں سے جدا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(ج) بچہ اور اس کے ذی رحم محرم کے مابین کس عمر تک جدائیگی کرنا ممنوع ہے؟

ہر نابالغ بچہ کو خواہ وہ آزاد ہو یا غلام اس کے ذی رحم محرم سے جدا کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ غلام کے بالغ ہو جانے کے بعد اس کو اس کے رشتہ داروں سے جدا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کتنی عمر کا بچہ بالغ شمار ہوتا ہے اور جدا کرنے کی اس ممانعت کا تعلق بچہ کی کس عمر تک ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سلسلے میں ائمہ کا اختلاف ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جب بچہ کو احتلام ہونے لگے اس وقت اس کو بالغ شمار کیا جائے گا اور تفریق کی اس ممانعت کا تعلق بچہ کے احتلام ہونے تک ہے، اور حضرت امام شافعیؒ کا فرمانا یہ ہے کہ کسی بھی بچہ کے بالغ ہونے کے لیے اس کا سات یا آٹھ برس کا ہونا ضروری ہے اور اسی عمر تک حدیث میں مذکور جدائیگی کی اس ممانعت کا تعلق ہے۔

سوال:۶۹، مشکوٰۃ شریف:ص/۲۹۴

(الف) عبارت بااعراب: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِيْ عَبْدٍ وَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ، قُوِّمَ الْعَبْدُ عَلَيْهِ قِيْمَةَ عَدْلٍ، فَأُعْطِيَ شُرَكَاؤُهُ حِصَصَهُمْ، وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ، وَإِلَّافَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَاعَتَقَ. (متفق عليه)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کرتے ہوئے مشترک غلام کے آزاد کرنے والے کے مؤسر اور معسر ہونے کی صورت میں ائمہ کے مذاہب اور دلائل تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کسی (مشترک) غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کردے (تو اس کے لیے بہتر ہے کہ) اگر اس کے پاس اتنا مال ہو جو اس غلام کے باقی حصوں کے بقدر ہو تو انصاف کے ساتھ اس غلام کے باقی حصوں کی قیمت لگالے اور اس غلام کے دوسرے شریکوں کو ان کے حصوں کی قیمت دیدے اور وہ غلام اس کی جانب سے آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو غلام کا جو حصہ اس نے آزاد کیا ہے وہ آزاد ہو جائے گا (اور باقی غلام رہے گا)۔

(ب) حدیث شریف کا مطلب: اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے مشترک غلام کے آزاد کرنے کے حکم کو بیان کیا ہے، واضح رہے کہ اگر ایک غلام چند شرکاء کے مابین شریک ہو اور ایک شریک اپنے حصہ کے غلام کو آزاد کرنا چاہے تو آزاد کرسکتا ہے اور یہ آزادی نافذ ہوجائے گی؛ لیکن اب غلام کے اگلے حصوں کا کیا ہوگا؟ تو اس سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے؛ چنانچہ اس کے متعلق ان حضرات کے تین مذاہب ہیں۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

پہلا مذہب: حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ہے، آپ کے نزدیک اگر مشترک غلام کو آزاد کرنے والا مالدار ہے تو اس کے ساتھی شرکاء کو تین باتوں کا اختیار حاصل ہوگا: (۱) یا تو وہ بھی غلام میں موجود اپنے اپنے حصوں کو آزاد کردیں اور ولاء میں برابر کے شریک ہوجائیں (۲) یا بطورِ تاوان آزاد کرنے والے سے اپنے حصہ کی قیمت لے لیں اور پورے غلام کو اسی کی جانب لگادیں یعنی گویا اس کو فروخت کردیں (۳) یا غلام سے سعی کرا کے اپنا حصہ وصول کرلیں اور غلام کو آزاد کردیں، اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہے تو پھر اس کے ساتھی شرکاء کو صرف دو باتوں کا اختیار حاصل ہے: (۱) یا تو فی سبیل اللہ یہ بھی اپنے حصوں کو آزاد کردیں (۲) یا غلام سے سعی کرا کے اپنے حصوں کی قیمت وصول کرلیں اور غلام کو آزاد کردیں۔

دوسرا مذہب: حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا ہے، ان حضرات کے نزدیک اگر غلام کو آزاد کرنے والا مالدار ہے تو اس کو چاہیے کہ دوسرے شرکاء کے حصوں کو بھی خرید لے اور تمام غلام اپنی جانب سے آزاد کردے اس صورت میں اس غلام کا حق ولاء اسی کو حاصل ہوگا، اور اگر آزاد کرنے والا الدار نہیں ہے تو اس پر دوسرے شرکاء کے حصوں کو خریدنا ضروری نہیں ہے اور اس کی طرف سے آزاد کیا ہوا غلام کا حصہ آزاد ہوائے گا۔

تیسرا مذہب: حضرت امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا ہے، ان حضرات کے

نزدیک اگر غلام کو آزاد کرنے والا مالدار ہے تو اس کو چاہیے کہ دوسرے شرکاء کے حصوں کو بھی خرید لے اور تمام غلام اپنی جانب سے آزاد کردے اس صورت میں اس غلام کا حق ولاء اسی کو ملے گا، اور اگر آزاد کرنے والا مالدار نہیں ہے تو غلام پر سعی کرنا ضروری ہوگا اور وہ محنت کر کے اپنے باقی حصے کو آزاد کرائے گا۔

فقہاء کے مذکورہ اختلاف کی اصل وجہ: واضح رہے کہ مشترک غلام کی آزادی کے متعلق فقہاء کے مابین جو اختلاف ہوا ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور جمہور فقہاء کے نزدیک فعلِ عتاق تجزی کو قبول کرتا ہے، اس لیے ان حضرات کے نزدیک آدھا غلام آزاد ہوجاتا ہے یہ بات الگ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے غلام کے بقیہ حصہ کو آزاد کرنے کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں، اس کے برخلاف حضرات صاحبینؒ کے نزدیک فعل عتاق تجزی کو قبول نہیں کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے نزدیک آدھا غلام آزاد کرنے سے پورا غلام آزاد ہوجاتا ہے اور آزاد کرنے والے پر اگر وہ مالدار ہو تو دوسرے شرکاء کے حصہ کا تاوان ادا کرنا اور اگر غریب ہو تو خود غلام کو سعی کر کے ان کے حصہ کی قیمت ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

مذکورہ مذاہب ثلاثہ کے دلائل اور وجہِ استدلال: واضح رہے کہ مشترک غلام کی آزادی کے سلسلے میں مذہبِ دوم کے قائلین حضرات ائمہ ثلاثہ نے اپنے مسلک پر مذکورہ فی السوال حدیث سے استدلال کیا ہے۔ وجہِ استدلال یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس حدیث میں مشترک غلام کی آزادی کے متعلق بالکل واضح حکم ارشاد فرمایا ہے کہ اگر آزاد کرنے والا شریک مالدار ہے تو وہ بقیہ شرکاء کو ان کے حصوں کی قیمت ادا کردے اور تمام غلام کو اپنی جانب سے آزاد کردے اور اگر وہ غریب ہے تو پھر غلام کا جتنا حصہ اس نے آزاد کیا ہے وہ آزاد ہوگا اور بقیہ حصہ دوسرے شرکاء کا مملوک رہے گا، پس اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے یہ حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ مشترک غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کرنے والے پر مالدار ہونے کی صورت میں دوسرے شرکاء کے حصہ کی قیمت ادا

کرنا ضروری ہے اور اگر وہ غریب ہے تو غلام میں سے صرف اس کا حصہ آزاد ہو جائے گا۔

مذہبِ سوم کے قائلین حضرات صاحبینؒ نے اپنے مسلک پر حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث: "من اعتق شقصا في عبد اعتق كله ان كان له مال فإن لم يكن له مال استسعى العبد غير مشقوق عليه" سے استدلال کیا ہے، وجہِ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص (مشترک) غلام کے اپنے حصہ کو آزاد کر دے تو وہ پورا غلام آزاد ہو جاتا ہے پس اگر آزاد کرنے والے کے پاس مال ہو (تو وہ اپنے بقیہ شرکاء کو عطاء کر دے اور غلام کو اپنی جانب سے آزاد کر دے) اور اگر مال نہ ہو تو غلام دوسرے شرکاء کے حصوں کے بقدر سعی پر مامور کیا جائے گا؛ لیکن اس کو مشقت میں مبتلا نہیں کیا جائے گا، اس روایت سے ان حضرات نے اپنے مسلک پر بایں طور استدلال کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس روایت میں مشترک غلام کے ایک حصہ کو آزاد کرنے کی صورت میں مکمل غلام کو آزاد قرار دیا ہے اور آزاد کرنے والے پر اگر وہ مالدار ہو تو بقیہ شرکاء کے حصوں کی قیمت کے ادا کرنے کو اور اگر مالدار نہ ہو تو غلام پر سعی کرنے کو لازم کیا ہے پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس صورت میں یہی طریقہ اختیار کیا جائے گا، اس کے علاوہ کسی اور طریقہ کو اختیار نہیں کیا جائے گا۔

مذہبِ اوّل کے قائل حضرات امام ابو حنیفہؒ نے اپنے مسلک پر مذکورہ فی السوال حدیث اور حضرات صاحبینؒ کی پیش کردہ دلیل سے استدلال کیا ہے اور ان دونوں کے مجموعہ سے اپنے مسلک کو ثابت کیا ہے۔ وجہِ استدلال تشریح سے بالکل واضح ہے۔

سوال: ۷۰، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۹۵

(الف) عبارت با اعراب: عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ بِعْنَا أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِيْ بَكْرٍ فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ نَهَانَا عَنْهُ فَانْتَهَيْنَا. (رواه ابو داؤد)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) ام ولد کی تعریف کریں اور بتائیں کہ ام ولد کی بیع جائز ہے یا نہیں اختلاف علماء مدلل تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ام ولد کی بیع کی؛ لیکن جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ہم کو بیع ام ولد سے منع فرمادیا، پس ہم اس سے باز آ گئے۔

(ب) ام ولد کی تعریف: اُمِّ ولد وہ باندی کہلاتی ہے جس کے ساتھ اس کے مولیٰ نے جماع کیا ہو اور اس کے نتیجہ میں اس نے بچہ جنا ہو۔

ام ولد کی بیع جائز ہے یا نہیں اختلاف علماء: اس میں اختلاف ہے کہ اس کا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

چنانچہ بعض اہلِ ظاہر کے نزدیک اس کی بیع جائز ہے۔

لیکن جمہور صحابہ وتابعین اور جمہور ائمہ کے نزدیک اس کا بیچنا جائز نہیں ہے۔

اہلِ ظاہر کی دلیل: اہلِ ظاہر دلیل پیش کرتے ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیثِ باب ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

جمہور کی دلیل:

عن ابن عباس عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال إذا ولدت امة الرجل فهی معتقة عن دبر منه او بعده. (مشکوٰۃ:۲۹۵) یعنی کہ جب یہ معتقہ ہوگئی تو اس کی بیع کیسے جائز ہوگی؟ اسی طرح جب حضرت ماریہ قبطیہ کے فرزند ارجمند ابراہیم پیدا ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''اعتقها ولدها'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کرام کا اجماع ہوگیا اس کے عدمِ جواز پر۔ (درسِ مشکوٰۃ:۵۲/۳)

حدیثِ باب کا جواب: حدیثِ باب کا جواب یہ ہے کہ پہلے ام ولد کی بیع

جائز تھی پھر منسوخ ہوگئی؛ لیکن یہ نسخ عام طور پر مشہور نہیں ہوا تھا اسی اعتبار سے لوگ بیع کرتے تھے، اور صدیق اکبر کے زمانہ میں بعض لوگوں کو اس کا علم نہ ہوا ہو، اس لیے بیع کرتے تھے، اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یہ عام طور پر مشہور ہوگیا، اور تمام صحابۂ کرام کا اجماع ہوگیا، اور ایسے بہت سے مسائل ہیں جو پہلے مشہور نہیں ہوئے، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مشہور ہوئے اور اجماع ہوگیا۔ (مقات:۵۶۸/۶)

سوال:۱۷، مشکوٰۃ شریف:ص/۲۹۶

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِيْنُكَ عَلٰى مَاتُصَدِّقُكَ عَلَيْهِ صَاحِبُكَ. وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْيَمِيْنُ عَلٰى نِيَّةِ الْمُسْتَحْلِفِ.

(الف) دونوں حدیثوں پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) دونوں حدیثوں کا مطلب بیان کریں اور "صاحبک" کی مراد لکھ کر اس کا محل وموقع متعین کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری قسم اس وقت صحیح ہوتی ہے جب تمہارا ساتھی یعنی قسم دینے والا تمہیں سچا سمجھے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم کا اعتبار قسم دینے والے کی نیت پر ہوتا ہے۔

(ب) دونوں حدیثوں کا مطلب: مطلب یہ ہے کہ قسم سچی ثابت ہونے کے سلسلہ میں اس شخص کی نیت وارادہ کا اعتبار ہوگا جس نے تمہیں قسم دی ہے اس میں قسم کھانے والے کی نہ تو نیت کا اعتبار ہوگا اور نہ اس کے توریہ وتاویل کا اعتبار کیا جائے گا؛ لیکن اس حکم کا تعلق کسی تنازعہ کی صورت سے ہے، جب کہ قسم دینے والے کا کوئی حق و

مطالبہ قسم کھانے والے پر ہو اور قسم کھانے والے کے توریہ وتاویل سے اس کا حق ساقط ہوتا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی مقدمہ کے سلسلہ میں اگر قاضی وحاکم مدعی علیہ کو قسم دلائے تو اس میں قاضی وحاکم کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے، ہاں! اگر کسی کی حق تلفی کا کوئی معاملہ نہ ہو یا کوئی قسم دینے والا نہ ہو تو پھر توریہ میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بطورِ خاص جب کہ اس توریہ کی وجہ سے کسی کا فائدہ ہوتا ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ کو ظالموں کے پنجہ سے بچانے کے لیے یہ ظاہر کیا کہ یہ میری بہن ہے، سارہ کو بہن کہنے سے حضرت ابراہیم کی مراد یہ تھی کہ یہ میری دینی بہن ہے۔

دوسری حدیث کا مطلب پہلی حدیث کے مطلب سے واضح ہے۔

"صاحبک" کی مراد اور اس کا محل وموقع:

قال الملا علي قاري (صاحبک) أي خصمک ومدعيک. اور اس کا موقع ومحل تشریح میں آچکا ہے۔ (مرقاۃ بحوالہ حاشیہ مذکورہ: ۲۹۶/۷)

سوال: ۲، مشکوٰۃ شریف: ص/۲۹۷

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَانَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةٍ وَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ. (رواه ابوداؤد)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) حدیث شریف کی مکمل تشریح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "گناہ کی نذر پوری نہیں کی جائے گی اور اس کا کفارہ کفارۂ یمین ہے"۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

(ب) حدیث شریف کی تشریح:

نذر معصیت میں وجوبِ کفارہ کے متعلق اختلافِ ائمہ: نذر معصیت کے بارے میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ اس کو پورا نہیں کیا جائے گا یعنی اگر کوئی کسی معصیت کے متعلق نذر کرے مثلاً یہ نذر کی کہ میں فلاں شخص کو قتل کروں گا تو بالاتفاق اس کا اعتبار نہیں، اور نہ اس کو پورا کیا جائے گا؛ بلکہ اس میں معصیت بالائے معصیت ہوگی؛ لیکن اختلاف اس میں ہوا کہ ایسی صورت میں کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟

تو امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اس میں کفارہ واجب نہ ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کے نزدیک اس میں کفارہ یمین واجب ہوگا۔ (مرقات:۶/۶۰۵)

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی دلیل: یہ حضرات دلیل پیش کرتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مذکورہ حدیث سے، اور وجہِ استدلال یہ ہے کہ یہاں کفارہ کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا، اگر کفارہ واجب ہوتا تو آپ ضرور ذکر فرماتے، لہٰذا کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کی دلیل: یہ حضرات دلیل پیش کرتے ہیں حضرت عقبہ بن عامرؓ کی حدیث سے: "كفارة النذر كفارة اليمين" (مسلم) تو یہاں مطلق نذر میں کفارہ یمین کیا گیا خواہ طاعت کا ہو یا معصیت کا۔

عن عائشةؓ قالت قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم لانذر في معصية وكفارته كفارة يمين. (ترمذی ونسائی) کہ اس میں صاف بتلایا گیا کہ نذر معصیت میں کفارۂ یمین ہے۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی دلیل کا جواب: ان حضرات نے حضرت عائشہؓ کی جو حدیث پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں کفارہ کا ثبوت ونفی کا کوئی ذکر نہیں کیا اور عدمِ بیان سے عدمِ ثبوت لازم نہیں آتا، جبکہ دوسری حدیث میں صراحۃً کفارہ کا ذکر ہے۔

نذر کے لغوی واصطلاحی معنیٰ:

نَذْرٌ: یہ باب نَصَرَ وضَرَبَ کا مصدر ہے، نَذَرَ، یَنْذُرُ، نَذْرًا وَنُذُوْرًا بمعنیٰ کوئی چیز اپنے اوپر لازم کر لینا، منت ماننا، اور اصطلاحِ شرع میں نذر کہا جاتا ہے کسی امر کے پیش آنے پر غیر واجب چیز کو اپنے اوپر واجب کرنا مثلاً یہ کہنا کہ اگر فلاں کام ہو جائے تو مجھ پر دو روزے ہیں۔

سوال: ۳۷، مشکوٰۃ شریف: ص/۳۰۰

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَسَرَتِ الرُّبَيِّعُ وَهِيَ عَمَّةُ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَاَتَوُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ بِالْقِصَاصِ فَقَالَ اَنَسُ بْنُ النَّضْرِ عَمُّ اَنَسِ بْنِ النَّضْرِ لَاوَاللّٰهِ لَاتُكْسَرُ ثَنِيَّتُهَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَااَنَسُ كِتَابُ اللّٰهِ الْقِصَاصُ فَرَضِيَ الْقَوْمُ وَقَبِلُوا الْاَرْشَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَوْاَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ. (متفق علیه)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) قصاص کے لغوی واصطلاحی معنیٰ تحریر کریں (ج) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قصاص کا حکم دینے کے باوجود صحابیؓ کا قسم کھا کر آپ کے حکم کی مخالفت کرنے کا مقصد تحریر کریں۔

الجواب

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رُبیع نے جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں، ایک انصاری لڑکی کے دانت توڑ دیے، پس وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدلہ لینے کا

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

حکم صادر فرمایا (کہ رُبیع کے بھی دانت توڑ دیے جائیں) چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ کے چچا حضرت انس بن نضر نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسا نہیں ہوگا، ربیع کے دانت نہیں توڑے جائیں گے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے انس! اللہ کا حکم بدلہ لینے کا ہے؛ لیکن (خدا نے ایسا کیا کہ) لڑکی کے خاندان والے دِیّت (مالی معاوضہ) قبول کرنے پر راضی ہو گئے (اور رُبیع کے دانت نہیں توڑے گئے) پس آپ نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ کسی بات پر اللہ کی قسم کھالیں تو خداوند تعالیٰ اس کو پورا فرمادیتا ہے۔

(ب) قصاص کے لغوی واصطلاحی معنیٰ:

قصاص بکسر القاف بابِ مفاعلۃ کا مصدر ہے جس کے معنیٰ باہم برابری کرنا؛ چونکہ قتل وغیرہ ظلم ہیں، ایک آدمی دوسرے کو جتنا نقصان پہنچائے گا دوسرے کو اتنا ہی بدلہ لینا جائز ہے، اس سے موئے برابر زیادتی کرنا جائز نہیں؛ اس لیے اس بدلہ لینے کو قصاص کہا جاتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ قَصَّ یَقُصُّ سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ پیچھا کرنا اور چونکہ ولی المقتول قاتل کا پیچھا کرتا ہے؛ اس لیے قصاص کہتے ہیں۔

اور اصطلاحِ شرع میں قصاص کہا جاتا ہے قتل کرنے اور زخم لگانے کی اس سزا کو جس میں مساوات اور مماثلت کی رعایت کی گئی ہو۔

(ج) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قصاص کا حکم دینے کے باوجود صحابیؓ کا قسم کھا کر آپ کے حکم کی مخالفت کرنے کا مقصد:

حضرت انس بن نضر کا لا واللہ لاتکسر ثنیتھا یا رسول اللہ! کہنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت یا آپ کے حکم کی تردید کے لیے نہیں تھا؛ بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات والی صفات اور اس کے فضل سے اتنی توقع اور امید تھی کہ خصم یعنی لڑکی کے رشتہ دار اللہ کے لیے معاف کر کے دیت لینے پر راضی ہو جائیں گے، اسی وجہ سے آپ نے ان کے کے راضی ہو جانے کے بعد حضرت انس کے قول کی تعریف فرمائی۔ (مرقات: ۲۰/۷)

سوال:۴۷، مشکوٰۃ شریف: ص/۳۰۲

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنِيْنِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِيْ لِحْيَانَ سَقَطَ مَيِّتًا بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْأَمَةٍ، ثُمَّ إِنَّ الْمَرْأَةَ الَّتِيْ قُضِيَ عَلَيْهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّيَتْ فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنَّ مِيْرَاثَهَا لِبَنِيْهَا وَزَوْجِهَا وَالْعَقْلُ عَلٰى عَصَبَتِهَا. (متفق علیه)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) حدیث مذکورہ میں بیان کردہ قصہ کی تفصیل لکھتے ہوئے بتائیں کہ بنی لحیان اور ہذیل ایک ہی قبیلہ کے نام ہیں یا الگ الگ قبیلوں کے نام ہیں؟ (ج) غرہ اور عقل کی تشریح تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی لحیان کی ایک عورت کے اس بچہ کی دیت میں جو مردہ ہوکر گر گیا تھا غرہ یعنی ایک غلام یا باندی کو واجب کیا تھا پھر جب وہ عورت (جس کے عاقلہ پر آپ علیہ السلام نے غرہ واجب کیا تھا) مرگئی تو آپ علیہ السلام نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اس کی میراث اس کے بیٹوں اور خاند کے لیے ہے اور اس کی دیت اس کے عصبات پر واجب ہے۔

(ب) حدیث مذکورہ میں قصہ کی تفصیل: اس حدیث شریف میں جس قصہ کو بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ قبیلۂ بنی لحیان کے ایک شخص حمل بن مالک بن نابغہ کی دو بیویاں ملیکہ اور ام غطیف ایک مرتبہ آپس میں کسی بات پر لڑ پڑیں اور جھگڑا اتنا ہوا کہ ان میں سے ایک نے دوسری کے پیٹ پر ایک پتھر دے مارا پتھر جس کے پیٹ پر لگا

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

وہ حاملہ تھی پتھر کی ضرب سے اس کے پیٹ کا جنین مر گیا اور حمل ساقط ہو کر گر پڑا، اہلِ معاملہ اس قضیہ کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا کہ جنین کے بدلہ میں مارنے والے پر ایک غرہ یعنی ایک غلام یا باندی لازم ہے؛ لیکن بعد میں یہ عورت جس پر حضور علیہ السلام نے غرہ کو لازم کیا تھا انتقال کر گئی تو پھر آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اس عورت کی میراث اس کے بیٹوں اور خاوند کے لیے ہے اور جنین کی دیت اس کے عصبات پر ادا کرنا لازم ہے۔

بنی لحیان اور ہذیل ایک ہی قبیلے کے دو نام ہیں یا الگ الگ قبیلے ہیں؟ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث مذکورہ میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے یہ قبیلۂ بنی لحیان کی دو عورتوں کا ہے، جبکہ ایک دوسری روایت میں یہی واقعہ قبیلۂ بنی ہذیل کی دو عورتوں کی جانب منسوب کیا گیا ہے تو کیا لحیان اور ہذیل ایک ہی قبیلہ کے دو نام ہیں یا یہ دونوں الگ الگ قبیلے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی قبیلہ کے نام ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ہذیل ایک بڑا قبیلہ ہے اور لحیان اس کی ایک شاخ کا نام ہے، اور ان دونوں عورتوں میں سے ایک کا تعلق خاص قبیلۂ ہذیل سے تھا اور دوسری ہذیل کی شاخ قبیلۂ بنی لحیان سے متعلق تھی اور چونکہ یہ دونوں ایک قبیلے ہیں؛ اس لیے کسی روایت میں ان دونوں کو لحیانی اور کسی میں ہذیلی کہہ دیا گیا ہے۔

(ج) غرہ کی تشریح: غرہ اصل میں گھوڑے کی پیشانی پر موجود سفیدی کو کہتے ہیں اور عوام الناس کی اصطلاح میں اس کا اطلاق عمدہ مال پر کیا جاتا ہے اور غلام و باندی بھی چونکہ عمدہ مال ہوتے ہیں اس لیے حدیث مذکورہ میں ان پر بھی اس لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے۔

Website:MadarseWale.blogspot.com
Website:NewMadarsa.blogspot.com

واضح رہے کہ غرہ فقہاء کی اصطلاح میں پوری دیت کے بیسویں حصہ کو کہتے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ کسی بھی انسان کی پوری دیت دراہم کے اعتبار سے دس ہزار درہم ہوتی ہے ان دس ہزار دراہم کا بیسواں حصہ یعنی پانچ سو درہم عند الفقہاء غرہ کہلاتا ہے۔

عقل کی تشریح: عقل کے لغوی معنیٰ کسی چیز کو باندھنے اور روکنے کے آتے ہیں اور اصطلاح میں عقل مقتول کی دیت کو کہا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ عقل کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ کے مابین مناسبت یہ ہے کہ اہلِ عرب مقتول کی دیت اونٹ وغیرہ کو مقتول کے گھر لاکر باندھا کرتے تھے نیز اس کی ادائیگی کے بعد وہ مزید کسی طرح کے خون وخرابہ کرنے سے رُک جایا کرتے تھے؛ اس لیے وہ اپنے زمانے میں دیت کے اس مال کو عقل سے تعبیر کرتے تھے۔

سوال: ۵۷، مشکوٰۃ شریف: ص/۳۱۰

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ إِذَا زَنَتْ اَمَةُ اَحَدِکُمْ فَتَبَیَّنَ زِنَاهَا فَلْیَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَایُثَرِّبْ عَلَیْهَا ثُمَّ اِنْ زَنَتْ فَلْیَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَایُثَرِّبْ ثُمَّ اِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ فَتَبَیَّنَ زِنَاهَا فَلْیَبِعْهَا وَلَوْبِحَبْلٍ مِنْ شَعْرٍ. (متفق علیه)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) حدیث شریف کی مکمل تشریح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم میں سے کسی شخص کی لونڈی زنا کا ارتکاب کرلے پھر اس کا زنا کرنا ظاہر وثابت ہوجائے تو اس پر حد جاری کرے اور اس کو عار نہ دلائے پھر اگر زنا کرے تو اس پر حد جاری کرے اور اس کو عار نہ دلائے، پھر اگر تیسری بار زنا کرلے اور اس کا زنا کرنا ثابت ہوجائے تو اس کو بیچ ڈالے اگرچہ بالوں کی رسی کے عوض (ہی کیوں نہ بیچنا پڑے)۔

(ب) حدیث شریف کی مکمل تشریح:

إذازنت امة احدکم الخ: یعنی اگر کسی شخص کی باندی سے زنا کاری کا صدور ہوجائے اور دلائل وشواہد وغیرہ کے ذریعے زنا کا مکمل ثبوت حاصل ہوجائے تو اب باندی پر حدِ زنا قائم کی جائے گی؛ لیکن باندی کی حدِ زنا آزاد کی حدزنا کے نصف ہوگی یعنی کہ پچاس کوڑے اور باندی پر رحم نہیں کیا جائے گا "**لایثرب علیها**" حدزنا کی مشروعیت سے پہلے طریقہ تھا کہ باندی کو عار دلا کر یا لعن طعن کر کے چھوڑ دیا کرتے تھے؛ لیکن حدزنا کی مشروعیت کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا اور عار دلانے وغیرہ سے منع کردیا گیا؛ کیونکہ حدزنا کی صورت میں اپنے گناہ سے پاک ہوگئی اور گناہ کا کفارہ بھی ادا کردیا، لہٰذا اب اس پر لعن طعن کرنے کا کیا مطلب اور یہ حکم فقط لونڈیوں ہی کے لیے نہیں ہے؛ بلکہ حرائر وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے؛ لیکن لونڈیاں چونکہ توبیخ وسرزنش کا محل ہوتی ہیں، اسی لیے بطورِ خاص ان کا حکم بیان کردیا۔

فلیبعها ولوبحبل من شعر: حدیث کا ظاہر لفظ تو دلالت کرتا ہے کہ اگر باندی سے فعلِ زنا کا صدور بار بار ہو مثلاً تین بار ہوجائے تو اب تیسری مرتبہ حد جاری کرنے سے پہلے ہی آقا کو چاہیے کہ بیچ ڈالے؛ لیکن آقا کو اختیار ہے کہ چاہے تو اجرائے حد کے قبل بیچے یا بعد میں بیچے دونوں صورتیں جائز ہیں۔

باندی کی حدزنا: صاحبِ مرقات المفاتیح نے لکھا ہے کہ باندی کی حدزنا منکوحہ ہو یا غیر منکوحہ دونوں صورتوں میں جلد وکوڑے لگانا ہے مگر حرائر کی حدزنا کی نصف حد ہے۔

مولیٰ کے خود اپنی باندی کو بطورِ حد کے کوڑے مارنے میں فقہاء کا اختلاف:

عبد اور باندی اگر زنا کرلے تو امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اس کا مولیٰ بھی حد لگا سکتا ہے۔

لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مولیٰ اپنے غلام پر حد جاری نہیں کرسکتا ہے، ہاں! اگر حاکم اجازت دیدے تو جاری کرسکتا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: یہ حضرات دلیل پیش کرتے ہیں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث مذکورہ سے کہ آپ نے فرمایا کہ اس کا مولیٰ جلد لگائے۔

قال علیه السلام اقیموا الحدود علٰی ماملکت ایمانکم، کہ یہاں خطاب مولیٰ اور آقا کو ہے، لہٰذا حق جلد آقا ہی کو ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: امام ابوحنیفہؒ دلیل پیش کرتے ہیں حضرت ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ کی حدیث سے: أنه علیه السلام قال اربع الی الولاة الحدود، والصدقات والجمعات والفیئ. (ترمذی:۲۶۶/۱)

دوسری دلیل: یہ ہے کہ حدود وقصاص قائم کرنا انتظام عالم کو باقی رکھنے کے لیے ہے اور یہ حاکم کا کام ہے، دوسروں کے کرنے میں انتظام عالم میں خلل واقع ہوگا۔

حد کے لغوی واصطلاحی معنیٰ: لغت میں حد کے معنیٰ روکنا اَلْحَدُّ واحد، جمعه حُدُوْدٌ بمعنیٰ مجرم کے لیے شرعاً واجب ہونے والی مخصوص سزا۔

اور اصطلاحِ شرع میں حد کہا جاتا ہے ایسی سزا کو جو شریعت نے برائے حق اللہ مقرر ومتعین کی ہے۔ (درسِ مشکوٰۃ:۸۸/۳)

سوال:۶۷، مشکوٰۃ شریف: ص/۳۱۶ (داخلہ ۱۴۳۸ھ)

(الف) عبارت بااعراب: جَاءَ الْأَسْلَمِيُّ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَهِدَ عَلٰى نَفْسِهٖ أَنَّهٗ أَصَابَ اِمْرَأَةً حَرَامًا أَرْبَعَ مَرَّاتٍ كُلَّ ذٰلِكَ يُعْرِضُ عَنْهُ فَأَقْبَلَ فِي الْخَامِسَةِ فَقَالَ أَنِكْتَهَا؟ قَالَ نَعَمْ، قَالَ: حَتّٰى غَابَ ذٰلِكَ مِنْكَ فِيْ ذٰلِكَ مِنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: كَمَا يَغِيْبُ الْمِرْوَدُ فِي الْمُكْحُلَةِ وَالرِّشَاءُ فِي الْبِئْرِ..... ثُمَّ سَارَ سَاعَةً حَتّٰى مَرَّ بِجِيْفَةِ حِمَارٍ شَائِلٍ بِرِجْلِهٖ فَقَالَ أَيْنَ فُلَانٌ وَفُلَانٌ فَقَالَ: نَحْنُ ذَانِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَقَالَ: اَنْزِلَا فَكُلَا مِنْ جِيْفَةِ هٰذَا الْحِمَارِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق اور مرادی معنیٰ بیان کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں) کہ (ماعز) اسلمی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے اور انھوں نے اپنے خلاف چار مرتبہ اِس بات کی گواہی دی کہ انھوں نے ایک عورت سے حرام کام (زنا) کا ارتکاب کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مرتبہ ان سے منھ پھیر لیتے تھے، پانچویں مرتبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کیا تو نے اس سے وطی کی ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حتیٰ کہ تمہاری یہ چیز (شرم گاہ) اس عورت کی اس چیز (شرم گاہ) میں گم ہوگئی؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس طرح سلائی سرمے دانی میں اور رَسّی کنویں میں داخل ہو (کر غائب ہو) جاتی ہے؟..... پھر کچھ دیر چلے، حتیٰ کہ آپ ایک مُردار گدھے کے پاس سے گزرے، جس کے پیر اُٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فلاں اور فلاں کہاں ہیں، دونوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم یہیں ہیں، آپ نے فرمایا کہ تم دونوں اُترو اور اس گدھے کی لاش سے کھاؤ۔

(ب) خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق اور مرادی معنیٰ بیان:

(۱) **الأسلمي:** اسلم يسلم إسلامًا بمعنیٰ فرمانبردار ہونا، دینِ اسلام اختیار کرنا، من باب افعال: اسلم یعنی آفات سے بہت محفوظ، مؤنث سُلمی: یہاں اسلمی سے مراد حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۲) **شهد:** بكسر الهاء وفتح الدال، من باب سمع يسمع، شهد

يشهد شهودا علىٰ كذا گواہی دینا، مجلس میں حاضر ہونا، یہاں مراد ہے اپنے نفس پر گواہی دینا۔

(۳) أصاب: أصاب يصيب من باب افعال جیسے: أصاب السهم: تیر کا نشانہ پر لگنا، الرجل درست کرنا، الشيء پانا، یہاں أصاب امرأة میں جماع مراد ہے۔

(۴) أنكتها: من باب نصر ينصر نكت الأرض بقضيب أو بأصبعه سوچ کی حالت میں چھڑی یا اُنگلی سے زمین کو کُریدنا، الناسَ بالحصي زمین پر کنکری پھینکنا، الفرس: گھوڑے کا اُچھلنا، کہا جاتا ہے: مرّ الفرسُ ينكت گھوڑا اُچھلتا ہوا گزرا، یہاں أَنِكْتَهَا سے مراد ہے: کیا تو نے اس عورت کے ساتھ صحبت کی ہے؟

(۵) المرود: بكسر الميم وفتح الواو: بمعنیٰ سرمہ کی سلائی، لگام کے حلقہ کا لوہا، چرخی کا ڈنڈا، جس پر چرخی گھومتی ہے۔

(۶) المكحلة: بضم الميم وسكون الكاف: بمعنیٰ سرمہ دانی، یہاں قوله: "يغيب المرود في المكحلة" سے جماع مراد ہے۔

(۷) الرّشاء: بكسر الراء المشددة وفتح الشين بمعنیٰ رَسّی، ڈول کی رَسّی، جمع اَرْشِيَة يقال اتبع الدلو رشاتها ڈول کے پیچھے رَسّی بھی کرو، یہاں "والرّشاء في البئر" سے جماع مراد ہے۔ (معجم الوسیط، مصباح اللغات وغیرہ)

سوال: ۷۷، مشکوٰۃ شریف: ص ۳۲۴/ (۱۴۳۷ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ كَانَ إِذَا بَعَثَ عُمَّالَهُ اشْتَرَطَ عَلَيْهِمْ أَنْ لَاتَرْكَبُوا بِرْذَوْنًا وَلَا تَأْكُلُوا نَقِيًّا وَلَاتَلْبَسُوا رَقِيقًا وَلَاتُغْلِقُوا أَبْوَابَكُمْ دُوْنَ حَوَائِجِ النَّاسِ فَإِنْ فَعَلْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذَالِكَ فَقَدْ حَلَّتْ بِكُمُ الْعُقُوْبَةُ ثُمَّ يُشَيِّعُهُمْ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ (ب) مطلب لکھئے اور بتایئے کہ کیا مذکورہ اُمور شرعاً حرام ہیں؟ اگر نہیں تو حضرت عمرؓ ان سے منع کیوں کرتے تھے، اور کرنے والوں کو مستحق سزا کیوں قرار دیتے تھے؟ تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عمر بن خطابؓ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ عمال (حکام) کو روانہ کرتے تو ان سے یہ شرط کر لیتے (یعنی یہ ہدایت دیتے) کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہونا، میدہ و باریک آٹے کی روٹی وغیرہ نہ کھانا، باریک کپڑے نہ پہننا، اور لوگوں کی حاجت وضرورت کے وقت ان پر اپنے دروازے بند نہ کرنا، (یاد رکھو!) اگر تم نے ان میں سے کوئی چیز اختیار کی تو تم (دنیا و عاقبت میں) سزا کے مستحق ہو جاؤ گے، اس کے بعد حضرت عمرؓ ان کو (کچھ دُور تک) پہنچانے جاتے۔

(ب) حدیثِ باب کا مطلب: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں بیان کیا گیا کہ حضرت عمر فاروقؓ اپنے حکام روانہ کرتے تو ان کو کچھ ہدایت فرماتے تھے، اور وہ یہ ہیں کہ تم ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہونا، میدہ و باریک آٹے کی روٹی وغیرہ نہ کھانا، باریک کپڑے نہ پہننا، اور لوگوں کی حاجت وضرورت کے وقت ان پر اپنے دروازے بند نہ کرنا۔

(یاد رکھو!) کہ اگر تم نے ان میں سے کوئی چیز اختیار کی تو تم دنیا و عاقبت میں سزا کے مستحق ہو جاؤ گے، اس کے بعد حضرت عمرؓ ان کو (کچھ دُور تک) پہنچانے جاتے تھے۔

کیا مذکورہ اُمور شرعاً حرام ہیں؟ اگر نہیں تو حضرت عمرؓ ان سے منع کیوں کرتے تھے؟

مذکورہ اُمور شرعاً حرام نہیں ہیں پھر بھی حضرت عمرؓ کے ان سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ ترکی گھوڑے پر سوار ہونے سے منع کرنا دراصل تکبر سے منع کرنا ہے، میدہ کھانے اور باریک کپڑے پہننے سے منع کرنا اسراف اور عیش وعشرت کی

زندگی اختیار کرنے سے منع کرنا ہے، اور حاجتوں پر اپنے دروازے بند رکھنے سے منع کرنا مسلمانوں کی حاجت روائی نہ کرنے سے منع کرنا ہے۔ (مظاہر حق)

مذکورہ اُمور کرنے والوں کو مستحق سزا کیوں قرار دیتے تھے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ اُمور کے جو نتائج ہیں جیسے تکبر، اسراف اور استطاعت ہونے کے باوجود مسلمانوں کی حاجت روائی نہ کرنا، یہ سب قابلِ مذمت اور قابلِ مؤاخذہ ہیں، جیسے تکبر کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ اور اسراف کے بارے میں ارشادِ باری ہے: ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ اور مسلمانوں کی حاجت روائی کے بارے میں ارشادِ نبوی ہے: "من كان في عون أخيه كان الله في عونه" تو چوں کہ یہ سب قابلِ مؤاخذہ اُمور ہیں؛ اس لیے ان کے اصل میں بھی مستحق سزا ہوں گے، گویا کہ حضرت عمرؓ نے نتائج کی طرف نظر کر کے ان کو مستحق سزا قرار دیا ہے۔

سوال: ۷۸، مشکوٰۃ شریف: ص/۳۲۵ (داخلہ ۱۴۳۱ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ مُسْلِمًا وَيَهُوْدِيًّا اِخْتَصَمَا إِلٰى عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَرَأٰى الْحَقَّ لِلْيَهُوْدِيِّ فَقَضٰى لَهُ عُمَرُ بِهٖ فَقَالَ لَهُ الْيَهُوْدِيُّ، وَاللّٰهِ لَقَدْ قَضَيْتَ بِالْحَقِّ فَضَرَبَهُ عُمَرُ بِالدُّرَّةِ وَقَالَ وَمَا يُدْرِيْكَ؟ فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ وَاللّٰهِ إِنَّا نَجِدُ فِي التَّوْرَاةِ أَنَّهُ لَيْسَ قَاضٍ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ إِلَّا كَانَ عَنْ يَمِيْنِهٖ مَلَكٌ وَعَنْ شِمَالِهٖ مَلَكٌ يُسَدِّدَانِهٖ وَيُوَفِّقَانِهٖ لِلْحَقِّ مَادَامَ مَعَ الْحَقِّ فَإِذَا تَرَكَ الْحَقَّ عَرَجَا وَتَرَكَاهُ. (رواه مالک)

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھئے (ج) بتائیے کہ یہودی کے "لقد قضيت بالحق" کہنے پر مارنے کی کیا وجہ ہے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت سعید بن مسیبؒ راوی ہیں کہ (ایک دن) حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں ایک مسلمان اور ایک یہودی اپنا جھگڑا لے کر آئے، حضرت عمرؓ نے جب یہ دیکھا کہ یہودی حق پر ہے، تو انہوں نے اس کے حق میں فیصلہ دیا، اس یہودی نے کہا کہ خدا کی قسم! آپ نے حق کے مطابق فیصلہ دیا ہے، حضرت عمرؓ نے یہ سن کر اس کو ایک درّہ (کوڑا) مارا اور فرمایا کہ تجھ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں نے حق پر فیصلہ دیا ہے، یہودی نے کہا کہ خدا کی قسم! ہم نے توراۃ میں یہ لکھا ہوا پایا ہے کہ جو بھی قاضی حق کے مطابق فیصلہ دیتا ہے، اس کے دائیں ایک فرشتہ ہوتا ہے، اور اس کے بائیں ایک فرشتہ ہوتا ہے، وہ دونوں فرشتے اس کو تقویت پہنچاتے ہیں اور حق کی توفیق دیتے ہیں جب تک وہ حق پر رہتا ہے اور جب قاضی حق کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ فرشتے آسمان پر چلے جاتے ہیں، اور اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔

(ب) حدیث شریف کا مطلب: حدیث شریف کا مطلب تو ترجمہ سے بالکل واضح ہو گیا کہ ایک دن حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں ایک مسلمان اور ایک یہودی اپنا جھگڑا لے کر آئے، حضرت عمرؓ نے جب قضیہ کی تحقیق کے بعد یہ دیکھا کہ یہودی حق پر ہے تو انہوں نے اس یہودی کے حق میں فیصلہ دیا، اس یہودی نے اپنے حق میں فیصلہ سن کر کہا: خدا کی قسم! آپ نے حق کے مطابق فیصلہ دیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے یہ سن کر اس کو ایک درّہ مارا اور فرمایا کہ تجھ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں نے حق پر فیصلہ دیا ہے، یہودی نے کہا خدا کی قسم! ہم نے توراۃ میں ایسا ایسا پایا ہے۔

(ج) یہودی کے "لقد قضیت بالحق" کہنے پر مارنے کی کیا وجہ ہے؟

مذکورہ اشکال کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس یہودی کو کسی سزا یا غصہ کے طور پر نہیں مارا تھا؛ بلکہ نرمی اور خوش طبعی کے طور پر مارا تھا۔ (مظاہر حق جدید: ج۴، ص۴۵۴)

سوال:۹۷، مشکوٰۃ شریف: ص/۳۳۱

(الف) عبارت بااعراب: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ يَوْمَ الْفَتْحِ لَاهِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ، وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ، وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا. (متفق علیہ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب بیان کریں (ج) حدیث مذکورہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت کی مشروعیت ختم ہوگئی ہے، اس سلسلے میں قولِ فیصل کیا ہے؟ تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے؛ لیکن جہاد اور نیت ہے پس جب تمہیں جہاد کے لیے بلایا جائے تو نکل کھڑے ہو۔

(ب) حدیث شریف کا مطلب: واضح رہے کہ یہ حدیث حضور علیہ السلام نے فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمائی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں پر مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا جو حکم لازم تھا وہ اب باقی نہیں رہا؛ البتہ اللہ رب العزت کے راستے میں جہاد کرنے کا ارادہ رکھنا اور موقع ملنے پر اخلاص نیت کے ساتھ جہاد کرنا باقی ہے اور جو ثواب مہاجر کو ہجرت سے ملتا تھا وہی ثواب اب جہاد اور اس کی نیت کی صورت میں موجود ہے، پس جب بھی کسی موقع پر اہلِ اسلام کو بجانب جہاد بلایا جائے ان پر جہاد میں شرکت کرنا اور اپنے تمام اُمور کو پس پشت ڈال کر جہاد میں نکل جانا ضروری ہے۔

(ج) کیا فتح مکہ کے بعد ہجرت کی مشروعیت ختم ہوچکی ہے؟ اب یہاں یہ

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا فتح مکہ کے بعد ہجرت کی مشروعیت ختم ہو چکی ہے یا ہجرت کا حکم اب بھی باقی ہے، اگر یہ حکم اب بھی باقی ہے تو پھر حدیث مذکورہ کا کیا مطلب ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہجرت کا حکم اب بھی باقی ہے اس کی مشروعیت ختم نہیں ہوئی ہے، آج بھی موقع بموقع اہلِ ایمان پر اپنے ایمان اور جان و مال کی حفاظت کے لیے دارالکفر اور دارالفتن سے دارالاسلام کی جانب ہجرت کرنا لازم ہے رہا حدیث مذکورہ کا مطلب تو وہ یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہر مسلمان پر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنا لازم تھا؛ لیکن فتح مکہ کے بعد اب یہ حکم باقی نہیں ہے؛ اس لیے کہ اب مکہ دارالاسلام بن گیا ہے اور دارالاسلام سے دارالاسلام کی جانب ہجرت کرنا لازم نہیں ہے۔

سوال: ۸۰، مشکوٰۃ شریف: ص/۳۴۸

(الف) عبارت با اعراب: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْھَمَ لِلرَّجُلِ وَلِفَرَسِہٖ ثَلٰثَۃَ اَسْھُمٍ سَھْمًا لَہٗ وَسَھْمَیْنِ لِفَرَسِہٖ. (متفق علیہ)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مالِ غنیمت میں فارس کا کل کتنا حصہ ہوتا ہے؟ اختلافِ ائمہ مدلل تحریر کریں اور حدیثِ باب کا جواب بھی تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی یعنی مجاہد اور اس کے گھوڑے کے لیے تین حصے مقرر فرمائے ایک حصہ اس (مجاہد) کے لیے اور دو حصے اس کے گھوڑے کے لیے۔

(ب) مالِ غنیمت میں فارس کا کل کتنا حصہ ہوتا ہے؟ اگر مجاہد پیادہ ہے تو بالاتفاق اس کے لیے ایک سہم ہے اور اگر گھوڑسوار ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک مجاہد اور گھوڑا دونوں کے لیے ایک ایک کر کے کل دو سہم ہیں۔

امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک گھوڑے کے لیے دو سہم اور گھوڑسوار کے لیے ایک سہم کل تین سہم ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کے دو حصے اور پیدل فوجیوں کے لیے ایک حصہ تقسیم فرمایا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام زفرؒ کی دلیل:

(۱) عن المقداد أنّه كان يوم بدر على فرس قاسمهم له النبى ﷺ سهيمين لفرسه سهم واحد وله سهم.

(۲) جہاد میں آدمی اصل ہے اور فرس تابع ہے؛ کیونکہ فرس بغیر آدمی کے تو جہاد نہیں کرسکتا، لہٰذا فرس کو آدمی کے دوگنا دیا جانا بالکل خلافِ عقل ہے؛ اس لیے امام اعظمؒ نے فرمایا: إنى لاأفضل الحيوان على الانسان.

ہماری طرف سے حدیثِ باب کا جواب: اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ:

(۱) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت ہے: عن ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم قسم للفارس والراجل سهمًا. اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے فارس کے لیے ایک ہی حصہ متعین فرمایا ہے اب ابن عمر کی دونوں روایتوں میں تعارض ہوگیا، لہٰذا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ دوسرے حضرات کی روایت راجح ہوگئی وإذاتعارضت روايتاه ترجح رواية غيره. (ہدایہ: ۵۴۴/۲)

(۲) بذل المجہود میں اس حدیث کا جواب دیا گیا ہے کہ عربی کتابت میں بسا اوقات ''الف'' کو حذف کردیا جاتا ہے پس اصل روایت میں ''لفرس سهمين'' تھا ''الف'' کو عبارت میں ذکر نہیں کیا گیا اسی وجہ سے راوی نے روایت بالمعنیٰ کے طور پر للفارس کے بجائے للفرس روایت کردیا۔ (بذل المجہود: ۴۴/۴)

سوال:۸۱، مشکوٰۃ شریف: ص/۳۴۹

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ مَشَيْتُ اَنَا وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا: اَعْطَيْتَ بَنِي الْمُطَّلِبِ مِنْ خُمُسِ خَيْبَرَ وَتَرَكْتَنَا وَنَحْنُ بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْكَ؟ فَقَالَ: إِنَّمَا بَنُوْهَاشِمٍ وَبَنُو الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَاحِدٌ قَالَ جُبَيْرٌ وَلَمْ يَقْسِمِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَنِيْ عَبْدِ شَمْسٍ وَبَنِيْ نَوْفَلٍ شَيْئًا.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) ان صحابہ نے "نحن بمنزلة واحدة" سے کیا ثابت کرنا چاہا ہے؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "إنما بنو هاشم وبنو المطلب شيء واحد" فرما کر کیا جواب دیا ہے؟ تحریر کریں (ج) غزوۂ خیبر کب اور کس مقصد کے لیے اور اس کا نتیجہ کیا رہا؟ تحریر کریں (د) جبیر بن مطعم اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کو کیا شکایت تھی؟ تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اور عثمان بن عفان آپ کی خدمت میں اس غرض سے گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مطلب کو خمس خیبر میں حصہ عنایت فرمایا اور ہمیں عنایت نہیں فرمایا، حالانکہ ہم اور وہ نسب کے لحاظ سے آپ کے ساتھ برابر تعلق رکھتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنو ہاشم و بنو مطلب ایک ہیں، جبیر کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبد شمس کو (کہ عثمان جن سے تھے) اور بنو نوفل کو (کہ جبیر جن میں سے تھے) کچھ حصہ بھی عنایت نہیں فرمایا۔

(ب) ان صحابہ نے "نحن بمنزلة واحدة" سے کیا ثابت کرنا چاہا ہے؟

"نحن بمنزلة واحدة" سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ میں اور عثمان اور

بنومطلب آپ کے ساتھ نسب میں برابر کے شریک ہیں؛ کیونکہ ہم سب عبدمناف کی اولاد سے ہیں، عبدمناف کے چار بیٹے ہیں: (۱) ہاشم (۲) مطلب (۳) نوفل (۴) عبدشمس یہ عبدمناف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی چوتھے جد ہیں، اسی طرح جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبدمناف اور عثمان بن عفان ابن ابی العاص ابن امیہ بن عبدشمس اور محمد ابن عبداللہ بن عبدالمطلب ابن ہاشم ابن عبدمناف ہے، تو عبدمناف میں تمام شریک ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "إنما بنو هاشم الخ" فرما کر کیا جواب دیا ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "إنما بنو هاشم الخ" فرما کر یہ جواب دیا کہ: ان کو دینے کی وجہ یہ ہیکہ وہ آپس میں زمانۂ جاہلیت واسلام میں باہمی ایک مشت رہے اور مددگار و معاون رہے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ بنوعبدشمس اور بنونوفل نے آپ کی عداوت ومخالفت کے لیے قریش کے مقاطعہ میں باقاعدہ شرکت کی، ہم بنوہاشم و بنوعبدالمطلب کے ساتھ مناکحت اور بیع وشراء نہ کریں گے جب تک کہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حوالے نہ کردیں، اس مقاطعہ میں بنومطلب اور بنوہاشم متحد متحدر ہے اور آپ کی حمایت ترک نہ کی۔ (مظاہر حق: ۹۳۲/۳)

(ج) غزوۂ خیبر کب ہوا؟ غزوۂ خیبر کے بارے میں جمہور اہلِ سیر ومغازی کی رائے یہ ہے کہ سن ۷ ہجری میں پیش آیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب حدیبیہ سے واپس ہوئے تو ذی الحجہ اور اوائل محرم میں آپ مدینہ منورہ میں رہے، اور آخر محرم میں آپ نے خیبر کی طرف خروج فرمایا، خیبر مدینہ منورہ سے آٹھ منزل (یعنی تقریباً دوسو میل) کے فاصلہ پر شام کی طرف واقع ایک جگہ کا نام ہے۔ (کشف الباری: ۴۰۶/۸)

کس مقصد کے لیے ہوا؟ یہود کو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کرکے مدینہ منورہ سے نکالا تو یہ لوگ جاکر خیبر میں آباد ہوگئے اور وہاں مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوگئے ایک طرف تو یہ مشرکین مکہ کو مسلمانوں کے خلاف

جنگ پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے تھے اور دوسری جانب مدینہ میں منافقین کو مسلمانوں کے خلاف شہ دیتے تھے؛ اس لیے اب ضرورت تھی کہ ان پر حملہ کر کے ان کی طاقت کو ختم کیا جائے اور دعوتِ اسلام کی راہ میں ان رکاوٹوں کا سدِّ باب کیا جائے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ سے واپس تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں سورۂ فاتحہ کی آیت نازل ہوئی: ﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهِ﴾ (سورۂ فتح، آیت: ۲۰) اس میں ھٰذہ کا اشارہ غزوۂ خیبر ہی کی طرف ہے۔ (کشف الاری: ۸/۴۰۷)

اس کا نتیجہ کیا رہا؟ نتیجہ یہ رہا کہ خیبر کا سقوط ہوا فدک، وَادِی القریٰ اور تیما کے یہودی نے سر تسلیم خم کر دیے اور جزیرۂ عرب کے تمام یہودیوں پر سیاسی غلبہ اختتام کو پہونچا۔

(د) جبیر بن مطعم اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کو کیا شکایت تھی؟ ان دونوں کو یہ شکایت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے مالِ خمس میں سے بنو المطلب کو حصہ دیا اور ہمیں چھوڑ دیا حالانکہ وہ اور ہم آپ سے قرابت میں برابر ہیں، دراصل عبد مناف کے چار بیٹے تھے: (۱) ہاشم (۲) مطلب (۳) عبد شمس (۴) نوفل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہاشم کے اولاد میں سے ہیں، حضرت جبیر نوفل کی اولاد میں سے اور حضرت عثمان عبد شمس کی اولاد میں سے ہیں تو رشتہ داری اور قرابت کی حیثیت سے بنو ہاشم کے لیے بنو المطلب، بنو عبد شمس اور بنو نوفل ایک جیسے ہیں، اس لیے حضرت جبیر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے آکر شکایت کی کہ جب قرابت میں ہم سب برابر ہیں تو پھر ہمیں بھی مالِ خمس میں سے حصہ ملنا چاہیے تھا۔

سوال: ۸۲، مشکوٰۃ شریف: ص ۳۵۷

(الف) عبارت با اعراب: عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ فَاذْكُرِ

اسْمَ اللّٰهِ فَإِنْ اَمْسَکَ عَلَيْکَ فَادْرَکْتَهٗ حَيًّا فَاذْبَحْهُ وَإِنْ اَدْرَکْتَهٗ قَدْقَتَلَ۔ وَلَم يَأْكُلْ مِنْهُ فَكُلْهُ وَإِنْ اَكَلَ فَلَاتَأْكُلْ فَإِنَّمَا اَمْسَکَ عَلٰى نَفْسِهٖ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) کلبِ معلم کی تعریف مع اختلافِ ائمہ تحریر کریں (ج) کلبِ معلّم نے اگر شکار کو کھالیا تو اس سلسلے میں فقہاء کا اختلاف مدلل تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، جب تم اپنے کتے کو چھوڑو، تو اللہ کا نام لو، پس اگر کتے نے شکار کو تمہارے لیے پکڑا ہوا اور وہ شکار تم کو زندہ مل جائے تو اس کو ذبح کرلو، اور اگر تم شکار کو اس حال میں پاؤ کہ کتے نے اس کو مار ڈالا تھا؛ لیکن اس میں سے کچھ کھایا نہیں، تو اس کو کھالو، اور اگر شکار میں سے کتے نے کچھ کھالیا پس تم اس کو مت کھاؤ؛ کیونکہ اس نے اپنے ہی لیے پکڑا تھا۔

(ب) کلبِ معلم کی تعریف مع اختلافِ ائمہ: امام احمدؒ، صاحبینؒ اور امام اعظمؒ کا قول یہ ہے کہ کتے کے معلم ہونے کی تین شرطیں ہیں: (۱) بھیجنے سے چلا جائے اور روکنے سے رُک جائے (۲) شکار نہ کھائے؛ بلکہ مالک کے لیے روک کر رکھے (۳) ان دونوں کاموں کا کم از کم تین مرتبہ تجربہ ہوجائے، امام صاحبؒ کا اصل مذہب یہ ہے کہ تعلیم کلب کا اعتبار مبتلیٰ بہ کی رائے پر ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک صرف ایک شرط ہے، کہ اگر بھیجا جائے تو چلا جائے اور روکا جائے تو رک جائے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک تعلیم کلب کا مدار عرف پر ہے کہ جب عرف میں اس کو معلم کہا جانے لگے تو معلّم ہوگا ورنہ نہیں۔

(ج) کلبِ معلم نے اگر شکار کو کھالیا تو اس سلسلے میں فقہاء کا اختلاف: اگر کلب معلم نے شکار میں سے کچھ کھالیا تو امام شافعیؒ کا قولِ قدیم اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ اب بھی یہ شکار حلال ہے۔

اور امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا قولِ جدید یہ ہے کہ اگر کلبِ معلم نے شکار میں سے کچھ کھالیا تو اب اس شکار کو کھانا حلال نہیں ہے۔ (ہدایہ:۴/۴۸۸)

امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی دلیل: ان حضرات کی دلیل حضرت ثعلبہ خشنیؓ کی روایت ہے: أنه قال لابي ثعلبة الخشني فكل مما امسك عليك الكلب قال فإن اكل منه قال وإن اكل منه.

امام اعظمؒ کی دلیل: (۱) فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے: فإن اكل الكلب فلاتأكل فإني أخاف ان يكون انما امسكه على نفسه. اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَكُلُوْا مِمَّا اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾. (سورۂ مائدہ، آیت:۴)

سوال:۸۳، مشکوٰۃ شریف: ص/۳۶۱ (داخلہ ۱۴۲۹ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ، اَلْمَيْتَتَانِ، اَلْحُوْتُ وَالْجَرَادُ وَالدَّمَانِ اَلْكَبِدُ وَالطِّحَالُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) بوضاحت مطلب لکھئے (ج) مچھلی کے علاوہ پانی کے دوسرے جانور کی حلت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف لکھئے۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابنِ عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لیے دو بغیر ذبح کے مری ہوئی چیزیں اور دو خون حلال ہیں، دو بغیر ذبح کے

مری ہوئی چیزیں تو مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون کلیجی اور تلی ہیں۔

(ب) بوضاحت حدیث شریف کا مطلب: حدیث شریف کا مطلب تو ترجمہ سے بالکل واضح ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے لیے دو بغیر ذبح کے مری ہوئی چیزیں حلال ہیں، ایک مچھلی دوسرا ٹڈی ہے، اسی طرح دو خون حلال ہیں، ایک کلیجی اور دوسرا تلی، کہ یہ دونوں دراصل بستہ خون ہیں۔

(ج) مچھلی کے علاوہ پانی کے دوسرے جانور کی حلت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف:

تمام فقہاء کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ مچھلی حلال ہے؛ لیکن اس کے علاوہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ سمندر کے کون کون مائی جانور حلال ہیں اور کون کون حرام ہیں؟

(۱) امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ خنزیر بحری کے سوا تمام مائی جانور حلال ہیں۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ مچھلی کے علاوہ تمام جانور حرام ہیں۔

(۳) امام شافعیؒ سے اِس بارے میں چار اقوال ہیں:

(۱) حنفیہ کے مذہب کے مطابق (۲) جتنے جانور خشکی میں حلال ہیں ان کی نظیریں سمندر میں بھی حلال ہیں اور جو خشکی میں حرام ہیں وہ سمندر میں بھی حرام ہیں (۳) ضفدع، تمساح، سلحفاۃ، کلب بحری اور خنزیر بحری حرام ہیں (۴) ضفدع کے سوا تمام بحری جانور حلال ہیں، علامہ نوویؒ نے امام شافعیؒ کے اس آخری قول کو ترجیح دے کر اسے شافعیہ کا مفتیٰ بہ قول قرار دیا ہے۔

شوافع اور مالکیہ کے دلائل:

(۱) **قولہ تعالیٰ:** ﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ﴾ اس میں لفظ صید عام ہے؛ اس لیے ہر جانور حلال ہوگا۔

(۲) **قولہ علیہ السلام:** "الحل مَيْتَتُهُ" کے الفاظ ہر میتہ ماء کی حلت بیان کر رہے ہیں۔

حنفیہ کے دلائل:

اس سلسلے میں احناف قرآنِ کریم کی دو آیتیں اور ایک حدیث پیش کرتے ہیں۔

(۱) قوله تعالیٰ: ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ﴾ اس میں خبائث سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے طبیعت گھن کرتی ہے، اور مچھلی کے علاوہ سمندر کے دوسرے تمام جانوروں سے طبیعت گھن کرتی ہے، لہٰذا سمک کے علاوہ دوسرے دریائی جانور خبائث میں داخل ہوں گے۔

(۲) ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر میتہ حرام ہے، سوائے اس میتہ کے جس کی تخصیص دلیلِ شرعی سے ثابت ہوگئی ہو۔

(۳) عن عبداللّٰه بن عمر أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: أحلت لنا ميتتان ودمان، فأما الميتتان الحوت والجراد، وأما الدمان فالكبد والطحال.

سوال:۸۴، مشکوٰۃ شریف: ص/۳۷۶ (داخلہ ۱۴۳۵ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَبِي رَيْحَانَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَشْرٍ، عَنِ الْوَشْرِ وَالْوَشْمِ وَالنَّتْفِ وَعَنْ مُكَامَعَةِ الرَّجُلِ الرَّجُلَ بِغَيْرِ شِعَارٍ وَمُكَامَعَةِ الْمَرْأَةِ الْمَرْأَةَ بِغَيْرِ شِعَارٍ وَأَنْ يَجْعَلَ الرَّجُلُ فِيْ أَسْفَلِ ثِيَابِهٖ حَرِيْرًا مِثْلَ الْأَعَاجِمِ أَوْيَجْعَلَ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ حَرِيْرًا مِثْلَ الْأَعَاجِمِ، وَ عَنِ النُّهْبٰى، وَعَنْ رُكُوْبِ النُّمُوْرِ وَلُبُوْسِ الْخَاتَمِ إِلَّا لِذِيْ سُلْطَانٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) خط کشیدہ الفاظ کے لغوی و مرادی معنیٰ تحریر کریں (ج) تمام اُمورِ عشرہ کی الگ الگ مع حکم وضاحت کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابوریحانہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس چیزوں سے منع فرمایا: (۱) دانت کو تیز کرنے سے (۲) گودنے سے (۳) بال اُکھاڑنے سے (۴) مرد کو مرد کے ساتھ سونے سے بغیر کسی کپڑے کے درمیان میں حائل ہونے کے (۵) عورت کو عورت کے ساتھ کپڑے کے حال ہوئے بغیر سونے سے منع فرمایا (۶) مرد کو عجم کی طرح ریشم کا استر لگانے سے منع فرمایا (۷) عجم کی طرح مونڈھوں پر ریشمی کپڑا لگانے کی ممانعت فرمائی (۸) لوٹ مار سے (۹) چیتے کے چمڑے کی زین پر لیٹنے سے اور سوار ہونے سے (۱۰) انگوٹھی پہننے کی ممانعت فرمائی؛ البتہ حاکم مہر کے لیے پہن سکتا ہے۔

(ب) خط کشیدہ الفاظ کے لغوی ومرادی معنیٰ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) الوشر: دانتوں کو تیز کرنا، دانتوں کے کناروں کو باریک کرنا، تحديد الأسنان وترقيق أطرافها وشر يشر وشرا من باب ضرب يضرب. (مرقات: ۱۶۰/۸)

(۲) الوشم: کھال میں سوئی کے ذریعہ سوراخ کرکے سرمہ، نیل وغیرہ بھرنا تاکہ اس کا اثر نیلگوں یا سبز نظر آئے۔ وهو أن يغرز الجلد بإبرة ثم يحشى بكحل أو نيل فيزرق أثره أو يخضر من باب ضرب يضرب.

(۳) النتف: عورتوں کا اپنے چہروں سے بالوں کا اُکھاڑنا نتف ينتف نتفا من باب ضرب يضرب.

(۴) مكامعة: ملانا، ہم بستری کرنا، ایک شخص کا دوسرے کے ساتھ بلا حائل کے چمٹ کر سونا، كامع يكامع مكامعة من باب مفاعلة.

(۵) النهبى: نهب کے معنیٰ میں ہے، ہر وہ چیز جو لوٹی جائے، لوٹی ہوئی چیز،

النهبٰى مصدر بمعنٰى النهب والغارة وقديكون اسما لماينهب، من باب نصر وسمع وفتح.

(٦) الشعار: ماولى جسد الإنسان ماسواه من الثياب وعلامة تتميز بها دولة أو جماعة وعبارة يتعارف بها القوم في الحرب أوالسفر جمعه أشعرة، والمراد هنا هو الأوّل.

یعنی وہ کپڑا جوانسان کے بدن کے ساتھ متصل ہو برخلاف دثار کے کہ وہ کپڑا ہے جو بدن سے متصل نہ ہو۔ (مرقاۃ،معجم الوسیط وغیرہ)

(ج) اُمورِ عشرہ کی الگ الگ توضیح مع الحکم:

(۱) الوشر: عرب میں یہ دستور تھا کہ بوڑھی عورتیں جوان عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے کے لیے اپنے دانتوں کے کناروں کو تیز اور باریک کرلیا کرتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔

(۲) الوشم: اسی طرح ایک عادت یہ بھی تھی کہ عورتیں جسم کے بعض حصوں کو سوئی وغیرہ سے گود کر اس میں سرمہ یا نیل وغیرہ بھر دیتی تو اس رواج وعادت سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

(۳) النتف: اس کا مطلب یہ ہے کہ زینت وآرائش کے واسطے عورتوں کا اپنے چہروں یعنی پیشانی کے بالوں کو اُکھاڑنا اسی طرح مردوں کا داڑھی یا بھنوؤں کے سفید بالوں کو اُکھاڑنا ان تمام باتوں سے آپ علیہ السلام نے منع فرمایا۔

والنّهي عن هذه الثلاثة لما فيها من تغيير خلق الله تعالٰى. (حاشیہ مشکوٰۃ)

(۴) مكامعة الرجل إلخ: حدیث کے ظاہری الفاظ کا مطلب تو یہی ہے کہ دو مرد ایک لحاف یا چادر وغیرہ میں مل کر بالکل ننگے نہ سوئیں؛ لیکن اگر دونوں کے ستر ڈھکے ہوں اور بقیہ اعضاء جسم پر کوئی کپڑا نہ ہو تو یہ صورت بھی ممنوع ہے، یہی دونوں صورتیں عورت کے متعلق بھی ہیں، پس اگر فتنے اور شر انگیزی کا اندیشہ ہو تو ایک

ساتھ سونا قطعاً ممنوع ہے، اور اگر کوئی اندیشہ نہ ہو تو بھی یہ صورت تہذیب وشائستگی اور آداب واخلاق کے خلاف ہے۔

(۵) أن يجعل الرجل في أسفل ثيابه حريرا: اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد کے لیے ریشم کا استعمال کرنا قطعاً ممنوع ہے خواہ کپڑے کے اوپر ہو یا نیچے بطورِ استر کے یا کپڑے کے دامن میں بیل بوٹے وغیرہ کا کام کیا گیا ہو، بشرطے کہ قدر معفو عنہ سے زائد ہو؛ البتہ اگر بقدرِ معفو عنہ ہے، تب بھی ورع اور تقویٰ کے خلاف ہے۔

(٦) أن يجعل على منكبيه إلخ: مونڈھوں پر ریشم لگانے کا مطلب یہ ہے کہ کرتوں یا جبوں وغیرہ پر بیل بوٹے کے طور پر ریشمی کپڑا لگوانا یا ریشم کا کام کروانا یہ بھی ممنوع ہے؛ لیکن اگر مقدارِ معفو عنہ ہے تو جائز ہے۔

(۷) مثل الأعاجم: کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عجمی لوگ اپنے کپڑوں میں سنجاف کے طور پر تکبر کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ ریشمی کپڑے لگواتے ہیں اس طرح تم لوگ مت کرو۔

(۸) عن النهبى: اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے مال و دولت اور ان کی عزت وآبرو پر حملہ کرنے اور ان پر غارت گری کرنے سے منع فرمایا۔

(۹) ركوب النمور: یعنی چیتے کی کھال سے بنی ہوئی زینوں کو بھی استعمال کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے؛ کیوں کہ اس میں زینت وآرائش اور دکھلاوا اور تکبر مقصود ہوتا ہے۔

(۱۰) ولبوس الخاتم إلا لذي سلطان: اس کا مطلب یہ ہے کہ عام لوگوں کو مہر کی انگوٹھی نہیں استعمال کرنی چاہیے؛ بلکہ صرف اسی شخص کو استعمال کرنی چاہیے جس کو مہر وغیرہ لگانے کی ضرورت ہو، جیسے: بادشاہ، حاکم، قاضی، امیر، الغرض! فقط زیب و زینت کے لیے انگوٹھی استعمال کرنا ممنوع یعنی مکروہِ تنزیہی ہے۔ (مرقاۃ: ۱۶۰/۸)

سوال: ۸۵، مشکوٰۃ شریف: ص/۳۷۸

(الف) عبارت بااعراب: عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ عَشْرَ خِلَالٍ الصُّفْرَةَ يَعْنِي الْخَلُوْقَ وَتَغْيِيْرَ الشَّيْبِ، وَجَرَّ الْإِزَارِ، وَالتَّخَتُّمَ بِالذَّهَبِ، وَالتَّبَرُّجَ بِالزِّيْنَةِ لِغَيْرِ مَحَلِّهَا، وَالضَّرْبَ بِالْكِعَابِ، وَالرُّقَى إِلَّا بِالْمُعَوَّذَاتِ، وَعَقْدَ التَّمَائِمِ وَعَزْلَ الْمَاءِ لِغَيْرِ مَحَلِّهِ، وَفَسَادَ الصَّبِيِّ غَيْرَ مُحَرَّمِهِ. (رواه أبوداؤد)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ (ب) حدیث میں مذکور دس اُمور میں سے ہر ایک کی وضاحت اور اس کا شرعی حکم تحریر کریں۔ (ج) غیر محرمہ کی ضمیر کا مرجع متعین کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس چیزوں کو ناپسند فرماتے تھے (۱) زرد رنگ یعنی خلوق کو (۲) سفید بالوں کے متغیر کرنے کو (۳) (مردوں کے لیے) ٹخنوں کے نیچے ازار لٹکانے کو (۴) (مردوں کے لیے) سونے کی انگوٹھی پہننے کو (۵) عورتوں کے بے محل زینت ظاہر کرنے کو (۶) چونسر کھیلنے کو (۷) معوذات کے علاوہ کسی اور چیز سے جھاڑ پھونک کرنے کو (۸) کوڑی اور منکوں کے لٹکانے کو (۹) غیر محل میں عزل کرنے کو (۱۰) اور بچوں کے خراب کرنے کو؛ لیکن آپ نے اس کو حرام قرار نہیں دیا۔

(ب) حدیث میں مذکور دس اُمور میں سے ہر ایک کی وضاحت اور اس کا شرعی حکم:

قولہ: الصفرة... واضح رہے کہ یہاں صفرۃ سے مراد خلوق ہے جیسا کہ روایت ہی میں اس کی صراحت موجود ہے، خلوق زعفران وغیرہ سے ملا کر تیار کی ہوئی

سرخی مائل زرد رنگ کی خوشبو کو کہتے ہیں، اس کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں اس سلسلے میں دونوں طرح کی روایات موجود ہیں؛ لیکن ترجیح عدمِ جواز کی روایات ہی کو ہے؛ اس لیے عصر حاضر میں اس طرح کی خوشبو کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

قولہ: تغییر الشیب... اس سے مراد سر اور داڑھی کے سفید بالوں کو متغیر کرنا ہے، واضح رہے کہ مردوں کے لیے سر اور داڑھی کے سفید بالوں کو سیاہ رنگ کے علاوہ کسی اور رنگ سے متغیر کرنا جائز ہے؛ البتہ ان پر سیاہ رنگ کا خضاب کرنا عام حالات میں جائز نہیں ہے۔

قولہ: جر الازار... اس سے مراد ٹخنوں کے نیچے تہبند یا پائجامہ لٹکانا ہے، مردوں کے لیے ان دونوں کا لٹکانا ناپسندیدہ ہے اور اگر بطور تکبر کے کوئی ایسا عمل اختیار کرتا ہے تو پھر یہ حرام اور ناجائز ہے، الّا یہ کہ کسی کو کوئی عذر مثلاً پیٹ کا بڑا ہونا وغیرہ لاحق ہو جائے اور اس کا ازار باوجود خیال رکھنے کے ٹخنے سے نیچے آجائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

قولہ: التختم بالذهب... اس سے مراد سونے کی انگوٹھی ہے، اسلامی شریعت میں مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی بلکہ مطلقاً سونا ہی استعمال کرنا حرام ہے؛ البتہ عورتوں کے لیے اس کے استعمال کی اجازت ہے۔

قولہ: التبرج بالزينة... اس سے مراد عورتوں کا نامحرموں کے سامنے زیب و زینت اختیار کرنا ہے، واضح رہے کہ عورتوں کے لیے اپنے شوہروں کے علاوہ کسی اور کے سامنے زیب وزینت اختیار کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

قولہ: الضرب بالكعاب... اس سے مراد نرد (چونسر) کھیلنا ہے، نرد ایک ناپسندیدہ کھیل ہے جو پاسوں اور اور مہروں کے ذریعہ کھیلا جاتا ہے یہ کھیل کھیلنا ناجائز اور حرام ہے نبی علیہ السلام نے نرد کھیلنے والے کے متعلق ارشاد فرمایا ہے: "من لعب بالنرد فقدعصى الله ورسوله" جس نے نرد کا کھیل کھیلا اس نے اللہ اور اس کے

رسول کی نافرمانی کی، واضح رہے کہ نرد ہی کے مثل ایک کھیل شطرنج کا ہے، اس کا کھیلنا عندالاحناف اگرچہ حرام نہیں ہے؛ لیکن مکروہ ہے اور عندالشوافع کچھ معتبر شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

قولہ: الرقی الالمعوذات... اس سے مراد معوذتین یعنی ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ یا ادعیۂ ماثورہ کے علاوہ کسی اور منتر وغیرہ سے جھاڑ پھونک کرنا ہے، واضح رہے کہ معوذتین اور ادعیۂ ماثورہ کے علاوہ کسی اور غیر شرکیہ منتر سے جھاڑ پھونک کرنا اگرچہ جائز ہے؛ لیکن مکروہ ہے اور شرکیہ منتروں سے جھاڑ پھونک کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

قولہ: عقد التمائم... تمائم یہ تمیمۃ کی جمع ہے، اس سے مراد ہڈیوں اور منکوں کا لٹکانا ہے، زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب اپنے بچوں کو نظر بد سے محفوظ رکھنے کے لیے ان کے گلے میں ان چیزوں کو لٹکایا کرتے تھے؛ لیکن اسلام نے آکر ان چیزوں کو باطل قرار دیدیا اور اب ان کا لٹکانا شرعی اعتبار سے جائز نہیں ہے۔

قولہ: عزل الماء... اس سے مراد عورت کی شرم گاہ کے علاوہ کسی اور جگہ منی کو خارج کرنا ہے، واضح رہے کہ عورت کی شرم گاہ کے علاوہ کسی اور جگہ مثلاً مرد کی دُبر وغیرہ میں منی کا اخراج کرنا ناجائز اور حرام ہے؛ البتہ عورت کے ساتھ جماع کرتے ہوئے عزل کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک آزاد منکوحہ عورت سے اس کی اجازت کے بغیر اور غیر کی ملکیت منکوحہ باندی سے اس کے آقا کی اجازت کے بغیر دورانِ جماع عزل کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ اپنی ملکیت یمین میں موجود باندی سے بغیر اجازت عزل کرنا جائز ہے، اس کے برخلاف حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں باندی سے خواہ وہ اپنی ملک یمین میں ہو یا کسی دوسرے کی ہو بغیر اجازت عزل کرنا جائز ہے اور آزاد منکوحہ عورت سے بغیر اس کی اجازت کے عزل کرنا جائز نہیں ہے۔

قولہ: فساد الصبی... اس سے مراد مرضعہ یعنی بچہ کو دودھ پلانے والی عورت سے وطی کرنا ہے، واضح رہے کہ مرضعہ سے وطی کرنے سے بعض اوقات دودھ میں فساد پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے بچہ کے اندر بھی بیماریاں لگ جاتی ہیں؛ اس لیے حضور علیہ السلام کو یہ ناپسندیدہ تھا؛ لیکن چونکہ آپ علیہ السلام نے اس کو حرام قرار نہیں دیا ہے؛ اس لیے جمہور اس کے جواز کے قائل ہیں۔

(ج) غیر محرمہ کی ضمیر کا مرجع: واضح رہے یہاں "غیر محرمہ" کی ضمیر کا مرجع اگرچہ بقول بعض مذکورہ تمام اُمور ہیں؛ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کا مرجع "فساد الصبی" ہے اور مطلب یہ ہے کہ مرضعہ عورت سے وطی کرنا اگرچہ حضور علیہ السلام کو ناپسند تھا؛ لیکن آپ علیہ السلام نے اس کو حرام قرار نہیں دیا ہے۔

سوال: ۸۶، مشکوٰۃ شریف: ص/۳۷۹

(الف) عبارت با اعراب: عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ تَقَلَّدَتْ قِلَادَةً مِنْ ذَهَبٍ قُلِّدَتْ فِيْ عُنُقِهَا مِثْلُهَا مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَيُّمَا امْرَاَةٍ جَعَلَتْ فِيْ اُذُنِهَا خُرْصًا مِنْ ذَهَبٍ جَعَلَ اللّٰهُ فِيْ اُذُنِهَا مِثْلَهُ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عورتوں کے لیے سونے کے زیورات پہننا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو اس حدیث کی تشفی بخش توجیہ کریں؟ (ج) خط کشیدہ الفاظ کی تحقیق پیش کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو عورت سونے کا ہار پہنے گی قیامت کے دن اس کی

گردن میں اسی طرح کا آگ کا ہار پہنایا جائے گا، اور جو عورت اپنے کان میں سونے کا بالا یا بالی پہنے گی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے کان میں اسی طرح کا آگ کا بالا یا بالی ڈالے گا۔

(ب) عورتوں کے لیے سونے کے زیورات پہننا جائز ہے یا نہیں...:

عورتوں کے لیے سونے کے زیورات پہننا جائز ہے تو اب رہی حدیث پاک کی توجیہ علماء نے اس حدیث پاک کی مختلف توجیہ بیان کی ہیں:

(۱) بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ پہلے تو یہی حکم تھا کہ سونا پہننا عورتوں کے لیے مباح نہیں؛ بلکہ بعد میں اس روایت کے ذریعے اس حکم کو منسوخ قرار دیا گیا جس کو حضرت علیؓ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خالص ریشم اور سونا میری امت کے مردوں کے لیے حرام ہے پس اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ عورتوں کو سونا اور خالص ریشم پہننا مباح ہے۔

(۲) بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ مذکورہ احادیث میں جو وعید بیان کی گئی ہے اس کا تعلق اس عورت سے ہے جو زکوٰۃ ادا کیے بغیر سونے کے زیورات پہنے۔

(۳) بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ وعید اس عورت کے حق میں ہے جو زیورات پہن کر اجنبی مردوں کو دکھلائے۔ (مرقات: ۲۵۸/۸، مظاہر حق: ۱۹۷)

(ج) خط کشیدہ الفاظ کی تحقیق:

(۱) تَقَلَّدَتْ: صیغۂ واحد مؤنث غائب، بحث ماضی معروف از باب تَفَعُّلٌ تَقَلَّدَ، يَتَقَلَّدُ، تَقَلُّدًا: تَقَلَّدَ الْقِلَادَةَ بمعنیٰ ہار پہننا، اپنے گلے میں ہار ڈالنا۔

(۲) قِلَادَةٌ: واحد، بمعنیٰ ہار، نیکلس، جمع قَلَائِدُ.

(۳) عُنُقٌ: واحد بمعنیٰ گردن جمع اَعْنَاقٌ.

(۴) خُرْصٌ: واحد بمعنیٰ زرہ، سونے یا چاندی کی انگوٹھی یا کڑا، ایک دانے والی کان کی بالی، جمع اَخْرَاصٌ، خُرْصَانٌ.

سوال: ۸۷، مشکوٰۃ شریف: ص/۳۸۰ (داخلہ ۱۴۳۲ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنِ الْقَزْعِ، قِيْلَ لِنَافِعٍ مَالْقَزْعُ، يُحْلَقُ بَعْضُ رَأْسِ الصَّبِيِّ وَيُتْرَكُ الْبَعْضُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَالْحَقَ بَعْضُهُمُ التَّفْسِيْرَ بِالْحَدِيْثِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) ''قزع'' کی لغوی تشریح کرتے ہوئے مطلب لکھیں؛ نیز ''والحق بعضهم التفسير بالحديث'' کا مطلب واضح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت نافعؒ حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قزع سے منع فرماتے ہوئے سنا، حضرت نافع سے پوچھا گیا کہ قزع کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا (قزع اس کو کہتے ہیں) کہ لڑکے کے سر کے بعض حصہ کو مونڈا جائے اور بعض حصہ کو چھوڑ دیا جائے، اور بعض راویوں نے وضاحت کو حدیث کے ساتھ جوڑا ہے (یعنی ان راویوں کے مطابق ''قزع'' کے یہ معنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں)۔

(ب) ''قزع'' کی لغوی تحقیق اور عبارت کا مطلب:

القزع: في اللغة كل شيء يكون قطعا متفرقة ومنه قطع السحاب المتفرقة في السماء وقطع الشعر المتفرقة في الرأس. أما واحدته، قزعة. (معجم الوسیط) یعنی قزع لغت کے اندر ہر شئ کے متفرق ٹکڑے کو کہتے ہیں، آسمان کے اندر بادل کے متفرق ٹکڑے پر بھی صادق آتا ہے، اور سر کے اندر بعض بالوں کو کاٹنے پر بھی صادق آتا ہے۔

''والحق بعضهم التفسير بالحديث'' کا مطلب: اس عبارت

کا مطلب یہ ہے کہ "قیل لنافع" سے قزع کی جو تفسیر بیان کی گئی وہ تو اس حدیث میں موقوف ہے یعنی راوی کا قول ہے، حضور کا نہیں؛ لیکن بعض حضرات نے اس کو مرفوع یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول قرار دیا ہے، بایں طور کہ "قیل لنافع" کی جگہ میں صرف "قیل" بیان کر دیا یعنی "قیل ماالقزع قال یحلق الخ" اس وقت دوسرے قال کا فاعل خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ (مرقاۃ:۲۷۸/۸)

والحق بعضهم: أي بعض الرواة من المحدثين (التفسير) أي الموقوف. (بالحديث) أي المرفوع بأن حذف قوله لنافع، وفسر الحديث بتمامه. (مرقاة)

سوال:۸۸، مشکوٰۃ شریف: ص/۳۸۵ (داخلہ ۱۴۲۸ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَعَنْ عَائِشَةَؓ أَنَّهَا كَانَتْ قَدِ اتَّخَذَتْ عَلٰى سَهْوَةٍ لَهَا سِتْرًا فِيهِ تَمَاثِيلُ فَهَتَكَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَاتَّخَذَتْ مِنْهُ نُمْرُقَتَيْنِ فَكَانَتَا فِي الْبَيْتِ يَجْلِسُ عَلَيْهِمَا.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھیں اور بتائیں کہ یہ تماثیل کس طرح کی تھیں کہ ان کا استعمال کرنا مباح قرار دیا۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے شہ نشیں پر پردہ ڈال رکھا تھا جس پر تصویریں تھیں؛ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جب آپ کی نظر اس پردہ پر پڑی) اس پردے کو پھاڑ دیا، پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پردے کے دو تکیے بنا لیے؛ چناں چہ وہ دونوں گھر میں رکھے رہتے تھے اور آپؐ ان پر ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے۔

(ب) مذکورہ حدیث شریف کا مطلب: حدیث پاک میں تصویر کی قباحت بیان کی گئی ہے کہ تصویر والا پردہ جب حضرت عائشہؓ نے لٹکایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے اور پردہ پھاڑ دیا۔ یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ تصویر کی وجہ سے ناراض نہیں ہوئے؛ کیوں کہ شاید وہ تصویر غیر ذی روح کی تھی؛ بلکہ ناراضگی کا سبب دیوار پر پردہ لٹکانا تھا جو رغبت الی الدنیا کا باعث ہے۔ حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کو دیکھ کر اس پردہ کو کھول دیا اور تصویر کاٹ کر کے اس سے دو تکیے بنا لیے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے۔

تماثیل کس طرح کی تھیں کہ ان کا استعمال کرنا مباح قرار دیا؟ پردے پر کیسی تصویر تھی اس بارے میں دونوں قول منقول ہیں: (۱) ذی روح کی تصویر تھی (۲) غیر ذی روح کی تصویر تھی۔

تو پھر استعمال مباح پانے کی وجہ صورتِ اولیٰ میں یہ ہے کہ ان تصویروں کا سر کاٹ کر استعمال کیا گیا اور جاندار کا سر کاٹ کر استعمال کرنا جائز ہے۔

(۲) اور اگر وہ تصویریں غیر ذی روح کی ہو تو اس کا استعمال بالاتفاق جائز ہے۔

سوال: ۸۹، مشکوٰۃ شریف: ص ۳۸۹ (داخلہ ۱۴۳۴ھ)

(الف) عبارت با اعراب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا أُبَالِي مَا أَتَيْتُ إِنْ أَنَا شَرِبْتُ تِرْيَاقًا أَوْتَعَلَّقْتُ تَمِيْمَةً أَوْقُلْتُ الشِّعْرَ مِنْ قِبَلِ نَفْسِيْ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب بوضاحت لکھیں (ج) شعر کہنا کیا مطلقاً حرام ہے یا اس میں کوئی تفصیل ہے؟ بوضاحت تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ

فرماتے ہوئے سنا کہ میں ہر عمل سے لاپرواہ ہوں گا، اگر میں تریاق (ایک دوا جو زہریلی چیزوں اور دیگر امراض کے لیے نہایت مفید ہے) پیوں یا گلے میں تعویذ ڈالوں یا میں اپنے قصد وارادے سے اشعار کہوں۔

(ب) حدیث شریف کا بوضاحت مطلب: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان اشیاءِ ثلاثہ میں سے کوئی ایک چیز بھی مجھ سے صادر ہوگئی تو میرا بھی شمار انہیں لوگوں میں سے ہوگا جو کسی بھی جائز وناجائز کام کرنے میں ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے، گویا کہ جس کے اندر یہ اشیاءِ ثلاثہ ہوں گی وہ لاپرواہ شمار کیا جائے گا۔

تعویذ کے احکام مع دلیل: جاننا چاہیے کہ تعویذ گنڈے بھی امت کے لیے مطلقاً حرام نہیں؛ بلکہ اگر غیر اللہ کے نام سے استعانت لی گئی ہو یا ایسے الفاظ ہوں جن کے معنیٰ معلوم نہ ہوں یا کفر وشرک سے ملوث ہوں تو یہ تعویذ وگنڈے حرام ہیں۔

دلیل: ابن مسعودؓ کی روایت میں ہے: "والرقى إلا بالمعوذات" رقی کے اندر جھاڑ پھونک، تعویذ اور گنڈے وغیرہ تمام چیزیں شامل ہیں۔

قال صلّى الله عليه وسلم عليكم بالشفائين: صاحب الحل الرضی نے اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام وصفات قرآنی آیات اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دعاؤں کے ذریعہ جھاڑ پھونک کرنا مستحب ہے اور جس منتر میں کلماتِ کفریہ وشرکیہ ہوں اسی طرح اس میں ایسے کلمات والفاظ ہوں جن کے مفہوم ومعانی معلوم نہ ہوں ان سے جھاڑ پھونک کرنا جائز نہیں؛ البتہ ایسے منتر جن کے الفاظ وکلمات صحیح روایت میں شارع سے منقول ہوں اور ان کے مفہوم ومعانی معلوم ہوں ان کے ذریعہ سے بھی جھاڑ پھونک کرنا جائز ہے۔

(ج) شعر کہنا کیا مطلقاً حرام ہے یا اس میں کوئی تفصیل ہے؟ اشعار کے باب میں روایات مختلف آئی ہیں:

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأن يمتلئ جوف أحدكم

قیحاخیر من أن یمتلی شعرا، یعنی آدمی کا پیٹ ایسی پیپ سے بھر جائے جو اس کے پیٹ کو خراب کردے اس سے بہتر ہے کہ وہ اشعار سے بھر جائے۔

(۲)أنه صلّى الله عليه وسلم قال: إن من الشعر حكمة. یعنی بعض اشعار پُر حکمت ہوتے ہیں۔

ان حدیثوں کا مصداق الگ الگ ہے؛ کیوں کہ اشعار کلام ہیں، پس اچھا کلام اچھا ہے اور بُرا کلام بُرا ہے۔ سنن دار قطنی میں حضرت عائشہؓ سے ایک فیصلہ کن روایت مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الشعر هو كلام فحسنه حسن وقبيحه قبيح. اشعار بھی کلام ہیں، پس جو اچھے شعر ہیں وہ اچھے ہیں اور جو بُرے اشعار ہیں وہ بُرے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اچھے اشعار پڑھنا صحیح ہے اور بُرے اشعار پڑھنا غلط ہے۔

سوال: ۹۰، مشکوٰۃ شریف: ص/۳۹۱

(الف) عبارت با اعراب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا طِيَرَةَ وَخَيْرُهَا الْفَالُ وَفِي رِوَايَةٍ لَا عَدْوىٰ وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ وَفِي رِوَايَةٍ الْعِيَافَةُ وَالطَّرْقُ وَالطِّيَرَةُ مِنَ الْجِبْتِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں۔ (ب) خط کشیدہ الفاظ کا مطلب لکھئے، نیز طیرہ اور فال کے فرق کو اس طرح واضح کریں کہ معلوم ہو جائے ''طیرہ'' کیوں مبغوض ہے اور فال کیوں ممدوح ہے؟ (ج) لاعدوىٰ اور فرّ من المجذوم، میں پائے جانے والے تعارض کو دفع کریں اور طیرہ، عیافہ میں فرق واضح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بدشگونی بے حقیقت ہے اور اس سے بہتر (اچھی چیز تو) فال ہے اور ایک روایت میں ہے کہ عدویٰ (بیماری کا ایک سے دوسرے کو لگ جانا) بدشگونی، ہامہ، صفر (یہ سب چیزیں) بے حقیقت ہیں (لیکن) تم جذامی سے (جس کو کوڑھ کا مرض ہو) اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو اور ایک روایت میں ہے کہ عیافہ، طرق اور بدشگونی (یہ سب چیزیں) شیطانی اُمور ہیں۔

(ب) خط کشیدہ الفاظ کا مطلب:

(۱) **طیرہ:** پرندوں کے ذریعے نیک فالی یا بدفالی لینا، مثلاً اُن کی آوازوں اور ناموں وغیرہ کے ذریعے۔ **وهي التفاؤل بالطير والتشاؤم بها كانوا يجعلون العبرة في ذالك تارة بالأسماء وتارةً بالأصوات.**

(۲) **فال:** فال طیرہ کی ضد ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ مریض یا پریشان شخص اچھے کلمات سنے تو اس سے اچھا شگون اور اچھا معنیٰ ومطلب مراد لے۔

مثلاً یا راشد، یا نجیح، یا سالم وغیرہ۔ **الفال ضد الطيرة كان يسمع مريض يا سالم يا طالب.**

اسی روایت میں آگے آیا ہے: **وما الفال؟ قال: الكلمه الصالحة يسمعها أحدكم.**

(۳) **عدویٰ:** قاموس کے اندر مذکور ہے: **أنه الفساد.** اور علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں عدویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ بیماری کا ایک شخص سے دوسرے شخص کو لگ جانا۔ **وقال التورپشتي: العدوى هنا مجاوزة العلّة من صاحبها إلى غيرها.**

(۴) **هامة:** یہاں پر ہامہ سے مراد اُلو ہے۔

(۱) عرب کا باطل گمان تھا کہ جب میت کی ہڈیاں سڑ گل جاتی ہیں تو اسی سے ایک پرندہ پیدا ہوتا ہے جو ہامہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور میت کی قبر سے نکل کر آتا ہے پھر اِدھر اُدھر گھومتا رہتا ہے اور اپنے گھر والوں کی خبروں کو معلوم کر کے چلا جاتا ہے۔

ان عظام الميت إذا بليت وعدمت تصير هامة وتخرج من القبر وتتردد و تأتي باخبار أهلها.

(۲) بعض لوگوں نے ہامہ کا مطلب بیان کیا ہے کہ عرب کا گمان تھا کہ جب کوئی شخص قتل کر دیا جائے تو خود مقتول یا اس کی روح ہامہ کی شکل میں آجاتی ہے اور کہتی ہے کہ اسقوني اسقوني. (مجھے پانی پلاؤ، مجھے پانی پلاؤ) یا پھر قاتل کو قتل کرنے کی کوشش کرتی ہے اور جب وہ شخص مرجاتا ہے یا قتل کر دیا جاتا ہے، تو پھر وہ روح جو ہامہ کی شکل میں تھی غائب ہوجاتی ہے۔

(۵) **صفر**: (۱) علاّمہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ عرب کا گمان تھا کہ انسان کے پیٹ میں ایک جانور ہوتا ہے وہ بھوک کے وقت پیٹ میں کودنا اور کاٹنا شروع کر دیتا ہے اور بسا اوقات انسان کو ہلاک بھی کر دیتا ہے۔

(۲) علاّمہ قاضیؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے اس سے عرب کے اس وہم کی نفی مقصود ہو جو اُن کا عقیدہ تھا کہ صفر بکثرت فتنوں اور مصیبتوں والا منحوس مہینہ ہے شارع علیہ السلام نے ان تمام باطل عقائد کی نفی فرمادی۔ قال النووي كانت العرب تعتقد أنّ في البطن دابة تهيج عند الجوع وربما قتلت صاحبها..... وهذا التفسير هو الصحيح قال القاضي ويحتمل أن يكون نفيًا لما يتوهم أن شهر صفر تكثر فيه الدّواهي والفتن.

(٦) **عيافه**: العيافة بكسر العين۔ پرندوں کو شکار کر ان کے ناموں سے نیک فالی و بدفالی لینا، مثلاً عُقاب کے نام سے عقاب وسزا، اور غُراب کے نام سے غربت ومفلسی اور ہُدہُد کے نام سے ہدایت وغیرہ کا فال لینا۔ وهي زجر الطير والتفاؤل والاعتبار في ذالك بأسماء ها.

(۷) **الطرق**: بفتح الطاء وسكون الراء. پہلے زمانے میں خاص طور سے عرب کی عورتیں کنکریاں مار کر فال لیا کرتی تھیں۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ

اس سے مراد ریت وغیرہ میں خط (لکیر) کھینچنا ہے جیسا کہ علمِ رَمَل جاننے والے خط کھینچ کر غیب کی خبریں دیا کرتے ہیں (أعاذنا اللّٰه منه) الطرق وهو الضرب بالحصى الذي تفعله النساء. وقيل الخط في الرّمل كذافي النهاية.

طیرہ کیوں مبغوض ہے اور فال کیوں ممدوح ہے؟ اس کی وجہ درج ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

فال اور طیرہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ فال خیر اور اچھی باتوں کیساتھ خاص ہے، اگرچہ کبھی کبھی بُری باتوں کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے اور طیرہ تو بُری ہی چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے خیر میں اس کا استعمال ہوتا ہی نہیں۔ اس فرق کے بعد اچھی طرح یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ فال اس لیے ممدوح ہے کہ اس کے اندر خیر ہوتا ہے اور طیرہ اس لیے مبغوض ہے کہ اس کے اندر شر ہی شر ہوتا ہے۔ المستفاد من القاموس ان الفال مختص بالخير، وقديستعمل في الشر والطيرة لايستعمل إلّا في الشر فهما ضدّان في أصل الوجه.

(ج) لاعدویٰ اور فرّ من المجذوم، میں پائے جانے والے تعارض کا دفعیہ:

لاعدویٰ کا مقصد ان لوگوں کے باطل عقیدے اور نظریے کی تردید کرنا ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ مادّی اشیاء کی جو علتیں ہیں وہ خود مؤثر بالذات ہیں؛ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عدویٰ کی کوئی حقیقت نہیں ہے فقط مشیتِ الٰہی پر ساری چیزیں موقوف ہیں۔

اور چوں کہ جاہل و باطل عقیدے والے علت مادّی کو موثر بالذات قرار دیتے ہیں، اسی لیے ایسے لوگوں کو فتنے میں مبتلا ہونے سے بچانے کے لیے شارح علیہ السلام نے یہ حکم بھی بیان فرمادیا کہ جذامی مریض سے دُور رہا کرو؛ تاکہ عقائد میں خرابی نہ پیدا ہونے پائے؛ ورنہ تو ہر چیز اللہ کی مشیت ہی پر مبنی ہے۔ وبيّن بقوله فرّ من المجذوم إن مدناة ذالك بسبب العلة فليتّقِهُ.

طیرہ اور عیافہ میں فرق کیا ہے؟ طیرہ اور عیافہ میں فرق یہ ہے کہ طیرہ کے اندر بدشگونی پرندوں کے علاوہ دوسرے جانوروں کے ناموں وغیرہ کے ذریعے بھی لی جاتی ہے اور عیافہ کے اندر فقط پرندوں کے ذریعے اور فقط ان کے ناموں سے بدشگونی لی جاتی ہے۔

سوال:۹۱، مشکوٰۃ شریف: ص/۳۹۲

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ قَطَنِ بْنِ قَبِيصَةَؓ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْعِيَافَةُ وَالطَّرْقُ وَالطِّيَرَةُ مِنَ الْجِبْتِ. (رواہ ابو داؤد)

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) خط کشیدہ الفاظ کی تحقیق لکھیں (ج) خط کشیدہ الفاظ کی تشریح کریں (د) نیز طیرہ اور عیافہ کے درمیان فرق بھی واضح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت قطن بن قبیصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عیافہ، طرق اور بدشگونی (یہ سب چیزیں) شیطانی اُمور ہیں۔

(ب) خط کشیدہ الفاظ کی تحقیق:

(۱) اَلْعِيَافَةُ: بمعنیٰ پرندوں کو اُکسا کر ان کی آوازوں اور گزرگاہوں سے اچھا یا بُرا شگون لینے کا پیشہ، گمان، مجرد میں باب (ض) سے آتا ہے عَافَ، يَعِيفُ، عَيْفًا وَ عَيَفَةً بمعنیٰ کسی چیز پر اترنے کے لیے منڈلانا اَلطَّيْرَ عِيَافَةً بمعنیٰ نیک یا بد فالی لینے کے لیے پرندے کو آواز دے کر اُڑانا۔

(۲) اَلطَّرْقُ: واحد بمعنیٰ کٹائی، چھتائی، پھندا، چربی جمع اَطْرَاقٌ یہاں اس

سے مراد الطرق هو الضرب بالحصي الذي يفعله النساء وقيل هو الخط في الرمل. (حاشیہ:۵،مشکوٰۃ:۳۹۲)

(۳) اَلْجِبْتُ: جِبْتٌ: بمعنیٰ بُت، خدا کے سوا معبود، کاہن، جادوگر، قرآن میں ہے:﴿يُؤْمِنُ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ﴾.

(ج) خط کشیدہ الفاظ کی تشریح:

العیافة: اس کا مطلب یہ ہے کہ عیافہ پرندوں کے ذریعے فال لینے کی ایک صورت ہے جس میں پرندے کو خاص طور پر اُڑا کر یا اس کے خود بخود اُڑنے اور اس کی آواز کے ذریعے نیک فالی یا بد فالی مراد لی جاتی ہے پہلے زمانے کے عربوں میں اس کا بہت زیادہ رواج تھا اور عیافت دانی ایک باقاعدہ فن سمجھا جاتا تھا اس میں عام طور پر پرندوں کے نام کا اعتبار کیا جاتا ہے، مثلاً عُقاب کے ذریعے عقوبت غُراب کے ذریعے غربت اور ہُدہُد کے ذریعے ہدایت کی فال لی جاتی تھی۔

اَلطَّرْقُ: کنکریاں مارنے کو کہتے ہیں، فال لینے کی یہ بھی ایک صورت تھی؛ چناں چہ پہلے زمانے میں خاص طور سے عرب کی عورتیں کنکریاں مار کر فال لیا کرتی تھیں (۲) بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ریت پر خُطوط اور لکیریں کھینچنے کو طرق کہتے ہیں، جیسا کہ علم رَمَل جاننے والے خط کھینچ کر غیب کی خبریں دیا کرتے ہیں۔

(مرقات: ج۹/ص۶)

من الجبت: سحر و کہانت کے معنیٰ میں ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ جبت کے معنیٰ ہیں ہر وہ چیز جس میں بھلائی نہ ہو یا وہ چیز جو اللہ کے سوا پوجی جائے یعنی شرک اور بعض حضرات کے نزدیک، جبت، شیطان کے کام کو کہتے ہیں۔

اب حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب چیزیں یعنی پرندوں کی آواز کے گزرنے کے ذریعے بدشگونی اور کنکریاں مار کر فال لینا یا رمل کھینچ کر آئندہ کے حالات بتانا سحر و کہانت کے حکم میں داخل ہیں۔ (مظاہر حق:۲۹۸/۵)

(د) نیز طیرہ اور عیافہ کے درمیان فرق بھی واضح: مرقات شرح مشکوٰۃ میں طیرہ اور عیافہ میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ طیرہ کے اندر بدشگونی پرندوں کے علاوہ دوسرے جانوروں کے ناموں وغیرہ کے ذریعے بھی لی جاتی ہے، اور عیافہ کے اندر فقط پرندوں ہی کے ذریعے اور فقط ان کے ناموں سے بدشگونی لی جاتی ہے۔ (مرقات:۹/۶)

سوال:۹۲، مشکوٰۃ شریف:ص/۳۹۵

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ رَأْسِي قُطِعَ قَالَ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ إِذَا لَعِبَ الشَّيْطَانُ بِأَحَدِكُمْ فِي مَنَامِهٖ فَلَا يُحَدِّثْ بِهِ النَّاسَ. (رواه مسلم)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ ومطلب لکھئے (ب) اہلِ تعبیر کے یہاں قطع رأس کی تعبیر کیا ہے؟ (ج) خواب کی قسمیں بیان کرتے ہوئے بتلایئے کہ آپؐ نے تعبیر دینے کے بجائے یہ طرزِ عمل کیوں اختیار فرمایا۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک (دیہاتی) آدمی آیا اور اس نے عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا میرا سر کاٹ دیا گیا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (یہ خواب سن کر) ہنس پڑے اور ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی شخص کے خواب میں شیطان تماشہ (کھلواڑ) کرے تو وہ اس خواب کو لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے۔

حدیث شریف کا مطلب: اوّلاً تو اس حدیث شریف کے اندر ایک دیہاتی کا آپ علیہ السلام سے اپنا خواب ذکر کرنا مذکور ہے، ثانیاً آپ علیہ السلام کا پوری امت

کے لیے جرنل فارمولا "إذا لعب الشيطان بأحدكم في منامه فلايحدث به الناس" بیان فرمانا مذکور ہے۔

إذا لعب الشيطان بأحدكم إلخ: اس ٹکڑے کا مطلب یہ ہے کہ ہر طرح کا خواب لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہئے؛ بل کہ جو خواب بُشریٰ من اللہ ہو، اور جس سے فرحتِ قلبی حاصل ہو، اس طرح کے خواب بیان کرسکتا ہے؛ لیکن ماہرین معتبر ہی سے بیان کرے ہر ایسے ویسے کے سامنے بیان نہ کردے۔

(ج) اہلِ تعبیر کے یہاں قطع رأس کی تعبیر کیا ہے؟ مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ قطع رأس کی مختلف احوال کے اعتبار سے مختلف تعبیریں ہوتی ہیں (۱) اگر دنیوی اور اُخروی نعمتیں حاصل ہیں تو قطع رأس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ نعمتیں اس خواب دیکھنے والے سے زائل ہونے والی ہیں (۲) اگر غلام ہے تو اس کی تعبیر آزادی ہے (۳) اگر مریض ہے تو اس کی تعبیر شفایاب ہونا ہے (۴) اگر مدیون ہے تو اس کی تعبیر قرض کی ادائیگی ہے (۵) اگر کسی شخص نے ابھی حج بیت اللہ نہیں کیا ہے تو اس کی تعبیر حج کرنا ہے (۶) اگر غمگین ہے تو فرحت ومسرت حاصل ہونا ہے (۷) اگر خوف زدہ ہے تو مامون ومحفوظ ہونا ہے۔ (مرقاۃ: ج/۸، ص/۳۹۰)

(د) خواب کی قسمیں: رئیس المعبرین علامہ ابن سیرین نے احادیث کی روشنی میں فرمایا کہ خواب کی تین قسمیں ہیں:

(۱) حدیث النفس: یعنی قوتِ متصرفہ کی تصرف کی وجہ سے جو خیال آتا ہے مثلاً ایک شخص اپنے محبوب کے خیال میں دن کاٹتا رہتا ہے تو خواب کی دنیا پر بھی وہی محبوب چھایا رہتا ہے۔

(۲) تخویف الشیطان: یعنی وہ خواب جو شیطانی اثرات کا عکاس ہوتا ہے جہاں شیطان متمثل ہوکر اس طرح خواب دکھلاتا ہے جس سے نائم کو اپنی زندگی جاتی نظر آتی ہے مثلاً دیکھتا ہے کہ سر کٹ گیا وغیرہ، اس طرح کے خواب سے احتلام بھی ہوتا ہے جو موجبِ غسل ہے۔

(۳) بشری من اللّٰہ: یعنی خدا کی طرف سے بشارت اور خواب کی یہی قسم رؤیاءِ صالحہ کہلاتی ہے۔

آپؐ کے ہنسنے کی وجہ: آپ علیہ السلام نے اس شخص کو تعبیر دینے کے بجائے ضحک فرمایا اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ:

(۱) آپ کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا تھا کہ یہ اضغاثِ احلام (خیالی باتیں) کے قبیل سے ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس کی تعبیر مکروہ اور بُری تھی، اس لیے آپؐ نے اس کو تعبیر نہ بتلا کر بات ٹال دی۔ (مرقاۃ: ج ۸/ص ۳۹۰)

سوال: ۹۳، مشکوٰۃ شریف: ص ۴۰۳/

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ بَنُوْ قُرَيْظَةَ عَلٰى حُكْمِ سَعْدٍ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِ وَكَانَ قَرِيْبًا مِنْهُ فَجَاءَ عَلٰى حِمَارٍ، فَلَمَّا دَنَا مِنَ الْمَسْجِدِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْأَنْصَارِ قُوْمُوْا إِلٰى سَيِّدِكُمْ.

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) تشریح کرتے ہوئے بتائیں کہ سعد سے سعد بن معاذؓ مراد ہیں یا کوئی اور؟ اور مسجد سے کون سی مسجد مراد ہے؟ (ج) "قوموا" کا حکم اگر برائے تعظیمِ سعدؓ ہو تو حضرت انسؓ کی حدیث "کانوا إذا رأوه لم يقوموا لما يعلمون من كراهيته لذالک" سے تعارض ہوگا، آپ اس کا جواب تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب بنو قریظہ حضرت سعد کے حکم و ثالث بنانے پر اُتر آئے تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو

حضرت سعد کے پاس بھیجا اس وقت حضرت سعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ کے قریب ہی فروکش تھے؛ چنانچہ وہ خر پر بیٹھ کر آئے اور جب مسجد کے قریب پہنچے تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کو دیکھ کر) فرمایا اے انصار! تم اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔

(ب) حدیث شریف کی تشریح: قوموا إلیٰ سیّدکم: حضرت سعد انصار کے سردار تھے، جنگِ خندق میں ان کو گہرا زخم لگا تھا، انہوں نے یہود بنو قریظہ کی غداری پر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک یہود سے اپنا دل ٹھنڈا نہ کروں، ادھر جنگ خندق کے بعد فوراً مسلمانوں نے بنو قریظہ کا محاصرہ کرلیا ۲۵ رردن سے زیادہ محاصرہ رہا، تب یہود اپنے قلعوں سے اُترنے پر راضی ہو گئے؛ مگر ان بدبختوں نے کہا ہمارا فیصلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ کریں؛ بلکہ سعد بن معاذ کریں، حضرت سعد کے ان لوگوں سے پُرانے مراسم بھی تھے اور یہ لوگ ایک دوسرے کے حلیف بھی تھے، یہود کا خیال تھا کہ سعد ہمارے حق میں فیصلہ کردے گا۔

حضرت سعد چونکہ زخمی تھے؛ اس لیے مسجد نبوی کے پاس سے گدھے پر سوار کرا کر لائے گئے جب محلّہ بنو قریظہ میں پہنچ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**قوموا إلیٰ سیّدکم**" چونکہ ان کی مدد کی ضرورت تھی؛ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے سردار کی مدد کے لیے کھڑے ہو جاؤ ان کو گدھے سے اُتارو، لہٰذا اس حدیث کا اس حدیث سے تعارض نہیں ہے جس میں آیا ہے کہ "**من سرہ أن یتمثل لہ الرجال قیاما فلیتبؤ مقعدہ من النار**" کیونکہ یہاں مجبوری تھی، شوقیہ کسی کے لیے دست بستہ کھڑا ہونا منع ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں صرف استقبال کے طور پر احترام واکرام کے لیے کھڑا ہونا تھا اس سے صرف استقبال ثابت ہوتا ہے۔ اعاجم کے ممنوع قیام سے اس کا کوئی تعلق نہیں جس کا ذکر "من سرّہ" والی حدیث میں ہے۔

بہرحال حضرت سعد نے فیصلہ فرمادیا کہ قاتلِ جنگ یہود کو قتل کیا جائے اور

عورتوں بچوں کو غلام بنایا جائے، یہی فیصلہ تورات کا بھی تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعدؓ کا فیصلہ عرش والے بادشاہ کا فیصلہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص صاحبِ اکرام ہو، عالم ہو، ولی کامل اور نیک ہو وہ اپنے لیے کسی کے قیام کو پسند بھی نہیں کرتا ہو اور کوئی شخص دنیوی غرض کے بغیر خالص دینی محبت کی بنیاد پر اس کے احترام کے لیے کھڑا ہوتا ہو اور یہ قیام عجمیوں کے طرز پر بھی نہ ہو تو اس قیام میں مضائقہ نہیں ہے جن احادیث سے جواز کا پتہ چلتا ہے وہ اسی پر محمول ہیں؛ لیکن اگر کوئی شخص عالم فاضل نہیں ہے یا عالم فاضل ہے؛ لیکن اس قیام کو چاہتا ہے تو اس کے لیے قیام منع ہے اور اگر کوئی دنیادار شخص ہے اور دنیوی اغراض کے تحت لوگ اس کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ دل سے اس کو چاہتا ہے تو یہ سخت ممنوع ہے جن احادیث میں قیام کی ممانعت آئی ہے وہ اسی طرح کے قیام پر محمول ہیں۔

سعد سے سعد بن معاذؓ مراد ہیں یا کوئی اور؟ سعد سے سعد بن معاذؓ ہی مراد ہیں۔

مسجد سے کون سی مسجد مراد ہے؟ مسجد سے مسجدِ نبویؐ مراد ہے۔

(ج) "قوموا" کا حکم اگر برائے تعظیمِ سعدؓ ہو تو حضرت انسؓ کی حدیث "کانوا إذا رأوه لم يقوموا إلخ" کا کیا جواب ہے؟

قوموا کا حکم برائے تعظیم نہیں تھا؛ بلکہ حضرت سعدؓ زخمی تھے وہ خود نہیں اتر سکتے تھے؛ اس لیے ان کو اتارنے کے لیے ان کو کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ باقی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جو روایت ہے اس کو خاص قسم کے قیام پر محمول کیا جائے گا۔

سوال: ۹۴، مشکوٰۃ شریف: ص ۴۱۰ (۱۴۲۵ھ)

(الف) عبارت با اعراب: عَنْ أَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ بِقَوْمٍ تُقْرَضُ شَفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنَ النَّارِ فَقُلْتُ يَاجِبْرِيْلُ مَنْ هٰؤُلَاءِ قَالَ خُطَبَاءُ أُمَّتِكَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ.

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ صَرْفَ الْكَلَامِ لِيَسْبِيَ بِهٖ قُلُوْبَ الرِّجَالِ أَوِ النَّاسِ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ و مطلب تحریر کریں (ب) "صرفًا" اور "عدلًا" کے معنیٰ متعین کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معراج کی رات میں میرا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کی زبانیں آگ کی قینچیوں سے کاٹی جارہی تھیں، میں نے پوچھا کہ جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے واعظ وخطیب ہیں جو ایسی باتیں کہتے تھے جن پر خود عمل نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس مقصد کے لیے گھما پھرا کر بات کرنے کا سلیقہ سیکھے کہ وہ اس کے ذریعہ مردوں کے دلوں یا لوگوں کے دلوں پر قابو حاصل کرے، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ اس کی نفل عبادت قبول کرے گا اور نہ فرض۔

دونوں حدیثوں کا مطلب:

(۱) پہلی حدیث: اس حدیث میں ان واعظوں اور خطیبوں کے لیے سخت تنبیہ ووعید ہے جو دوسروں کو تو نیک کام کرنے کو کہتے ہیں؛ لیکن خود نیک کام نہیں کرتے، تاہم واضح رہے کہ یہ حدیث ان واعظوں اور خطیبوں کی بے عملی کی مذمت کو ظاہر کرتی ہے نہ کہ اس ارشاد کا مقصد اِس بات کی بُرائی کو بیان کرنا ہے کہ وہ نیک کام کے لیے کیوں کہتے ہیں؟ خود نہیں کرتے۔

اسی بنیاد پر علماء لکھتے ہیں کہ امر بالمعروف میں فعل شرط نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ نیک کام کے لیے وہی شخص کہہ سکتا ہے جو خود بھی اس پر عمل کرے؛ البتہ یہ بہتر ہے کہ امر بالمعروف کرنے والا اپنے کہے پر خود بھی عمل کرے؛ کیوں کہ جس امر بالمعروف کی بنیاد محض قول پر ہوتی ہے عمل پر نہیں ہے، اس کا اثر نہیں ہوتا۔

(۲) دوسری حدیث: اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس مقصد سے بات کرنے کا سلیقہ سیکھے کہ وہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے، اور لوگوں کے دلوں پر قابو حاصل کرے، تو اس کے لیے سخت وعید آئی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ اس کی نفلی عبادت قبول کرے گا اور نہ فرض۔

(ب) "صرفًا" اور "عدلًا" کے معنیٰ مرادی:

صرفًا اور عدلًا کے مرادی معنیٰ میں اختلاف ہے۔

(۱) جمہور علماء کے نزدیک صرفًا سے اعمالِ فریضہ مراد ہیں اور عدلًا سے نافلہ مراد ہیں۔

(۲) امام اللغۃ، امام اصمعی نے فرمایا کہ صرفًا سے توبہ مراد ہے اور عدلًا سے فدیہ مراد ہے۔

(۳) وقال يونس الصرف الاكتساب والعدل الفدية.

(۴) قال أبو عبيدة: العدل الحيلة، والصرف الدية.

(۵) وقيل الصرف الدية، والعدل الزيادة. (نووی علیٰ شرح مسلم)

سوال: ۹۵، مشکوٰۃ شریف: ص ۴۱۲ (داخلہ ۱۴۲۷ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِيَ لَهُ فِيْ رَبَضِ الْجَنَّةِ، وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِيْ وَسَطِ الْجَنَّةِ، وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِيَ لَهُ فِيْ أَعْلَاهَا.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق اور مرادی معنیٰ بیان کریں (ج) اس کے بعد حدیث کا مطلب تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جھوٹ چھوڑ دے جو کہ باطل چیز ہے، اس کے لیے جنت کے کنارے گھر بنایا جائے گا اور جو صاحب حق ہونے کے باوجود لڑائی چھوڑ دے، اس کا گھر جنت کے درمیان میں ہوگا، اور جس نے اپنے اخلاق درست کر لیے اس کے لیے بالائی حصہ میں گھر بنایا جائے گا۔

(ب) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی اور صرفی تحقیق اور مرادی معنیٰ:

(۱) ربض: ربض بالمكان کے معنیٰ قیام کرنا، باب (س) سے ہے۔ ملاّ علی قاریؒ نے اس کا ترجمہ یوں بیان کیا ہے: "أي: نواحيها وجوانبها من داخلها لا من خارجها" یعنی جنت کے اندر کے کنارے مراد ہیں نہ کہ باہر کے کنارے؛ تاکہ معتزلہ کا قول "منزلة بين المنزلتين" ثابت نہ ہو۔

(۲) المراء: بكسر الميم وفتح الراء، یہ ماری یماری مارة ومراء سے باب (مفاعلة) کا مصدر ہے، بمعنیٰ مناظرہ کرنا، بحث ومباحثہ کرنا، جھگڑا کرنا، جیسا کہ قرآن میں آیا ہے: ﴿فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا﴾۔

(۳) محق: أحق يحق احقاقا، باب افعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور أحق فلان کے معنیٰ حق کہنا، حق پر ہونا، بات سچی ثابت ہونا، اور یہاں اس سے مراد حق پر ہونا ہے۔

(۴) وسط: وسط الشيء يسِط وسطًا بمعنیٰ کسی چیز کے بیچ میں ہونا، جیسے: وسط الجنة. (مرقاة)

(ج) حدیث شریف کا مطلب: حدیث شریف کا مطلب تو ترجمہ سے واضح ہوگیا؛ البتہ مذکورہ حدیث میں "وھو باطل" یہ قید اس لیے لگائی گئی ہے؛ کیوں کہ بعض مقامات میں جھوٹ بولنا درست ہے، مثلاً:

(۱) جنگ کے موقع پر جب کہ عہد شکنی کا باعث نہ ہو۔

(۲) صلح کروانے اور مسلمان کے جان و مال کی حفاظت میں جب کہ وہ ناجائز ضائع ہورہا ہو۔

(۳) جس کی دو بیویاں ہوں، وہ ہر بیوی کو کہہ سکتا ہے تجھ سے زیادہ پیار ہے، اور "وھو محق" کا مطلب یہ ہے کہ وہ حق پر ہے، یعنی اس معاملے میں حق دار ہے؛ مگر جھگڑے کو دُور کرنے اور تواضع اور کسرِ نفسی کے لیے اپنا حق چھوڑ دیا۔ اسی طرح اس کا خاموشی اختیار کرنا جب کہ دینی معاملہ نہ ہو اور اس کے سکوت سے کوئی دینی نقصان نہ ہو تو وہ آخرت کے درجات کا حق دار ہے۔ (مظاہرِ حق)

سوال: ۹۶، مشکوٰۃ شریف: ص ۴۲۶ (۱۴۳۳ھ)

(الف) عبارت با اعراب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ، وَيُقْبَضُ الْعِلْمُ، وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ، وَيُلْقٰى الشُّحُّ، وَيَكْثُرُ الْهَرَجُ، قَالُوْا وَمَا الْهَرَجُ؟ قَالَ: اَلْقَتْلُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) حدیث شریف کے ہر ہر جز کی تشفی بخش تشریح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (وہ وقت بھی آنے والا ہے جب) زمانے ایک دوسرے کے قریب ہوں گے، علم اُٹھالیا جائے

گا، فتنے پھوٹ پڑیں گے، بخل ڈالا جائے گا، اور ہرج زیادہ ہوگا۔ صحابہؓ نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ "ہرج" کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قتل۔ (بخاری ومسلم)

(ب) حدیث شریف کے ہر ہر جز کی تشفی بخش تشریح ملاحظہ فرمائیں:

(۱) **یتقارب الزمان:** زمانے ایک دوسرے کے قریب ہوں گے۔ اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ اس وقت دنیا کا زمانہ اور آخرت کا زمانہ ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں گے، اس صورت میں قیامت کا قریب ہونا مراد ہوگا یا اس جملہ سے مراد زمانہ والوں میں سے بعض کا بعض کے ساتھ بُرائی اور بدی کے تعلق سے قریب ہونا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ خود زمانہ کے اجزاء بدی و برائی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے قریب اور مشابہ ہوں گے یا یہ مطلب ہے کہ آخر میں جو زمانہ آئے گا اس میں لوگوں کی عمریں بہت چھوٹی ہوں گی۔

یا یہ مطلب ہے کہ گناہوں کی کثرت سے زمانہ سے برکت ختم ہو جاتی ہے، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ آخر زمانہ میں وقت اس طرح جلدی گزرے گا کہ ایک سال ایک مہینے کے برابر اور ایک مہینہ ایک ہفتہ کے برابر اور ایک ہفتہ ایک دن کے برابر معلوم ہوگا۔

(۲) **ویقبض العلم:** علم اُٹھا لیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں مخلص، باعمل اور حقیقی علم کے حامل علماء اُٹھا لیے جائیں گے اور اس طرح حقیقی علم مفقود ہو جائے گا، نیز مختلف علمی فتنوں کا اندھیرا اس طرح پھیل جائے گا کہ علماءِ حق اور علماءِ سوء کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہوگا۔

(۳) **وتظهر الفتن:** مطلب یہ ہے کہ آخری زمانہ میں بہت سے فتنے ظاہر ہوں گے۔

(۴) **سیلقی الشحّ:** بخل ڈالا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ آخری زمانہ میں لوگوں میں بخل کی خصلت نہایت پختہ ہو جائے گی اور بخل کی بُرائی ایک عام وبا کی طرح پھیل جائے گی، نیز لوگ اس بخل کے یہاں تک تابع ہو جائیں گے کہ صنعت وحرفت

والے اپنی صنعتی اشیاء کو بنانے اور پیدا کرنے میں بخل و تنگی کرنے لگیں گے اور مالِ تجارت ولین دین کرنے والے لوگ اپنے مال کو چھپا کر بیٹھ جائیں گے، یہاں تک کہ ضروری اشیاء کو بھی فراہم کرنے اور دینے سے انکار کرنے لگیں گے۔

(۵) الهرج: ہرج کے معنیٰ ہیں فتنہ اور خرابی میں پڑنا، وفي القاموس: هرج الناس، تو اس کے معنیٰ یہ ہوتے ہیں کہ لوگ فتنے میں پڑ گئے اور قتل واختلاط یعنی خونریزی اور کاموں کے خلط ملط ہو جانے کی وجہ سے اچھے بُرے کی تمیز نہ کر سکنے کی آفت میں مبتلا ہو گئے، پس اس ارشادِ گرامی میں ''ہرج'' سے مراد خاص طور پر وہ قتل وخونریزی ہے جو مسلمانوں کے باہمی افتراق وانتشار کے فتنہ کی صورت میں اور اچھے بُرے کاموں کی تمیز مفقود ہونے کی وجہ سے پھیل جائے۔ (مظاہرِ حق جدید: ۲۴۵/۶)

سوال: ۹۷، مشکوٰۃ شریف: ص ۴۳۵/ (داخلہ ۱۴۳۱ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ شَقَّ ذَالِكَ عَلٰى أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ ذَالِكَ إِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ أَلَمْ تَسْمَعُوْا قَوْلَ لُقْمَانَ لِابْنِهٖ: ﴿يَابُنَيَّ لَاتُشْرِكْ بِاللّٰهِ، اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو اشکال پیش آیا تھا اس کی وضاحت کریں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کی توضیح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اِلخ﴾ نازل ہوئی تو اس سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

صحابہؓ کو بڑا بوجھ محسوس ہوا؛ چناں چہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں ایسا کون شخص ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بات نہیں ہے، (یعنی ظلم سے مطلق گناہ مراد نہیں ہے) بلکہ ظلم سے شرک مراد ہے، کیا تم نے لقمان کی وہ نصیحت نہیں سنی جو انہوں نے اپنے (مومن) بیٹے کو کی تھی، اے میرے بیٹے! خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا؛ کیوں کہ شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔

(ب) صحابہ کرامؓ کے اشکال اور حضورؐ کی طرف سے جواب کی وضاحت:

جب مذکورہ بالا آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ نے "ظلم" پر جو تنوین ہے اس کو تنوینِ تنکیر سمجھ کر مطلق گناہ پر حمل کیا۔ یعنی انہوں نے سمجھا کہ اس آیت میں جن مومنین کو مامون اور ہدایت یافتہ قرار دیا گیا ہے ان سے وہی مومنین مراد ہیں جن کے اعمال، گناہ و معصیت سے بالکل پاک وصاف ہوں؛ چناں چہ انہوں نے اپنے گمان کے مطابق اس آیتِ کریمہ کے نزول سے بہت پریشانی محسوس کی اور ان پر بہت بڑا بوجھ محسوس ہوا۔

چناں چہ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں سے ایسا کون شخص ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا ہے؟ تو یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے سامنے واضح طور پر فرمایا کہ ظلم سے وہ مراد نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو یعنی مطلق گناہ؛ بلکہ "ظلم" سے شرک مراد ہے۔

دلیل کے طور پر حضرت لقمان علیہ السلام کا قول پیش کیا جو انہوں نے اپنے مومن بیٹے کو نصیحت کی ہے کہ اے بیٹے! خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا؛ کیوں کہ شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔ (مظاہر حق: ۶۳۳/۵)

سوال: ۹۸، مشکوٰۃ شریف: ص/۴۴۱

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَایَنْتَظِرُ اَحَدُکُمْ اِلَّا غِنًی مُطْغِیًا اَوْفَقْرًا مُنْسِیًا

اَوْمَرَضًا مُفْسِدًا اَوْ هَرَمًا مُفْنِدًا اَوْمَوْتًا مُجْهِزًا اَوِالدَّجَّالَ فَالدَّجَّالُ شَرُّ غَائِبٍ يُنْتَظَرُ اَوِالسَّاعَةَ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ. (رواه الترمذی)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تحقیق کریں (ج) مطلب بیان کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص تونگری کا انتظار کرتا رہتا ہے، جو گنہگار کرنے والی ہے یا فقر وافلاس کا انتظار کرتا رہتا ہے جو طاعتِ حق کو بھلا دینے والا ہے یا بیماری کا انتظار کرتا رہتا ہے جو بدن کو تباہ کر دینے والی ہے، یا سخت بڑھاپے کا انتظار کرتا رہتا ہے وہ بے عقل و بدحواس اور بے ہودہ گو بنا دیتا ہے یا موت کا انتظار کرتا رہتا ہے جو ناگہاں کام تمام کر دیتی ہے یا دجّال کا انتظار کرتا رہتا ہے؛ چنانچہ وہ بدخصلت دجال! ابھی ظاہر نہیں ہوا ہے، اس کا انتظار کیا جاتا ہے یا وہ قیامت کا انتظار کرتا رہتا ہے جو حوادث وآفات میں سب سے زیادہ سخت وشدید ہے۔

(ب) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی تحقیق:

(۱) مُطْغٍ: اسم فاعل کا صیغہ ہے، باب افعال سے اَطْغَا یُطْغِیْ اِطْغَاءً، اَطْغَاهُ الْمَال، مال کا کسی کو سرکش بنانا۔

(۲) مُنْسٍ: اسم فاعل کا صیغہ ہے، باب افعال سے اَنْسَأَ یُنْسِئُ اِنْسَاءً انساہ الشیء بھلا دینا، کسی چیز سے غافل کر دینا، ذہن سے نکال دینا۔

(۳) هَرَمَ: یہ باب سمع کا مصدر ہے هَرِمَ یَهْرَمُ هَرَمًا، مَهْرَمًا وَمَهْرَمَةً کمزور ہونا، بہت بوڑھا ہونا۔

(۴) مُفْنِدٌ: اسم فاعل کا صیغہ ہے باب افعال سے اَفْنَدَ یُفْنِدُ اِفْنَادًا کھوسٹ

ہونا، بڑھاپے کی وجہ سے ضعیف العقل ہونا اَفْنَدَهُ الْكِبَرُ، بڑھاپے کا کسی کو ضعیف العقل کر دینا۔

(۵) مُجْهِزٌ: اسم فاعل کا صیغہ ہے، باب افعال سے اَجْهَزَ يُجْهِزُ اِجْهَازًا جلدی سے قتل کر دینا، زخمی کر دینا۔

(۶) اَدْهٰى: اسم تفضیل کا صیغہ ہے، باب فتح سے، دَهٰى، يَدْهٰى، دَهْيًا وَدِهَايَةً، بمعنیٰ عیب نکالنا، مرتبہ گھٹانا، آفت و بلا پہونچانا۔

(۷) اَمَرُّ: اسم تفضیل کا صیغہ ہے، باب نصر وسمع سے مَرَّ، يَمُرُّ مَرَارَةً کڑوا اور تلخ ہونا۔

(ج) حدیث پاک کا مطلب: اس حدیث میں بطورِ مثال آگے پیش آنے والے سارے عوارض کا تذکرہ فرمایا ہے۔ (۱) آج اگر آدمی خوش حال ہے تو ضروری نہیں کہ یہ حالت باقی رہے آگے ایسی غریبی پیش آسکتی ہے جو سب بھلا دے پھر عمل کیسے کریگا۔ (۲) اور اگر آج حالت ٹھیک ہے تو آگے ایسی مالداری پیش آسکتی ہے جو سرکش بنادے تو آدمی دین سے دُور جا پڑے گا۔ (۳) اور آج اگر تندرستی حاصل ہے تو آگے ایسی بیماری پیش آسکتی ہے جو جسم کو ناکارہ بنادے اور دل و دماغ کو خراب کردے پھر عمل کیسے کرے گا۔ (۴) اور آج اگر جوانی کی نعمت حاصل ہے تو آگے انتہائی بڑھاپا آرہا ہے، اس وقت نہ آنکھ کام کرے گی نہ ہاتھ پیر چلیں گے، نہ دل و دماغ کام کریں گے، پھر عمل کیا کرے گا؟ (۵) اور آج اگر زندگی ملی ہوئی ہے تو کل موت آنے والی ہے جو عمل کا قصہ ہی نمٹا دے گی۔ (۶) اور اگر کسی کو دجّال کا انتظار ہے کہ جب وہ ظاہر ہوگا تب عمل کریں گے تو جان لینا چاہیے دجال ایک بن دیکھی بُرائی ہے اور آدمی فتنوں میں تنکوں کی طرح بہہ جاتا ہے اس وقت کون عمل کرسکتا ہے؟ (۷) یا انسان کو قیامت کا انتظار ہے حالانکہ قیامت کے بعد جزاء کا زمانہ شروع ہوتا ہے عمل کا وقت باقی نہیں رہتا اور قیامت سخت حادثہ اور کڑوا گھونٹ ہے، بہرحال اس قسم کے

احوال پیش آسکتے ہیں اس وقت عمل مشکل ہو جائے گا پس چاہیے کہ آدمی آج کی اچھی حالت کو غنیمت سمجھے اور جو کچھ کر سکتا ہے کر لے؛ کیونکہ گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا۔

سوال:۹۹، مشکوٰۃ شریف: ص/۴۴۹

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَمَرَنِیْ خَلِیْلِیْ بِسَبْعٍ: أَمَرَنِیْ بِحُبِّ الْمَسَاكِیْنِ وَالدُّنُوِّ مِنْهُمْ، وَأَمَرَنِیْ أَنْ أَنْظُرَ إِلٰی مَنْ هُوَ دُوْنِیْ وَلَا أَنْظُرَ إِلٰی مَنْ هُوَ فَوْقِیْ، وَأَمَرَنِیْ أَنْ أَصِلَ الرَّحِمَ وَإِنْ أَدْبَرَتْ، وَأَمَرَنِیْ أَنْ لَا أَسْأَلَ أَحَدًا شَیْئًا، وَأَمَرَنِیْ أَنْ أَقُوْلَ بِالْحَقِّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا، وَأَمَرَنِیْ أَنْ لَا أَخَافَ فِی اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ، وَأَمَرَنِیْ أَنْ أُكْثِرَ مِنْ قَوْلِ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ فَإِنَّهُنَّ مِنْ كَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ. (رواه احمد)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) "فإنّهن" میں "هن" ضمیر کا مرجع متعین کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سات باتوں کا حکم دیا ہے آپ علیہ السلام نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فقیر اور مساکین کے ساتھ محبت کروں اور ان کی قربت اختیار کروں اور آپ علیہ السلام نے مجھے حکم دیا ہے میں اس شخص کو دیکھوں جو مرتبہ میں مجھ سے کم ہے اور اس کو نہ دیکھوں جو مجھ سے برتر ہے اور آپ علیہ السلام نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں رشتہ داروں سے تعلق کو قائم رکھوا گرچہ وہ تعلق کو ختم ہی کیوں نہ کریں اور آپ علیہ السلام نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کروں اور آپ علیہ السلام نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ہر حال میں حق بات کہوں چاہے یہ حق بات سننے والوں کو کڑوی ہی کیوں

نہ معلوم ہو اور آپ علیہ السلام نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں دین کے معاملات میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کروں اور آپ علیہ السلام نے مجھے حکم دیا ہے میں کثرت سے "لاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ" پڑھتا رہوں؛ اس لیے کہ یہ کلمات عرشِ الٰہی کے نیچے کا خزانہ ہیں۔

(ب) حدیث شریف کا مطلب: حدیث مذکورہ کا مطلب جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہو رہا ہے یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو سات باتوں کی وصیت فرمائی تھی اور یہ وصیت صرف حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے لیے ہی نہیں ہے؛ بلکہ آپؓ کے واسطے سے تمام امت کے لیے ہے، وہ سات باتیں جن کی آپ علیہ السلام نے وصیت فرمائی ہے یہ ہیں: (۱) ہمیشہ فقیر اور مساکین سے محبت کرنا اور ان کی قربت اختیار کرنا (۲) مرتبہ میں ہمیشہ اپنے سے کمتر کو دیکھنا برتر کو نہ دیکھنا (۳) قطع تعلق کرنے والوں سے بھی تعلق کو قائم کرنا (۴) کبھی کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا (۵) ہر حال میں حق بات کہنا چاہے وہ سننے والے کو تلخ ہی کیوں نہ معلوم ہو (۶) دین کے معاملہ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے میں کبھی کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کرنا (۷) کثرت سے "لاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ" کا ورد کرتے رہنا، آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ "لاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ" عرشِ الٰہی کے نیچے محفوظ خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

(ج) "فإنّهن" میں "هن" ضمیر کا مرجع: حدیث شریف کے اندر "فإنهن" میں "هن" ضمیر کا مرجع "لاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ" ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ کلمہ عرشِ الٰہی کے نیچے محفوظ خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، واضح رہے کہ بعض حضرات نے اس کا مرجع حدیث شریف میں مذکور ساتوں باتوں کو قرار دیا ہے؛ لیکن ملا علی قاری نے مرقات میں ان حضرات کے قول کی تردید کی ہے اور "لاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ" ہی کو اس کا مرجع قرار دیا ہے۔

سوال: ۱۰۰، مشکوٰۃ شریف: ص/۴۵۹ (داخلہ ۱۴۲۶ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبِ نِ الْقُرَظِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي مَنْ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ قَالَ إِنَّا لَجُلُوسٌ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ فَاطَّلَعَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ مَاعَلَيْهِ إِلَّا بُرْدَةٌ لَهُ مَرْقُوْعَةٌ بِفَرْوٍ، فَلَمَّا رَاٰهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَكٰى لِلَّذِيْ كَانَ فِيْهِ مِنَ النِّعْمَةِ وَالَّذِيْ هُوَ فِيْهِ الْيَوْمَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ بِكُمْ إِذَا غَدَا أَحَدُكُمْ فِيْ حُلَّةٍ وَرَاحَ فِيْ حُلَّةٍ وَ وُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ صَحْفَةٌ وَرُفِعَتْ أُخْرٰى وَسَتَرْتُمْ بُيُوْتَكُمْ كَمَا تُسْتَرُ الْكَعْبَةُ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِّنَّا الْيَوْمَ نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ نَكْفِي الْمُؤْنَةَ قَالَ لَا أَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِنْكُمْ يَوْمَئِذٍ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی و صرفی تحقیق لکھ کر "للذي كان فيه من النعمة"، "والذي هو فيه اليوم" میں دونوں "الذي" کا مصداق متعین کر کے مطلب تحریر کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت محمد ابن کعب قرظیؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے یہ حدیث بیان کی کہ جس نے حضرت علیؓ سے اس کو سنا تھا، (چناں چہ اس شخص نے بیان کیا) کہ حضرت علیؓ نے فرمایا: (ایک دن) ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد (نبوی یا قبا) میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مصعب بن عمیرؓ بھی وہاں آ گئے، اس وقت ان کے بدن پر صرف ایک چادر تھی اور اس چادر میں بھی چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو رو پڑے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہارِ تعجب وحسرت کے طور پر فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ تم میں کا کوئی شخص صبح کو ایک جوڑا پہن کر

نکلے گا اور پھر شام کو دوسرا جوڑا پہن کر نکلے گا اور تم اپنے گھروں پر اس طرح پردہ ڈالو گے جس طرح کعبہ پر پردہ ڈالا جاتا ہے۔ بعض صحابہؓ نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم اس دن (جب کہ خوش حالی وترفہ کی نعمت سے بہرہ مند ہوں گے) آج کے دن سے (جب کہ ہم فقر و افلاس کی گرفت میں ہیں) بہتر حال میں ہوں گے، کیوں کہ اس وقت ہم عبادت کے لیے آزاد و فارغ ہوں گے، اور ہمیں معاشی محنت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا: کہ ایسا نہیں ہے (کہ اس وقت تم بہتر ہوگے)؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم اُس دن کی بہ نسبت آج کے دن زیادہ بہتر ہو۔

(ب) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی وصرفی تحقیق:

(۱) **بردة:** یہ واحد ہے اور اس کی جمع بُرُدٌ و برد، اس کے معنیٰ ہیں **كساء مخطط يلتحف به**، یعنی وہ سلی ہوئی چادر جو اوڑھی جاتی ہے۔

(۲) **المرقوعة:** صیغہ واحد مؤنث اسم مفعول من باب (ف) **رُقعتُ الثوب والحذاء** پھٹے ہوئے کپڑے کو سی دیا اور درست کر دیا۔

(۳) **حلة:** یہ واحد ہے اور اس کی جمع "حُلَلٌ" و حلال، یہ لفظ بہت سارے معنیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے: نیا موٹا کپڑا یا باریک کپڑا یا ایک جنس کے دو کپڑے، اور یہی یہاں مراد ہے، اس کا ترجمہ "جوڑا" سے کیا جاتا ہے۔

(۴) **صحفة:** یہ واحد ہے اس کی جمع صحاف ہے، **اناء من انية الطعام**، یعنی کھانے کا بڑا برتن۔

(۵) **نتفرغ:** تفرغ یہ باب (تفعل) سے ہے اور نتفرغ یہ مضارع کے جمع متکلم کا صیغہ ہے، **تفرغ للامر، بذل المجهود فيه**، یعنی اس کا مکمل کوشش کرنا، اور **نتفرغ للعبادة** کا معنیٰ یہ ہے کہ عبادت کے لیے ہمت اور کوشش کرنا، اور عبادت کے لیے پورے وقت کو خاص کرنا جیسا کہ کہا جاتا ہے: "**تفرغ للدروسة**" **أي خصص كل وقته له.**

(۶) المؤنة: یہ واحد ہے اور اس کی جمع مؤن ہے اور اس کے معنیٰ ہیں، محنت۔
(معجم الوسیط، مصباح اللغات وغیرہ)

حدیث شریف کا مطلب: اِس حدیث کا مطلب ترجمہ سے بالکل واضح ہے۔

سوال: ۱۰۱، مشکوٰۃ شریف: ص/۴۶۱ (داخلہ ۱۴۲۸)

(الف) عبارت بااعراب: وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوْبِ كَالْحَصِيْرِ عُوْدًا عُوْدًا فَأَيُّ قَلْبٍ أُشْرِبَهَا نُكِتَتْ فِيْهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ، وَ اَيُّ قَلْبٍ اَنْكَرَهَا نُكِتَتْ فِيْهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ حَتّٰى تَصِيْرَ عَلٰى قَلْبَيْنِ أَبْيَضَ مِثْلَ الصَّفَا فَلَاتَضُرُّهُ فِتْنَةٌ مَا دَامَتِ السَّمٰوَاتُ وَالْاَرْضُ وَالْاٰخَرُ اَسْوَدُ مُرْبَادًّا كَالْكُوْزِ مُجَخِّيًا لَايَعْرِفُ مَعْرُوْفًا وَ لَايُنْكِرُ مُنْكَرًا إِلَّا مَا أُشْرِبَ مِنْ هَوَاهُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھیں؛ نیز "نکتة سوداء" اور "نکتة بیضاء" کی مراد اچھی طرح واضح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں کے دلوں پر فتنے اِس طرح ڈالے جائیں گے جس طرح چٹائی کے تنکے ہوتے ہیں، پس جو دل ان فتنوں کو قبول کرنے سے انکار کرے گا اس میں سفید نکتہ پیدا کر دیا جائے گا؛ چنانچہ قلب دو قسموں میں بَٹ جائیں گے: ایک تو سفید مثل سنگِ مَرمَر کے؛ چنانچہ اس طرح کے دل پر کوئی بھی فتنہ اثر انداز اور مضرت رساں نہیں ہوگا، جب تک کہ زمین و آسمان قائم و باقی ہیں اور دوسرے راکھ کے رنگ جیسا سیاہ دل اوندھے برتن کی مانند؛ چنانچہ اس طرح کا دل نہ تو نیک اور اچھے و مشروع کاموں کو

پہچانے گا اور نہ بُرے کاموں کو بُرا جانے گا، وہ تو بس اس چیز سے مطلب رکھے گا جو از قسم خواہشات اس میں رَچ بس گئی ہیں اور جس کی محبت کا وہ اسیر بن چکا ہے۔

(ب) مطلب لکھیں: حدیثِ پاک میں قربِ قیامت کی حالت بیان کی گئی کہ اس زمانہ میں انسان کے ذہن وفکر گمراہ نظریات، باطل افکار اور نفسانی شہوات وخواہشات وغیرہ میں پھنسے ہوئے ہوں گے اور اس زمانۂ فتنہ میں انسان کے قلب دو قسم ہو جائیں گے: ایک تو فتنہ کی طرف دھیان ہی نہیں دیں گے؛ بلکہ ان کے قلب سنگِ مَرمَر جیسے سفید اور صاف رہیں گے اور دوسرے قلب راکھ کے رنگ جیسے سیاہ اور اوندھے برتن جیسا ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو قلب فتنوں سے اعراض کریں اس میں ایک سفید نکتہ ڈال دیا جاتا ہے، اور جو قلب ان فتنوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ان قلبوں کے اندر ایک سیاہ نکتہ ڈال دیا جاتا ہے۔

"نكتة سوداء" اور "نكتة بيضاء" کی مراد:

نکتة سوداء سے مراد یہ ہے کہ دل میں فتنہ کی محبت رَچ بس گئی، مراد فتنہ راسخ ہو گیا اور اس کا رنگ دل پر چڑھ گیا، جیسا کہ رنگ کپڑے پر چڑھتا ہے۔

اور نکتة بيضاء سے مراد یہ ہے کہ اس کا دل سفید سنگِ مَرمَر جیسا ہوگا، جس پر کوئی چیز اثر انداز نہیں ہوتی۔ واضح رہے اِس تشبیہ میں محض سفیدی مراد نہیں ہے؛ بلکہ سختی اور قوتِ ایمانی کا اعتبار بھی ملحوظ رکھا گیا۔ (مظاہر حق)

سوال: ۱۰۲، مشکوٰۃ شریف: ص/۴۶۴ (۱۴۲۴ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ تَسْتَنْظِفُ الْعَرَبَ قَتْلَاهَا فِي النَّارِ اللِّسَانُ فِيْهَا أَشَدُّ مِنْ وَقْعِ السَّيْفِ.

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ سَتَكُوْنُ صَمَّاءَ بُكْمَاءَ، عَمْيَاءَ مَنْ اَشْرَفَ لَهَا اِسْتَشْرَفَتْ لَهُ وَ اِشْرَافُ اللِّسَانِ فِيْهَا كَوُقُوْعِ السَّيْفِ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ ومطلب تحریر کریں (ب) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی وصرفی تحقیق کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب ایک ایسا فتنہ ظاہر ہونے والا ہے جو پورے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا اس میں مقتول دوزخ میں جائے گا اور اس فتنہ کے موقع پر زبان کا کھولنا تلوار کے وار سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ عنقریب بہرے، گونگے، اندھے، فتنے ظاہر ہوں گے، جو ان فتنوں کی طرف جھانکے گا اس کو وہ فتنے اُچک لیں گے اور ان فتنوں میں زبان کا چلانا تلوار کے وار کی طرح ہوگا۔

حدیث شریف کا مطلب:

پہلی حدیث کا مطلب: اس فتنہ سے مراد وہی ہے کہ دو شخص مال و جان کی طمع میں لڑیں اس کا مقصد حق کی سربلندی اور اہلِ حق کی مدد نہ ہو جیسا کہ خانہ جنگی والوں کا حال ہوتا ہے کہ اندھا دھند آپس میں لڑتے ہیں۔

دوسری حدیث کا مطلب: فتنة صماء: اس فتنے سے نکلنے کی راہ نہ پائیں گے اور نہ حق و باطل میں تمیز کر سکیں گے، نصیحت کی بات نہ سنیں گے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو نہ چاہیں گے، ہر ایک حق کو خراب کرنے والی بات کرے گا۔

إشراف اللسان: تلوار سے بھی زیادہ اثر کرنے والی ہوگی جیسا کہ شاعر کا قول:

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا اللتِيَامُ ❁ وَلَا يَلْتَامُ مَاجَرَحَ اللِّسَانُ

(ب) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی وصرفی تحقیق:

(۱) تستنظف: یہ باب استفعال سے مضارع معروف کے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے، مادہ ہے نظف، اس کے معنیٰ ہیں ڈھانپ لینا، تستنظف العرب أي تستوعبهم هلاكًا من استنظف الشيء أي: اخذته كله. (حاشیہ مشکوٰۃ: ص۴۶۴)

(۲) قتلاهم: یہ قتیل کی جمع ہے جو مقتول کے معنیٰ میں ہے، اس کے معنیٰ مقتولین کے ہیں۔

(۳) صماء: یہ مؤنث ہے اصم کا اور اصم یہ احمر کے وزن پر صفت مشبہ کا واحد کا صیغہ ہے اس کی جمع ہے، صم، ترجمہ بہرہ۔ (معجم الغنی)

(۴) بكماء: یہ مؤنث ہے ابکم، کا بمعنیٰ أخرس لايتكلم (گونگا) اس کی جمع بكمات. (معجم الغنی)

(۵) عمياء: یہ مؤنث ہے أعمی کا، اس کی جمع ہے عمیاوات، اس کا ترجمہ ہے: اندھا۔ (معجم الغنی)

سوال: ۱۰۳، مشکوٰۃ شریف: ص/۴۷۶ (داخلہ ۱۴۲۵ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّيْ حَدَّثْتُكُمْ عَنِ الدَّجَّالِ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ لَّاتَعْقِلُوْا اِنَّ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ قَصِيْرٌ اَفْحَجُ جَعْدٌ اَعْوَرُ مَطْمُوْسُ الْيُنِ لَيْسَتْ بِنَاتِيَةٍ وَلَا جَحْرَاءَ فَاِنْ اُلْبِسَ عَلَيْكُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِاَعْوَرَ. (رواہ ابوداؤد)

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کا مطلب تحریر کریں (ب) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی وصرفی تحقیق پیش کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میں نے تم لوگوں سے دجال کا حال اس اندیشہ سے بیان کیا ہے کہ کہیں تمہاری سمجھ میں نہ آئے (تو اچھی طرح سمجھ لو کہ) دجال پستہ قد ہے، پھڈا ہے اس کے بال مڑے ہوئے ہیں، ایک آنکھ سے کانا ہے اور دوسری آنکھ سلپٹ یعنی بالکل مٹی ہوئی ہے، اس کی آنکھ نہ اُبھری ہوئی ہے اور نہ اندر کو دھنسی ہوئی، اس کے بعد بھی اگر تم شبہ میں پڑ جاؤ، تو اتنی بات یاد رکھنا کہ تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے۔

(ب) حدیث شریف کی تشریح: اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انی حدثتکم عن الدجال حتی خشیت. علامہ طیبی نے کہا ہے کہ حتی خشیت میں لفظ "حتی" دراصل حدثتکم کی غایت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے دجال کے سلسلہ میں اتنی زیادہ اور اس قدر متفرق طور پر احادیث بیان کی ہیں کہ مجھے یہ خدشہ ہو گیا ہے کہ کہیں تم التباس کا شکار نہ ہو جاؤ اور تمہارا ذہن اس طرح نہ اُلجھ جائے کہ دجال کی حقیقت وحیثیت اور اس کے احوال کی تفصیل تمہارے فہم اور ادراک کی گرفت سے باہر ہو جائے پس تم پر لازم ہے کہ دجال کے احوال کو خوب اچھی طرح سمجھ لو اور اپنے آپ کو اس بارے میں شکوک وشبہات اور التباس سے بچاؤ۔

ان لاتعقلوا: اس کا مطلب یہ ہے کہ میں جو بار بار اور مختلف انداز میں دجال

کا حال تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دجال کی حیثیت وحقیقت تمہارے ذہن میں اچھی طرح راسخ ہو جائے، ایسا نہ ہو کہ جب دجال ظاہر ہو تم باتوں کو بھول جاؤ جو اس کے حق میں میں نے بتائی ہیں، یا تمہارا دل ودماغ اس کی حقیقت سے نا آشنا رہے۔

ان المسیح الدجال قصیر افحج: اس کا مطلب یہ ہے کہ افحج کا ترجمہ ہے پھڑا یعنی ایسا شخص یا جاندار جس کے چلنے کا یہ غیر معمولی انداز ہو کہ پاؤں کے پنجے تو زمین پر قریب قریب پڑیں مگر دونوں ایڑیاں پھیلی ہوئی پنڈلیوں کے ساتھ ایک دوسرے سے دُور پڑیں اور نہایہ میں یہ لکھا ہے کہ افحج کے معنیٰ ہیں دونوں رانوں کے درمیان معمول سے زیادہ فاصلہ ہونا۔

مطموس العین لیست بناتیة ولاحجراء: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی آنکھ نہ ابھری ہوئی ہے اور نہ اندر کو دھنسی ہوئی یہ جملۂ منفیہ مؤکدہ ہے جس کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اسکی ایک آنکھ بالکل مٹی ہوئی ہوگی۔

فاعلموا ان ربکم لیس باعور: اتنی بات یاد رکھنا کہ تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان مؤمن کی حیثیت سے تمہارے اوپر صفات ربوبیت میں سے جس چیز کا سب سے پہلے پہچاننا واجب ہے وہ یہ ہے کہ تمہارا رب حدوث وعیوب اور خصوصاً ظاہری نقائص سے بالکل پاک ہے پس اگر یہ بنیادی عقیدہ تمہارے دل ودماغ میں مستحضر رہے گا تم دجال کو کانا دیکھ کر فوراً سمجھ جاؤ گے کہ یہ عیب دار ذات ہرگز خدا نہیں ہوسکتی خواہ وہ اپنی خدائی کے اظہار کے لیے اور تمہیں شک وشبہ میں ڈالنے والے کتنے ہی مافوق الفطرت کارنامے کیوں نہ دکھائے۔

دجال کی کون سی آنکھ کانی ہوگی؟ مسیح دجال کی دائیں آنکھ کانی ہوگی جیسا کہ مشکوٰۃ میں حضرت عبداللہ کی روایت ہے: عن عبداللّٰہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ سلم ان اللّٰہ لایخفی علیکم ان اللّٰہ تعالیٰ لیس باعور

وان المسيح الدجّال اعور عين اليمنٰى (اى عين الجهة اليمنى) كأن عنبةٌ طافيةٌ. (متفق عليه) (مشکوٰۃ شریف:۴۷۲)

(ب) خط کشیدہ الفاظ کی لغوی وصرفی تحقیق:

(۱) قصير: قليل الطول، یعنی پست قد والا، جمع قصار، يقال رجل قصير القامة: یعنی وہ پستہ قد کا ہے۔

(۲) أفحج: یہ صیغۂ صفت ہے، فحج يفحج فحجًا بابِ سمع سے اس کے معنیٰ ہیں وہ شخص جس کے قدم کے اگلے حصے قریب قریب اور ایڑھیاں دُور دُور اور ٹانگیں پھیلی ہوئی ہوں۔ الذي يتدانى صدور قدميه ويتباعد عقباه، وينفج ساقاه أي ينفرج. (مرقاۃ:۹/۴۱۳)

(۳) جعد: جعد يجعد بابِ کرم یکرم سے ہے، بمعنیٰ گھنگھریالے بال، جمع جعاد.

(۴) مطموس العين: وہ شخص جس کی آنکھ سپاٹ و برابر یعنی غائب ہو، مطموس اسم مفعول کا صیغہ ہے، طمس يطمس طمسًا وطموسًا بابِ نصر ینصر اور ضرب بمعنیٰ نگاہ کا بے نُور ہو جانا۔

(۵) ناتية: اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے، نتا، ينتوا، نتوًا بابِ نصر سے آتا ہے، بمعنیٰ بلند ہونا، اُونچا ہونا۔

(۶) جحراء: جیم کی تقدیم کے ساتھ فعلاء کے وزن پر غائرۃ کے معنیٰ میں یعنی دبی ہوئی آنکھ، جحر، يجحر، جحرًا بابِ فتح سے جب اس کا مفعول العین آئے تو اس کے معنیٰ ہیں آنکھوں کا اندر کو دھنس جانا۔

سوال:۱۰۴، مشکوٰۃ شریف: ص/۴۸۳ (۱۴۳۸ھ)

(الف) عبارت بااعراب: وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّكُمْ مَحْشُوْرُوْنَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ثُمَّ قَرَأَ ﴿كَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ

خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ﴾ وَأَوَّلُ مَنْ يُكْسٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيْمُ وَإِنَّ أُنَاسًا مِنْ أَصْحَابِيْ يُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَأَقُوْلُ: أُصَيْحَابِيْ أُصَيْحَابِيْ فَيَقُوْلُ: إِنَّهُمْ لَنْ يَزَالُوْا مُرْتَدِّيْنَ عَلٰى أَعْقَابِهِمْ مُذْ فَارَقْتَهُمْ فَأَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّادُمْتُ فِيْهِمْ إِلٰى قَوْلِهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق اور مرادی معنیٰ لکھیں (ج) دونوں آیتوں سے طریقۂ استشہاد واضح کر کے بتائیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس اوّلیت سے نوازے جانے کی کیا وجہ ہے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں (قیامت کے دن) اس حال میں اُٹھایا جائے گا کہ تم ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بے ختنہ ہو گے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطورِ دلیل واستشہاد) یہ آیت پڑھی: ﴿كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ﴾ یعنی جس طرح ہم نے ان کو ابتداءِ پیدائش میں (ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بے ختنہ ماں کے پیٹ سے) پیدا کیا تھا اسی طرح ان کو دوبارہ (قیامت کے دن) پیدا کریں گے یعنی قبر سے اُٹھائیں گے یہ وعدہ (کہ ہم ان کو دوبارہ پیدا کریں گے) ہم پر لازم ہے اور یقیناً ہم (نے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا) کرنے والے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن لوگوں میں سب سے پہلے جس شخص کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں (پھر فرمایا) اور (اس وقت جب کہ لوگوں کو میدانِ حشر سے جنت اور دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا، میں دیکھوں گا کہ) میرے کچھ صحابہ کو پکڑ کر بائیں ہاتھ کی طرف (یعنی

دوزخ کی طرف) لے جایا جارہا ہے، میں (یہ دیکھ کر بطریقِ حیرت واستعجاب اوران کو نجات دلانے کے لیے) کہوں گا کہ یہ میرے صحابی ہیں، یہ میری صحابی ہیں (ان کو کہاں لے جاتے ہو) خداوند تعالیٰ فرمائے گا (بیشک یہ تمہارے صحابی ہیں؛ لیکن حقیقت یہ ہے) کہ جب سے تم ان سے جدا ہوئے، یہ برابر دین سے برگشتہ رہے اور پھرے رہے (اس لیے ان کو دوزخ میں بھیجا جارہا ہے) میں (یہ سن کر) وہی کہوں گا جو بندہ صالح یعنی حضرت عیسیٰؑ نے کہا تھا کہ: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّادُمْتُ فِيْهِمْ... الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ تک یعنی جب تک میں ان کے درمیان رہا میں ان کے احوال سے واقف رہا الخ (بخاری ومسلم)

(ب) خط کشیدہ کلمات کی لغوی تحقیق اور مرادی معنیٰ:

(۱) حُفَاةٌ: حفي من باب سمع، معنیٰ زیادہ چلنے سے پاؤں گھسنا، ننگے پاؤں چلنا، صفت (حَفٍ و حافٍ) جمع حُفَاةٌ. اَلْفَرَسُ گھسے ہوئے کھر والا ہونا۔ یہاں ننگے پاؤں ہونا مراد ہے۔

(۲) عُرَاةٌ: عَرِيَ يَعْرىٰ عُرْيَةً و عريا من ثيابه یعنی ننگا ہونا۔ صفت مذکر (عارٍ و عُرْيَانٌ) جمع عُرَةٌ صفت مؤنث (عاريةٌ و عُرْيانةٌ) جمع عَوَارٍ و عارياتٍ. عُراةٌ أي ليس عليهم مايستر من الثياب. یہاں ننگا بدن ہونا مراد ہے۔

(۳) غُرْلًا: غَرِلَ من باب سمع، غَرَلًا الصَّبِيُّ: بچے کا غیر مختون ہونا، صفت (أغرل) مؤنث غَرْلَاء جمع غُرْلٌ. قال النووي في شرح مسلم: الغرل بضم الغين المعجمة، واسكان الراء معناه غير مختون، جمع أغرل وهو الذي لم يختتن، وبقيت معه غرلته وهي قفلته، وهي الجلدة التي تقطع في الختان والمراد أنّهم يحشرون كماخلقوا لاشيء معهم ولايفقد منهم شيء حتى الغرلة تكون معهم.

(۴) مُرْتَدِّيْنَ: اِرْتَدَّ الشَّيْءُ بمعنیٰ واپس کرنا، واپس کرنے کو کہنا۔ علی

أثرہٖ أو عن طريقه: لوٹنا عن دينه: دین کو چھوڑنا، دین سے پھر جانا۔

المرتد على الحقيقة: هو الذى يكفر بعد إسلامه كفرا بواحا (ظاهرًا) بقول أو فعل أو اعتقاد.

یہاں مراد وہ اجڈ دیہاتی ہیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مشرف باسلام ہو گئے تھے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسیلمہ کذاب اور اسود وغیرہ کے اتباع کرنے کے سبب مرتد ہو گئے تھے۔

(۵) شهيدا: الشَّهِيْدُ والشَّهِدُ بمعنیٰ گواہی میں امانت دار، وہ ذات جس کے علم سے کوئی چیز غائب نہ ہو، اللہ کی راہ میں مقتول (اسم). الشهادة جمع شهداء مؤنث شَهِيْدَةٌ. یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت پر گواہی دینا مراد ہے۔

(۶) متفق عليه: اِتَّفَقَ الرجلان على الشيء وفيه بمعنیٰ اتفاق کرنا، قریب ہونا، متحد ہونا، اتفق معه: موافقت کرنا۔

متفق علیہ سے مراد ایسی حدیث ہے جس کو شیخین یعنی امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔ (مصباح اللغات، معجم الوسیط وغیرہ)

(ج) دونوں آیتوں سے طریقۂ استشہاد:

(۱) ﴿كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ﴾.

مذکورہ آیت سے وجہِ استشہاد: حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں قیامت کے دن اس حال میں اُٹھایا جائے گا کہ تم ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بے ختنہ ہوں گے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ استدلال و استشہاد یہ آیت پڑھی: ﴿كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ﴾ یعنی جس طرح ہم نے ان کو ابتداءِ پیدائش میں ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بے ختنہ ماں کے پیٹ سے پیدا کیا تھا اسی طرح ان کو دوبارہ قیامت کے دن پیدا کریں گے تو اس آیت سے استشہاد بالکل ظاہر ہے؛ کیوں کہ حدیث میں کہا گیا کہ

لوگوں کو قیامت کے دن ننگے پاؤں اور ننگے بدن اُٹھایا جائے گا اور آیت میں بھی یہ کہا گیا کہ لوگوں کو قیامت کے دن ننگے پاؤں اور ننگے بدن اٹھایا جائے گا۔

(۲) ﴿وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّادُمْتُ فِيهِمْ -إِلٰى قوله-: الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾

مذکورہ آیت سے وجہِ استشہاد: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **فأقول كما قال العبد الصالح إلخ** ''یعنی جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اپنی قوم کی گمراہی اور بدعقیدگی و بدعملی سے اپنی براءت کا اظہار کریں گے، اور اپنی گمراہ قوم کے معاملہ کو حق تعالیٰ کے عدل و انصاف پر چھوڑ دیں گے اسی طرح میں بھی یہی کہوں گا کہ پروردگار میری امت کے یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں موجودگی کے درمیان ایمان و عمل کی سیدھی راہ پر گامزن تھے اور میں ان کا نگاہبان و ذمہ دار تھا؛ لیکن جب میں دنیا سے اُٹھ گیا تو انھوں نے اپنے نفس اور شیطان کے فریب میں مبتلا ہو کر گمراہی کو اختیار کر لیا، اب ان کا معاملہ تیرے اوپر موقوف ہے، تیری عادل و مصنف بارگاہ ان کے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے وہ سراسر عادلانہ اور منصفانہ ہوگا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اِس بات کو واضح کرنے کے لیے بطورِ استشہاد حضرت عیسیٰؑ کے تعلق سے قرآن کریم کی جو آیت ہے اس کو تلاوت کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر مذکورہ آیت سے استشہاد بالکل واضح ہو گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس اوّلیت سے نوازے جانے کی کیا وجہ ہے؟

قیامت کے دن سب سے پہلے جس شخص کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں''۔

اور اس جزئی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ذاتِ الٰہی کی خاطر اس کو ننگا کیا گیا تھا جس وقت انہیں آگ میں ڈالا گیا، یا تو اس لیے کہ انہوں نے سب سے پہلے فقراء کو لباس دیا تھا یا اس لیے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ ہونے کی وجہ سے **تکریمًا لابوتہٖ** ان کو پہلے لباس پہنایا جائے گا۔ (درسِ مشکوٰۃ: ج ۳، ص ۲۰۱)

سوال: ۱۰۵، مشکوٰۃ شریف: ص/۴۸۷ (۱۴۳۵ھ)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ أَنَا أَسِيْرُ فِي الْجَنَّةِ إِذَا أَنَا بِنَهْرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ الدُّرِّ الْمُجَوَّفِ قُلْتُ: مَاهٰذَا يَاجِبْرَئِيْلُ؟ قَالَ الْكَوْثَرُ الَّذِيْ أَعْطَاكَ رَبُّكَ فَإِذَا طِيْنُهُ مِسْكٌ أَذْفَرُ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) خط کشیدہ الفاظ کی تحقیق کرتے ہوئے بتایئے کہ حوضِ کوثر کہاں ہے؟ جنت میں یا جنت سے باہر؟ (ج) دوسرے انبیاء کے لیے بھی حوض ہوں گے یا نہیں؟ اگر ہوں گے تو کہاں ہوں گے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں (معراج کی رات میں) جنت کی سیر کر رہا تھا کہ اچانک میرا گزر ایک نہر پر ہوا جس کے دونوں طرف موتیوں کے گنبد تھے، میں نے پوچھا کہ جبرئیل یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ حوضِ کوثر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پروردگار نے عطا کیا ہے، پھر جو میں نے دیکھا تو اس کی مٹی مثل مشک تیز خوشبودار تھی۔

(ب) خط کشیدہ الفاظ کی تحقیق:

(۱) **حافتاہ:** یہ کلمہ اضافت کے ساتھ ہے اور حافتا اصل میں حافتان تھا جو حافة کا تثنیہ ہے اضافت کی وجہ سے نونِ اعرابی گر گیا جس کا معنیٰ ہے: جانباہ وطرفاہ یعنی کنارہ۔

(۲) **قباب:** بکسر القاف، یہ قبة کی جمع ہے القبة هو البناء المدود وتفسير بالخيمة. یعنی قبة کہتے ہیں گول بڑی عمارت کو یعنی گنبد۔

(۳)مجوف: یہ باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اس کا معنیٰ ہے کھول کھولا، پس مجوف موتی کے گنبد سے مراد یہ ہے کہ حوضِ کوثر کے دونوں کناروں پر جو گنبد اور قبے ہیں وہ اینٹ پتھر اور چونے گارے جیسی چیزوں سے تعمیر شدہ نہیں ہیں؛ بلکہ ہر گنبد دراصل ایک بہت بڑا موتی جو اندر سے کھول کھولا ہے اور جس میں نشست و رہائش کی جملہ آسائشیں موجود ہیں۔

حوض کے معنیٰ ومراد: لغت میں حوض کے معنیٰ ہیں ''پانی جمع ہونا اور بہنا'' اس لیے جو گندہ خون عورتوں سے ہر مہینہ آتا ہے ''حیض'' کہا جاتا ہے اور یہ لفظ بھی حوض ہی سے مشتق ہے اور یہاں حوض سے مراد (نہر) ہے جو قیامت کے دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہوگا۔

حوضِ کوثر کہاں ہے؟ جنت میں ہے یا جنت سے باہر؟ امام قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دو حوض ہوں گے: ایک حوض تو میدانِ محشر میں پل صراط سے پہلے عطا ہوگا اور دوسرا حوض جنت میں ہوگا اور دونوں کا نام کوثر ہوگا۔

عربی میں کوثر کے معنیٰ ہیں خیر کثیر یعنی بے شمار بھلائیاں اور نعمتیں، پھر زیادہ صحیح یہ ہے کہ میدانِ حشر میں حوض عطا ہوگا وہ ''میزان'' کے مرحلہ سے پہلے ہی ہوگا، پس لوگ اپنی قبروں سے پیاس کی حالت میں نکلیں گے اور پہلے حوض پر آئیں گے، اس کے بعد میزان کا مرحلہ پیش آئے گا۔

(ج) دوسرے انبیاء کے لیے بھی حوض ہوں گے تو کہاں؟ اسی طرح دوسرے انبیاء کے لیے بھی حوض ہوگا اور وہ بھی میدانِ محشر میں ہوگا، ہر پیغمبر کا اپنا الگ حوض ہوگا، جس پر اس کی امت آئے گی؛ چناں چہ اس وقت تمام پیغمبر آپس میں فخر کا اظہار کریں گے کہ دیکھیں کس کے حوض پر زیادہ لوگ آتے ہیں، ہمارے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اُمید رکھتا ہوں کہ میرے حوض پر آنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔ (مظاہر حق)

سوال:۱۰۶، مشکوٰۃ شریف: ص/۵۰۱

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ قَالَ نُوْرٌ أَنّٰى أَرَاهُ. (رواه مسلم)

(الف) حدیث شریف پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجیے (ب) مطلب تحریر کیجیے (ج) شبِ معراج میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدارِ الٰہی ہوا تھا یا نہیں؟ اگر اس میں اختلاف ہو تو قلمبند کیجیے؛ نیز اس حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے؟

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے دریافت کیا کہ کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تو نُور ہے، میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔

(ب) حدیث پاک کا مطلب: اِس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذات، جسم و مکان کی قیود سے ماوراء ایسا نورِ عظیم ہے جس کی نورانیت کا کمال اور جس کے ظہور کی شدت نہ انسان کے ادراک میں آسکتی ہے، اور نہ نگاہ و بصر کو اتنی تاب کہ اس کی خیرہ کردینے والی تجلیات کے سامنے ٹھہر سکے، واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو خود قرآن کریم میں نُور سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کائنات میں ہر طرف اسی کی تجلیات کا ظہور ہے، اور جو چیز نظر آتی ہے اسی کی روشنی کی بدولت نظر آتی ہے نیز جو چیزیں زمین و آسمان کو روشنی بہم پہنچاتی ہیں جیسے سورج، چاند اور ستارے وغیرہ سب اسی کی روشن کی ہوئی ہیں۔

(ج) شبِ معراج میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدارِ الٰہی ہوا یا نہیں؟ اختلاف کی وضاحت:

آنحضرتؐ نے شبِ معراج میں اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے۔

(۱) حضرت عائشہؓ، ابن مسعودؓ اور ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ شبِ معراج میں اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ شبِ معراج میں اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

عدمِ رویتِ باری کے قائلین کی دلیل:

(۱) حدیث الباب۔

(۲) یہ حضرات سورہ نجم کی آیات ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ﴾ میں "رَآهُ" کی ضمیر کا مرجع حضرت جبرئیلؑ کو قرار دیتے ہیں اور اس آیت کو رویتِ جبرئیل پر محمول کرتے ہیں، اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: من زعم أن محمدا رأى ربّه فقد أعظم على الله الفرية.

(۳) حضرت عائشہؓ استدلال کرتی ہوئی فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ کہ آنکھیں اللہ تعالیٰ کا ادراک نہیں کرسکتی ہیں اور اللہ تعالیٰ آنکھ کا ادراک کرتا ہے اور وہ باریک بیں اور باخبر ہے۔

وجہِ استدلال: یہ ہے کہ آیت میں مخلوق کے لیے حصولِ ادراکِ باری کی نفی ہے، نیز ذاتِ باری کو لطیف و غیر محسوس قرار دیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ اس کا ادراک ناممکن ہے۔

رویتِ باری کے قائلین کی دلیل:

(۱) ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ﴾ وہ حضرات

فرماتے ہیں ان افعال کی ضمیروں کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ جبرئیلؑ، جس کا ایک ظاہری قرینہ "فَاَوْحٰی" کی ضمیر ہے کہ اس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ﴿دَنٰی فَتَدَلّٰی﴾ میں تقدیم وتاخیر ہے، اصل میں "تَدلّٰی فدنی" یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری معراج میں ایک "رفرف" پر اُتری، آپ اس پر بیٹھ گئے پھر آپ بلند کیے گئے، یہاں تک کہ اپنے پروردگار کے قریب پہنچ گئے۔

(۲) عن ابن عباسؓ قال: اتجعلون أن تكون الخلة لإبراهيم والكلام لموسٰى والرؤية لمحمد ﷺ.

(۳) عن ابن عباسؓ قال النبي ﷺ رأه مرتين بفؤاده و مرة ببصره.

(۴) قال الحسن البصري حلفاً لقد رأىٰ محمد ربّه.

اس حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ اس روایت کے ضبط میں اختلاف ہے:

(۱) نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاهُ: بفتح الهمزة وتشديد النون علٰى مافي أكثر النسخ أي كيف، راء کی تنوین کے ساتھ، ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ اور نون کی تشدید کے ساتھ مطلب یہ ہوگا کہ پروردگارِ عالم نور ہیں، نور کی وجہ سے میں دیکھ نہیں سکا؛ کیونکہ جب نُور بہت ہوتا ہے تو نور کی بہتات کی وجہ سے آنکھیں چکاچوند ہوجاتی ہیں اور کچھ دکھائی نہیں دیتا ہے" اس صورت میں حدیث الباب سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو نہیں دیکھا ہے۔

(۲) نُوْرَانِیٌّ اَرَاهُ: وفي بعض النسخ نوراني، بتشديد الياء للنسبة لزيادة الألف والنون للمبالغة كالرَّباني وحينئذ قوله اراه، بمعنٰى اظنه من الرؤية بمعنٰى الرأى، فلو قرئ بضم الهمزة لكان أظهر في هٰذا المعنٰى ويمكن أن يكون بمعنٰى أبصره.

یعنی راء کے فتحہ کے ساتھ اور اس کے بعد الف کے ساتھ اور نون کے کسرہ کے ساتھ اور یاء کی تشدید کے ساتھ، اس صورت میں مطلب ہوگا کہ پروردگار نورانی ہیں،

میں نے ان کو دیکھا ہے، لہٰذا اس صورت میں حدیث الباب سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے۔

سوال: ۱۰۷، مشکوٰۃ شریف: ص ۵۱۲/ (داخلہ ۱۴۲۷)

(الف) عبارت بااعراب: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ أُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا وَ أُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ.

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) جوامع الکلم کے مرادی معنیٰ لکھ کر حدیث پاک کے ہر ہر جز کی الگ الگ تشریح کریں۔

الجواب

(الف) ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام پر مجھے چھ باتوں سے فضیلت دی گئی ہے: (۱) مجھے جوامع الکلم عنایت کیے گئے (۲) رعب سے میری مدد کی گئی (۳) میرے لیے غنائم کو حلال کر دیا گیا (۴) میرے لیے تمام زمین کو مسجد و پاکیزہ بنا دیا گیا (۵) مجھے تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا (۶) مجھ پر انبیاءؑ کا اختتام ہوا۔

(ب) جوامع الکلم کے مرادی معنیٰ: اس سے مراد ایسے کلمات ہیں جن کے الفاظ مختصر؛ مگر ان میں معانی کا سمندر ہے، مثلاً: "إنما الأعمال بالنيّات، ومن حسن إسلام المرء تركه مالايعنيه، الدين النصيحة" وغیرہ ان میں سے ہر ایک بہت سے معنوں پر مشتمل ہیں۔

(۲) جوامع الکلم سے مراد قرآن مجید ہے کہ تھوڑے لفظوں میں بہت کچھ بند

کردیا ہے۔ پہلا معنیٰ ظاہر ہے اور روایت کا سیاق اسی پر دلالت کرتا ہے، اور اختصر لي الكلام بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ (مظاہر حق)

حدیث پاک کے ہر جز کی الگ الگ تشریح:

(۱)اعطیت جوامع الکلم: مطلب یہ ہے کہ دین کی حکمتیں اور احکام، ہدایت کی باتیں اور مذہبی و دنیاوی اُمور سے متعلق دوسری چیزوں کو بیان کرنے کا ایسا مخصوص اسلوب مجھے عطا فرمایا گیا جو نہ پہلے کسی نبی اور رسول کو عطا ہوا اور نہ دنیا کے کسی بھی بڑے سے بڑے فصیح و بلیغ کو نصیب ہوا، اس اسلوب کی خصوصیت یہ ہے کہ تھوڑے سے الفاظ کے ایک چھوٹے جملہ میں معانی و مفہوم کا ایک گنجینہ پنہاں ہوتا ہے۔

(۲)فضلت على الأنبياء بست: ایک روایت میں پانچ فرمائیں اور یہاں چھ فرمائیں درحقیقت آپ کے فضائل بے شمار ہیں، حصر مقصود نہیں ہے۔

(۳)ونصرت بالرعب: کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اور اسلام کے دشمنوں اور مخالفوں کے مقابلہ پر مجھے اس خصوصیت کے ساتھ فتح و نصرت عطا فرمائی ہے کہ ان کے دلوں میں میرا رعب اور خوف پیدا ہوتا ہے اور وہ مجھ سے ایک مہینہ کی مسافت کی دُوری پر بھی ہوتے ہیں تو میرے نام ہی سے ان کی ہمت پست ہوجاتی ہے۔

(۴)وجعلت لي الأرض مسجدا و طهورًا: مطلب یہ ہے کہ مجھ سے پہلے کے رسولوں اور نبیوں کی شریعت میں ہر جگہ نماز پڑھنا اور عبادت کرنا درست نہیں تھا، ان کی نماز و عبادت کے لیے جو جگہ عبادت خانہ کے طور پر متعین اور مخصوص ہوتی تھی بس وہیں نماز و عبادت ہوسکتی تھی؛ لیکن مجھے یہ خصوصیت عطا ہوئی کہ میں اور میری امت کے لوگ بیت الخلاء، غسل خانہ اور مقبرہ کے علاوہ پوری روئے زمین پر جس جگہ اور جہاں چاہیں نماز پڑھ سکتے ہیں، بشرطے کہ وہ جگہ پاک ہو۔

اسی طرح گزشتہ امتوں میں پانی کے بغیر پاکی حاصل نہیں ہوتی تھی؛ لیکن

ہمارے لیے یہ جائز قرار دیا گیا کہ اگر کہیں پانی دستیاب نہ ہو یا پانی کے استعمال میں کوئی شرعی عذر ہو تو پاک مٹی کے ذریعہ تیمّم کر کے پاکی حاصل کی جاسکتی ہے۔

(۵)واحلت لي الغنائم: مطلب یہ ہے کہ مالِ غنیمت کے بارے میں گزشتہ امتوں میں جو یہ معمول تھا کہ حاصل ہونے والا مالِ غنیمت اگر جانوروں کے علاوہ کسی اور جنس کا ہوتا تو اس کو جمع کر کے ایک جگہ رکھ دیا جاتا، اور پھر آسمان سے ایک آگ اُترتی اور وہاں جمع شدہ تمام مال واسباب کو جلا کر واپس چلی جاتی، اور اگر مالِ غنیمت مویشیوں اور جانوروں کی صورت میں ہوتا تو اس کے حق دار صرف وہی لوگ ہوتے تھے جو اس کو دشمنوں سے چھینتے اور اس پر قبضہ کرتے تھے، نبی اور رسول کو اس میں سے کچھ نہ ملتا۔

لیکن ہمارے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہ صرف یہ کہ خمس یعنی مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ؛ بلکہ ''صفی'' لینا بھی جائز قرار دیا گیا، ''صفی'' اس چیز کو کہتے ہیں جو مالِ غنیمت میں سب سے اچھی ہو۔

(۶)وأرسلت لي الخلق كافة: یعنی مجھ کو روئے زمین کے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت صرف انسانوں ہی تک محدود نہیں ہے؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جنات کی طرف بھی ہوئی ہے، اپنی رسالت کے ذریعہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے زمین کے تمام انسانوں تک خدا کا پیغام پہنچایا اسی طرح جنات کی بھی ہدایت فرمائی، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''رسول الیقین'' کہا جاتا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی اس وقت تک جنات کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نہ ہوئی ہو بعد میں ہوئی ہو اور اسی وجہ سے اس حدیث میں ''جنات'' کا ذکر نہیں ہے۔

(۷)وختم بي النبيون: اور نبوت ورسالت کا سلسلہ مجھ پر ختم کیا گیا۔ اس کا

مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف سے وحی آنے کا سلسلہ منقطع ہوگیا، رسالت تمام ہوئی، اب میرے بعد کوئی اور نبی ورسول نہیں آئے گا؛ کیوں کہ خدا کا دین مکمل ہوگیا ہے، اور قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا بھی اسی دین کو مضبوط بنانے اور زیادہ سے زیادہ پھیلانے کے لیے ہوگا۔ (مظاہر حق)

❑❖❑



Telegram Channel : New Madarsa